مساجد

فضائل، مسائل اور متعلقہ امور

ائمہ اور ذمہ دارانِ مساجد کے لیے ایک قیمتی سوغات

ترتیب

عبداللطیف قاسمی

اُستاذ جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور

۲۴۷۵۵۴
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

مساجد

فضائل، مسائل اور متعلقہ امور

ائمہ اور ذمہ داران مساجد کے لیے ایک قیمتی سوغات

مؤلف

مفتی عبد اللطیف قاسمی

جامعہ غیث الہدیٰ، بنگلور

ناشر

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ۲۴۷۵۵۴

حقوق الطبع محفوظة للمؤلف

تفصیلات

نامِ کتاب : مساجد، فضائل، مسائل اور متعلقہ امور
مولف : مفتی عبد اللطیف قاسمی
جامعہ غیث الہدی بنگلور
صفحات : ۲۶۴
موبائیل نمبر : +919986694990
ای میل : abufaizanqasmi@gmail.com
ویب سائٹ : https://faizaneqasmi.com
فائنل سیٹنگ : ڈیزائن اسٹوڈیو، دیوبند
شاہ عالم قاسمی 8954434315

ملنے کے پتے

جامعہ غیث الہدی، بنگلور
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، حنفی بک ڈپو بنگلور

فہرست مضامین

مساجد مسلمانوں کے اہم مراکز ۱۳
حضرت اقدس مفتی محمد جمال الدین صاحب مدظلہٗ
صدر المدرسین وصدر مفتی دار العلوم حیدرآباد
پیش لفظ ۱۸
پہلا باب ۲۱

مسجد کی تاریخ، تعمیر، فضیلت، اہمیت تولیت، خدمت اور حفاظت

مساجد کی اہمیت وفضیلت ۲۲
مساجد شعائرِ اسلام ۲۳
تعمیر مساجد کی فضیلت ۲۴
مساجد کو آباد کرنے کی فضیلت ۲۵
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعمیر کردہ مساجد ۲۶
مسجد حرام ۲۶
حرم کی نیکیاں ۲۷
حرم میں روزے اور دیگر عبادات کا ثواب ۲۹
حجر اسود ۳۰
حجر اسود حقیقی جنتی پتھر ہے، یا تمثیلی؟ ۳۱
رکن یمانی ۳۲
مقام ابراہیم ۳۳

حطیم / حجر ۳۴
ملتزم ۳۵
زمزم ۳۶
زمزم پینے کے آداب ۳۷
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمایا ہے ۳۸
زمزم کھڑے ہوکر پینا افضل ہے یا بیٹھ کر؟ ۴۰
خلاصۂ کلام ۴۰
بعض علماء کے نزدیک زمزم کھڑے ہوکر پینا مستحب ۴۳
علامہ شامیؒ کا فیصلہ کن قول ۴۴
مکہ مکرمہ سے زمزم لے آنا ۴۵
زمزم اور مقاصد کی تکمیل ۴۵
اکابر کے تجربات ۴۶
اللهم إني أشربه لعطش يوم القيامة ۴۶
مسجد نبوی ۴۸
مسجد نبوی میں نماز کا اجر وثواب ۴۹
منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۴۹
کھجور کا وہ تنا جس کا سہارا آپ لیا کرتے تھے ۵۱
اے لوگو! درخت کے شوق کو دیکھو ۵۱
حوض کوثر پر منبر رسول اللہ ۵۲
ریاض الجنہ ۵۴
صفہ اور اصحابِ صفہ ۵۶
اصحابِ صفہ کا زہد ۵۷
اصحابِ صفہ کی مصروفیات ۵۷

اصحابِ صفہ کی تعلیم وتربیت ۵۸
قبائل میں صفہ کے مبلغین اور ان کی شہادت ۵۹
اصحابِ صفہ اور حیرت ناک قوتِ حافظہ ۶۰
صفہ سے متعلق اکابر کے تجربات ۶۱
خلاصہ کلام ۶۲
روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۶۳
روضۂ رسول کی زیارت کے فضائل ۶۳
روضۂ رسول کی زیارت کا حکم ۶۶
روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے سفر کا شرعی حکم ۶۷
روضۂ اقدس پر دعائے مغفرت کی درخواست ۶۸
روضۂ اقدس پر درود وسلام ۶۹
روضہ پر حضرات صحابہ کی حاضری ۷۰
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا مشاہدہ ۷۱
روضہءِ اقدس پر درود افضل ہے، یا سلام؟ ۷۱
مسجد اقصی ۷۲
مسجد اقصی میں نماز کا اجر وثواب ۷۳
مسجد اقصی سے عمرہ کرنے کا ثواب ۷۴
ارضِ شام ارض محشر ۷۵
مسجد قبا ۷۶
اللہ کے گھروں کی خدمت اور حضرات انبیاء وصحابہ ۷۷
مسجد کی تعمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنفس نفیس شرکت ۷۷
خادمینِ مسجد کے لیے کچھ ضروری باتیں ۸۱
اخلاص ۸۱

مصلیوں کے ساتھ حسنِ سلوک ۸۳

ذمہ دارانِ مساجد کے اوصاف اور شرائط ۸۶

ذمہ دارانِ مساجد کی شرائط ۸۶

ذمہ دارانِ مساجد کی ذمہ داریاں ۸۷

مسجد کا متولی بننے کا حق دار کون؟ ۸۷

ذمہ دارانِ مسجد کے اختیارات ۸۸

ذمہ داران کو کب معزول کیا جائے گا ۸۹

اموالِ مسجد کی حفاظت ۹۱

مالِ وقف اور سرکاری خزانے میں چوری بحکم غلول ۹۲

’’مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے، اتنا کسی سے نہیں لگتا‘‘ ۹۳

اموالِ مساجد کی حفاظتی تدابیر ۹۴

اشیائے مسجد کا ذاتی استعمال ۹۵

مسجد کے سامان سے متعلق مسائل ۹۵

ناقابل استعمال اشیائے مسجد کا مصرف اور متعلقہ مسائل ۱۰۰

مساجد کی تزئین و آرائش کے شرعی حدود ۱۰۳

لمحہ فکریہ ۱۰۵

مساجد کی تزئین و آرائش میں اعتدال مطلوب ۱۰۵

دوسرا باب: ۱۰۹

متعلقاتِ مسجد، باجماعت نماز، جماعت میں عورتوں کی شرکت،
مسجد میں غیر مسلموں کا داخلہ اور ان کا تعاون

شرعی مسجد کب وجود میں آئے گی؟ ۱۱۰

مسجد کے دو حصے: شرعی مسجد اور ملحقاتِ مسجد ۱۱۱

مسجد صغیر اور مسجد کبیر ۱۱۱

منبر ۱۱۳
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر میں تین سیڑھیاں تھیں ۱۱۴
نئی وضع کے منبر ۱۱۵
ایک قابل غور بات ۱۱۶
عصا ۱۱۶
مسجد میں محراب ۱۱۹
مسجد میں مینار ۱۲۰
مسجد کے اندرونی حصے میں اذان ۱۲۱
نیچے دکان، مکان، پارکنگ اور اوپر مسجد ۱۲۱
مسجد میں مدرسے کا قیام ۱۲۳
بوقت ضرورتِ شدیدہ مسجد میں تعلیم ۱۲۴
تنخواہ لے کر مسجد میں تعلیم دینا ۱۲۵
باجماعت نماز اور متعلقہ احکام ومسائل ۱۲۷
باجماعت نماز کی اہمیت ۱۲۷
باجماعت نماز کی برکت سے اجر میں زیادتی ۱۲۷
جماعت کی نیت پر جماعت کا ثواب ۱۲۷
باجماعت نماز کی برکت سے شیطان سے حفاظت ۱۲۸
جماعت کی برکت سے نفاق وجہنم سے براءت ۱۲۸
مسلمانوں کا باجماعت نماز کا اہتمام ۱۲۹
ترکِ جماعت پر شدید وعید ۱۳۰
باجماعت نماز کا حکم ۱۳۱
مسجد کی جماعت ترک کرنے کی رخصت ۱۳۲

مسجد اور باجماعت نماز سے روکنا ۱۳۳

وبائی اور متعدی امراض میں مبتلا افراد کے لیے ترکِ جماعت ۱۳۵

وبائی امراض کے ایام میں عام لوگوں کو مسجد سے روکنا ۱۳۵

مریض ومسافر کو جماعت کے فوت ہونے پر اجر ۱۳۶

باجماعت نماز کے لیے عورتوں کا مسجد جانا ۱۳۸

خوفِ فتنہ اور فساد زمانے کی بنا پر عورتوں کا مسجد جانا مکروہ ۱۳۸

حرمین شریفین میں عورتوں کی حاضری ۱۴۰

ایک ضروری وضاحت اور ضرورت ۱۴۱

صفوں کی درستگی، فضیلت، اہمیت اور متعلقہ مسائل ۱۴۲

صفِ اول کی فضیلت ۱۴۲

نماز کی صفوں کا اختلاف مسلمانوں کے آپسی اختلاف کا سبب ۱۴۳

صفوں کو درست کرنے کی اہمیت ۱۴۴

صفوں کو درست کرنے کا طریقہ ۱۴۵

اگلی صفوں کی تکمیل ۱۴۵

درمیانی خلا پر کرنا ۱۴۶

صف کی تکمیل اور خالی جگہوں کو پر کرنے کی فضیلت ۱۴۷

مقتدیوں کی ایڑیاں اور ٹخنے ایک سیدھ میں ہوں ۱۴۸

ایک غلط فہمی کا ازالہ ۱۴۹

سعودیہ کے مفتی محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ کا فتوی ۱۵۰

صفوں کی ترتیب سے متعلق مسائل ۱۵۱

سُترے کا اہتمام اور اس سے متعلق مسائل ۱۵۴

سترے سے متعلق مسائل ۱۵۶

مساجد میں غیر مسلموں کا داخلہ ۱۶۰
مساجد کے لیے غیر مسلم بھائیوں کا تعاون ۱۶۰
دینی کاموں میں غیر مسلم بھائیوں سے تعاون کی شرائط ۱۶۰
تیسرا باب: ۱۶۳

مسجد کے آداب، پاکی صفائی مسجد اور نمازیوں کی ضروریات

آداب المساجد ۱۶۴
مسجد کے آداب کی اہمیت ۱۶۴
آداب کا بیان ۱۶۴
مسجد کے آداب سے متعلق مسائل ۱۶۷
مسجد کی پاکی صفائی ۱۶۹
مسجد کی پاکی صفائی کی اہمیت وفضیلت ۱۶۹
مسجد کی صفائی میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ۱۷۱
پاکی صفائی سے متعلق مسائل ۱۷۴
مسجد اور نمازیوں کی ضروریات ۱۷۷
نمازیوں کے لیے کن چیزوں کا انتظام ہو ۱۷۷
تاخیر سے آنے والے مصلیوں کی سہولت ۱۷۹
دنیوی تقاضوں کے لیے مسجد آنا بہت بری بات ۱۸۰
مسجد میں اعلانات ۱۸۱
مسجد میں اعلانات سے متعلق مسائل ۱۸۱
چوتھا باب: ۱۸۳

مسجد سے متعلق بعض اہم اور ضروری موضوعات: مسجد میں جماعت ثانیہ، مسجد میں نمازِ جنازہ فرض نمازوں کے بعد دعا کی اہمیت، حیثیت اور طریقۂ کار بیمار کی نماز اور کرسی پر نماز

مسجد میں جماعتِ ثانیہ ۱۸۴
اختلافِ مذاہب ۱۸۴
امام احمدؒ کے دلائل ۱۸۵
جمہور کے دلائل ۱۸۶
مذہبِ جمہور کی وجہ ترجیح ۱۸۸
امام احمدؒ کی دلیل کا جواب ۱۸۹
جماعت ثانیہ کن صورتوں میں جائز؟ ۱۹۱
جس شخص کی جماعت فوت ہو جائے، وہ کیا کرے ۱۹۳
جماعت ثانیہ سے متعلق ایک ضروری گزارش ۱۹۴
نماز جمعہ میں جماعتِ ثانیہ ۱۹۵
تراویح میں جماعتِ ثانیہ ۱۹۶
مسجد میں نمازِ جنازہ ۱۹۷
ائمہ کرام کے مذاہب ۱۹۸
امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے دلائل ۱۹۸
حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے دلائل ۱۹۹
امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے دلائل کے جوابات ۲۰۰
اعذار کی وجہ سے مسجد میں نمازِ جنازہ ۲۰۱
فرض نمازوں کے بعد دعا کی اہمیت، حیثیت اور طریقۂ کار ۲۰۳
دعا کی اہمیت ۲۰۳
فرائض کے بعد دعا کی اہمیت و حیثیت ۲۰۴
فرائض کے بعد دعا سے متعلق احادیث ۲۰۵
فرائض کے بعد اذکار اور انفرادی دعائیں ۲۰۷

فرائض کے بعد دعا کا طریقہ ۲۱۰

معتدل اور قول فیصل ۲۱۲

موجودہ مروجہ طریقہء دعا کے مفاسد ۲۱۴

فرائض کے بعد اجتماعی اور جہری دعا کے مفاسد ۲۱۵

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ۲۱۶

بیمار کی نماز اور کرسی پر نماز ۲۲۰

نماز دین کا ستون شریعت محمدیہ کی امتیازی شان: **الحنفية السمحة** ۲۲۱

نماز میں شریعت کی سہولتیں ۲۲۳

بیمار نمازی کے لیے سہولت کا بیان ۲۲۴

احادیث میں بیماروں کی نماز کی سہولتوں کا بیان ۲۲۵

کن لوگوں کو نماز بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے؟ ۲۲۷

کرسی پر نماز ۲۳۴

قیام ۲۳۴

رکوع ۲۳۵

سجدہ ۲۳۶

قعدہ ۲۳۶

معذور کے لیے کرسی پر نماز ۲۳۷

قابل توجہ بات ۲۳۸

شرعی اعذار ۲۳۹

زمین پر بیٹھنے سے معذور شخص کے لیے کرسی پر نماز ۲۴۰

کن لوگوں کو کرسی پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟ ۲۴۱

کرسی پر نماز پڑھنے سے متعلق مسائل ۲۴۱

زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی وجہِ ترجیح ۲۴۴
سجدے سے معذور شخص ۲۴۴
کرسی پر نماز پڑھنے والا سر سے اشارہ کرے ۲۴۶
کرسی صف میں کہاں رکھی جائے ۲۴۷
کرسی پر فرض و نفل نماز میں فرق ۲۴۸
قابل توجہ بات ۲۵۰
لیٹ کر نماز پڑھنا ۲۵۱
جو مریض لیٹ کر بھی نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو ۲۵۲
بیمار کی نماز سے متعلق متفرق مسائل ۲۵۴
معذور افراد کو حالت صحت کے اعتبار سے اجر و ثواب ۲۵۶
فہرست مصادر و مراجع ۲۵۹

* * *

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مساجد مسلمانوں کے اہم مراکز

حضرت اقدس مفتی محمد جمال الدین صاحب مدظلہ

صدر المدرسین وصدر مفتی دار العلوم حیدر آباد

مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اس کا سب سے محبوب ترین مقام ہے، مسلمانوں کی جائے عبادت ہے، مسجد خالق ومخلوق کے مابین رشتے کی مضبوطی میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے، یہ ایسی متبرک جگہ ہے جہاں رحمتِ خداوندی کا نزول ہوتا ہے، یہاں آ کر ایک مومن کے دل کو سکون واطمینان نصیب ہوتا ہے، اس کی بیمار اور پژمردہ روح کے لیے مسجد کا پر رونق ماحول شفا بخش اور فرحت کن ثابت ہوتا ہے۔

نصوص میں مساجد کی بہت سی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں، چناں چہ ایک حدیث میں انہیں خدا کی سب سے پسندیدہ جگہ قرار دیا گیا ہے۔ (مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۸) مساجد کی تعمیر کرنے والوں کے لیے جنت کے محلات کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۴۵۰) اور مسجد سے اپنا تعلق استوار رکھنے والے شخص کو ایسے دن ٹھنڈے اور اطمینان بخش سایہ کا سرٹیفکٹ دیا گیا ہے جس دن سارے لوگ سخت گرمی سے جھلس رہے ہوں گے اور پسینے سے شرابور ہوں گے۔ (بخاری، حدیث نمبر: ۶۶۰)

آغاز اسلام ہی سے مساجد امتیازی حیثیت کی حامل رہی ہیں اور مسلمانوں کی اولین ضرورت سمجھی گئی ہیں، مکہ مکرمہ میں چوں کہ دشمنانِ اسلام کا تسلط اور غلبہ تھا، مسلمان نہایت ہی پر آشوب اور شکیب ربا دور سے گزر رہے تھے، ایسے نازک حالات میں کسی مسجد کی تعمیر کرنا ناممکن تھا؛ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی جانب ہجرت

فرمائی، جہاں کے حالات مسلمانوں کے لیے سازگار اور موافق تھے اور دوران سفر مقام ”قبا“ میں رونق افروز ہوئے، تو سب سے پہلا کام جو آپ ﷺ نے کیا، وہ مسجد کی تعمیر کا تھا، آپ ﷺ بھی بنفس نفیس تعمیر میں شریک ہوئے، یہ ”مسجد قبا“ کے نام سے معروف ہوئی، پھر جب آپ ﷺ اپنی اصل جائے قیام مدینہ منورہ پہونچے، تو وہاں بھی پہلے مرحلے میں آپ نے یہ کام انجام دیا کہ جہاں آپ کی ناقہ پہلی بار بیٹھی تھی، وہ جگہ اس کے مالک (جو کہ دو یتیم بچے سہل اور سہیل رضی اللہ عنہما تھے، انہوں نے بلا کسی معاوضہ آپ کی نذر کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا؛ لیکن آپ نے اس کو منظور نہیں فرمایا) سے خرید کر وہاں مسجد کی تعمیر فرمائی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی برابر کے شریک رہے۔

دورِ نبوی میں مساجد کا کردار صرف باجماعت نماز کی ادائیگی تک محدود نہیں تھا؛ بلکہ وہ مسلمانوں کے اہم مراکز تھے، جہاں سے دیگر امور خواہ تہذیبی ہوں، یا تمدنی، تعلیمی ہوں، یا ثقافتی، معاشرتی ہوں، یا معاشی سب انجام دیے جاتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہؒ اسی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

امت کے مجمع اور ائمہ کی جگہیں مساجد تھیں؛ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متبرک مسجد کی بنیاد تقوی پر رکھی تھی، اس میں نماز، تلاوت قرآن، ذکر، تعلیم اور خطبے ہوتے تھے، سیاسی امور طے پاتے تھے اور لشکر کے سپہ سالار کے لیے جھنڈے تیار ہوتے تھے، امراء اور ذمہ دار افراد کا تقرر ہوتا تھا اور اسی میں مسلمان اپنے دینی اور دنیوی امور کے لیے جمع ہوتے تھے، اسی طرح وہ حکام جو آپ کی جانب سے مکہ، طائف، یمن اور دیگر علاقوں میں مقرر تھے، وہ بھی مساجد ہی میں نماز ادا کرتے تھے اور سیاسی امور بھی انجام دیتے تھے۔ (مجموع الفتاوی: ۳۵/۳۹)

موجودہ دور میں امت مسلمہ میں جو تنزلی آئی ہے، اس کا مساجد پر بھی گہرا اثر پڑا ہے، مساجد سے ان کا رشتہ انتہائی کمزور ہو چکا ہے، پنج وقتہ نمازوں کی باجماعت ادائیگی کے لیے سب کی مساجد میں حاضری نہیں ہو پاتی؛ چہ جائے کہ مساجد میں دیگر امور کی انجام دہی کے لیے انہیں پابند کیا جائے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پنج وقتہ اذان اور نماز

جیسے اہم فرائض کی ادائیگی کے لیے قوم جن افراد کو اپنا مؤذن اور امام بناتی ہے، ان میں سے بعض اس کے اہل ہی نہیں ہوتے اور جو اہل ہوتے ہیں، ان کے ساتھ مصلیوں کا سلوک ناروا ہوتا ہے، ان کے مقام و مرتبے کا لحاظ کیے بغیر ہر ایک ان پر تنقید و تبصرہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، اسی طرح متولیوں کی طبقے کی تو اور ہی حالتِ زار ہے، نا اہل افراد کے کندھوں پر محض ان کی دنیوی جاہ و منصب کے پیشِ نظر یہ نازک اور حساس ذمہ داری ڈال دی جاتی ہے اور وہ اموال مساجد میں جیسے چاہیں تصرف کرتے رہتے ہیں۔

یہ بھی امر واقعہ ہے کہ مساجد کو روحانی طور پر آباد رکھنے سے زیادہ ان کی ظاہری خوب صورتی اور نقش و نگار کی جانب زیادہ توجہ مبذول کی جارہی ہے اور لاکھوں کڑوڑوں کا صرفہ اس کی خاطر برداشت کیا جارہا ہے، پھر نماز کے تعلق سے بعض مسائل میں ایسی افراط و تفریط پائی جارہی ہے کہ ہر ایک دوسرے سے دست بہ گریباں نظر آتا ہے، مثلا ”فرض نمازوں کے بعد دعا“ کا مسئلہ اور ”جماعت ثانیہ“ کا مسئلہ، ان جیسے مسائل میں راہِ اعتدال سے انحراف ہو چکا ہے۔

ضرورت تھی کہ مذکورہ خامیوں اور کوتاہیوں کو اجاگر کر کے امت مسلمہ کے سامنے صراطِ مستقیم واضح کی جائے اور انہیں راہِ اعتدال پر گامزن کیا جائے، چناں چہ معاشرے میں پائی جانے والی کوتاہیوں پر نظر رکھنے والے جواں عالمِ دین اور علم و تحقیق کے شناور مفتی عبد اللطیف صاحب قاسمی زید علمہ وفضلہ استاذ جامعہ غیث الہدی بنگلور جنہیں میں زمانۂ طالب علمی سے جانتا ہوں، آپ ایک دلِ فکر مند رکھتے ہیں، علمی اور تحقیقی کاموں سے آپ کا خاص لگاؤ ہے، تحریر کا بھی شستہ ذوق رکھتے ہیں، اصلاحِ معاشرہ کے سلسلے میں فکر مند رہتے ہیں، بالخصوص مساجد کے تعلق سے نہایت ہی حساس واقع ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس سے قبل اذان کے تعلق سے بھی آپ کی ایک مفید کتاب ’اذان اور مؤذنین رسول اللہ‘‘ صلی اللہ علیہ وسلم منظر عام پر آچکی ہے، اس کے علاوہ (حاملین قرآن، التیسیر فی التصریف، فہارس خطبات و مواعظ، رہنما اصول برائے خوش گوار ازدواجی زندگی، اساتذہ

کا کردار اور چند عملی نمونے کے مرتب ومؤلف ہیں) نے اس کی جانب توجہ کی اور ”مساجد: فضائل، مسائل اور متعلقہ امور“ کے نام سے کتاب لکھی، جس میں آپ نے اولاً مساجد کی اہمیت وفضیلت پر روشنی ڈالی ہے، اس کے ضمن میں مسجدِ حرام، حجرِ اسود، رکنِ یمانی، ملتزم، مقامِ ابراہیم، حطیم، ماءِ زم زم، مسجدِ نبوی، منبرِ رسول، ریاض الجنۃ، روضہء رسول، صفہ اور اصحاب صفہ اور قبلہء اول بیت المقدس کے متعلق بھی تفصیلات ذکر کی ہیں، جو پڑھنے والوں کے لیے نہ صرف یہ کہ معلومات میں اضافہ کرتی ہیں؛ بلکہ ان مقامات کی تئیں ان کی محبت کی چنگاری کو شعلہ زن بھی کرتی ہیں، خاص طور پر حج وعمرے کے لیے جانے والے حضرات اس کا مطالعہ کریں، تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔

اس کے بعد مصنف نے ائمہ ومؤذنین کی ذمہ داریوں کا مختصراً اور متولیوں کی ذمہ داریوں کا تفصیلاً ذکر کیا ہے، پھر مسجد کی تزئین کے جو حدود ہیں انہیں بیان کیا ہے، آگے چل کر مسجد اور اس سے متعلق مسائل ذکر کیے گئے ہیں، جن میں باجماعت نماز کی ادائیگی اور صفوں کی درستگی کا مسئلہ بہت ہی اہم ہے، آج اس تعلق سے مسلمانوں میں بہت ہی کوتاہی پائی جارہی ہے، اخیر میں مصنف نے ایسے مسائل قلم بند کیے ہیں جن میں کچھ ناجائز ہیں، اس کے باوجود ان میں ابتلاء عام ہے، اور کچھ فی نفسہ جائز تو ہیں؛ مگر امتِ مسلمہ اس میں افراط وتفریط کی شکار ہے۔ ماشاءاللہ مؤلف نے ہر بات باحوالہ اور مدلل بیان کی ہے، ان کا قلم جادۂ حق سے ہٹا نہیں؛ بلکہ شائستہ انداز میں اختلافی موضوعات پر اچھا اور بہت اچھا لکھا ہے اور اپنے مقصد ومراد کے واضح کرنے میں پورے طور پر کامیاب ہیں۔

قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس کتاب کا سنجیدگی اور غور سے مطالعہ کریں، مسجد کی اہمیت اپنے دلوں میں پیدا کریں اور اس کتاب کا جو اصل مقصد ہے کہ امت مسلمہ راہِ راست اور صراطِ مستقیم پر آجائے، اس کو پیشِ نظر رکھ کر لائحہ عمل طے کریں اور اپنی اپنی مساجد کو اس کتاب میں درج ہدایات کے

مطابق ڈھالنے کی پہلی فرصت میں کوشش کریں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس تالیف کو قبول عام نصیب فرمائے، قوم مسلم کے لیے مفید بنائے اور مؤلف کے حق میں ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین

(حضرت مولانا مفتی) محمد جمال الدین قاسمی (مدظلہ)
خادم دارالعلوم حیدرآباد
۱۵؍صفرالمظفر ۱۴۴۳ھ
مطابق: ۲۳؍ستمبر ۲۰۲۱ء

* * *

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

الحمدللہ لولیہ والصلوۃ، والسلام علی اھلھما، امابعد:

اسلام میں مسجد کو مرکزی مقام حاصل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کو مرکز بنا کر مسلمانوں کے تمام امور مسجد سے انجام دیا کرتے تھے، جیسے مسلمانوں کو کسی مہم پر روانہ کرنا، نومسلم آبادیوں میں معلمین ودعاۃ کو بھیجنا، مہاجرین وانصار کو زیورِ علم سے آرستہ کرنا، اطرافِ عالم سے آنے والے وفود سے ملاقات، ان کا قبول اسلام، ان کا قیام، فقرائے مہاجرین کی قیام گاہ، گویا مسجد میں ذکر کے حلقوں کے ذریعے خانقاہی ماحول، دینی تعلیم کے سیکھنے اور سکھانے کے ذریعے مدرسے کا ماحول، اسلام کی اشاعت اور تبلیغِ دین کے لیے جماعتوں کی تشکیل وغیرہ تمام امور مسجد ہی سے انجام دئے جاتے تھے۔

عہدِ نبوی کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اس ترتیب کو باقی رکھا، حرم مدنی میں حضرت ابوہریرہؓ، ابن سیرینؒ، ربیعہ بن عبدالرحمن، امام مالکؒ اور حرم مکی میں حضرت عبداللہ بن عباس،ؓ سفیان بن عینیہؒ، عطابن رباحؒ وغیرہ صحابہ، تابعین وتبع تابعین، محدثین، فقہاء اور مفسرین نے اپنی علمی مجالس کے ذریعے مساجد کو رونق بخشی اور عہدِ رسالت سے آج تک حرمین شریفین ہروقت دین کے مختلف اعمال کے ذریعے آباد رہتے ہیں، یہ صرف حرمین شریفین کی خصوصیت نہیں؛ بلکہ ہر مسجد کو حرمین کے نمونے پر لانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور تمام مساجد کو حرمین شریفین کا نمونہ بنائے۔ آمین

اگر مسجد کا نظام درست ہو جائے، مسجد سے مسلمانوں کی وابستگی اور تعلق مضبوط ہو جائے، تو ہمارے معاشرے میں اسلامی وضع قطع، دینی تعلیم، دینی حمیت وغیرت، انسانی ہم دردی ورواداری، دینی ماحول اور معاشرے میں اسلامی احکام کی ترویج اور اشاعت آسان ہوگی۔

مسجد کی تعمیر وتوسیع، مسجد کو ایمان واعمال کے ذریعے آباد کرنا اور آباد کرنے کی سعی کرنا ایمان کی علامت و پہچان ہے، مسجد کو آباد کرنے کے لیے مسجد کی انتظامیہ، امام، مؤذن اور خادمین مسجد کا کردار اہم ہوتا ہے، ان حضرات کو اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہونا، حسن وخوبی کے ساتھ ذمہ داریوں کو انجام دینا، مصلیوں کو راحت پہنچانا اور رب کو خوش کرنا بہت بڑا کام ہے، اسی ضرورت کے پیشِ نظر زیرِ نظر کتاب ترتیب دی گئی ہے۔

اس کتاب کو چار ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے

پہلا باب: مسجد کی تاریخ، تعمیر، فضیلت، اہمیت، تولیت، خدمت اور حفاظت۔

دوسرا باب: متعلقات مسجد: مسجد صغیر، مسجد کبیر، منبر، محراب، عصا، مینار، باجماعت نماز، عورتوں کا باجماعت نماز کے لیے مسجد جانا، صفوں کی درستگی، سترے کا اہتمام، مساجد میں غیر مسلموں کا داخلہ اور ان کا تعاون۔

تیسرا باب: آداب المساجد، مسجد کی پاکی صفائی، مسجد اور نمازیوں کی ضروریات، مسجد میں اعلانات۔

چوتھا باب: مسجد میں جماعت ثانیہ، مسجد میں نماز جنازہ، فرض نمازوں کے بعد دعا کی اہمیت، حیثیت اور طریقۂ کار اور بیمار کی نماز اور کرسی پر نماز کے احکام ومسائل۔

اس کتاب میں اُن فضائل، مسائل اور مضامین کو شامل کیا گیا ہے، جن سے عموماً انتظامیہ، ائمہ، مؤذنین اور خادمین مسجد کو سابقہ پڑتا ہے؛ تاکہ ان کی شرعی حیثیت واضح

ہو سکے اور عمل کرنے میں دشواری نہ ہو، انتظامیہ، ائمہ، مؤذنین اور خادمین مسجد بوقت ضرورت استفادہ کر سکیں۔

بندۂ ناچیز نہایت ممنون و مشکور ہے حضرت اقدس مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہ صدر المدرسین دار العلوم حیدر آباد کا کہ آپ نے بندۂ ناچیز کی بہت بلند کلمات سے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے تقریظ لکھی جو معلومات افزا اور پوری کتاب کے خلاصے پر مشتمل ہے، نیز حضرت مولانا مفتی شفیق احمد قاسمی صاحب مدظلہ رکن شوری دار العلوم دیوبند، و بانی و مہتمم جامعۃ الامام ابی حنیفہؒ بنگلور کا شکر گذار ہے کہ کہ آپ نے زیر نظر کتاب پر تقریباً بالاستیعاب گہری نظر ڈالی، متعدد مقامات پر اصلاح فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا۔

رحیم و کریم پروردگار کی بارگاہ میں التجا ہے کہ رب کریم مذکورہ دونوں کرم فرما اکابر کو بہترین صلہ نصیب فرمائے، اس کتاب کو امت کے لیے نافع اور مرتب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العالمین

فقط طالب دعا:
عبد اللطیف قاسمی
خادم تدریس جامعہ غیث الہدی بنگلور
۲۳ رشوال المکرم ۱۴۴۲ھ
۷ رجون ۲۰۲۱ء

* * *

پہلا باب

مسجد کی تاریخ، تعمیر، فضیلت، اہمیت تولیت، خدمت اور حفاظت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مساجد کی اہمیت وفضیلت

تمام مخلوق میں سب سے باعزت مخلوق انسان ہے، انسان کی پیدائش کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر سب سے پہلے اپنی عبادت وبندگی کے لیے قابل احترام گھر ''کعبہ'' کو مکہ مکرمہ میں فرشتوں کے ذریعے تعمیر کروایا اور یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ اسلامی عبادات میں نماز کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

نماز دینِ اسلام کا بنیادی رکن ہے، جس نے نماز کو قائم کیا، گویا اس نے پورے دین کو قائم کیا، جس نے نماز کو ڈھادیا (نماز کا اہتمام نہیں کیا)، گویا اس نے پورے دین کو ڈھادیا، نماز کے اصل مراکز مساجد ہی ہیں، اسی لیے آپ علیہ السلام ایمان لانے والوں کو اپنے علاقوں، قبیلوں اور محلوں میں مساجد قائم کرنے کا حکم فرماتے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بذات خود سفرِ ہجرت کے دوران ''قبا'' میں چودہ دن کے مختصر قیام میں ''مسجد قبا'' تعمیر فرمائی۔

چناں چہ علامہ شبلی نعمانیؒ رقم طراز ہیں:

''یہاں (قبا) میں آپ کا پہلا کام مسجد کی تعمیر کرانا تھا، حضرت ام کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی جس میں کھجور سکھائی جاتی تھی، یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی''۔

(سیرۃ النبی ۱/ ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک روئے زمین پر سب سے محبوب ومتبرک حصہ مسجدیں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے مقدس ومحترم گھر ہیں، سراپا خیر وبرکت کے باعث، لوگوں کی بقا واستحکام کا سبب اور رشد وہدایت کے مراکز ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أحب البلاد إلی اللہ مساجدھا، و ابغض البلاد إلی اللہ اسواقھا.

(رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ۱/ ۲۳۵، رقم: ۲۸۸)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب و پسندیدہ جگہیں مساجد ہیں اور سب سے زیادہ ناپسند اور مبغوض جگہیں بازار ہیں۔

مساجد اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے مؤثر نقیب و ترجمان ہیں، اذان کی صورت میں دن و رات میں پانچ مرتبہ مساجد سے اسلامی عقائد اور عبادات کا اعلان ہوتا ہے، نیز مساجد عبادت و بندگی کا محور، ذکر و تلاوت کا منبع اور مؤمنین کاملین کے دلی سکون کی جگہیں ہیں۔

فرمان رسول ہے:

جس شخص کو تم مسجد کو آتے جاتے دیکھو، اس کے مؤمن ہونے کی گواہی دو، اس لیے کہ مسجد کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے، نماز قائم کرتا ہے اور زکوۃ دیتا ہے۔ (رواہ الترمذی عن ابی سعید تفسیر سورۃ التوبۃ ۲/ ۹۰، رقم: ۳۰۹۳)

مساجد شعائرِ اسلام

جو چیز کسی قوم کے ساتھ مخصوص ہو، وہ اس کا شعار اور اس کے تشخص کی خاص علامت سمجھی جاتی ہے، چناں چہ مسجد بھی اسلام کا شعار ہے، یعنی کسی قریہ، شہر یا محلے میں مسجد کا ہونا، وہاں کے باشندوں کے مسلمان ہونے کی علامت ہے۔

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

فضل بناء المسجد، و ملازمته، و انتظار الصلوۃ فیه ترجع الی انه من شعائر الاسلام، وھو قوله صلی اللہ علیه وآله وسلم اذا رأیتم مسجدا، أو سمعتم مؤذنا، فلا تقتلوا احدا، و انه محل الصلوۃ، و معتکف العابدین، و مطرح الرحمة، ویشبه الکعبة من وجه. (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/ ۱۹)

مسجد بنانے، اس میں حاضر ہونے اور وہاں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنے کی فضیلت کا

سبب یہ ہے کہ مسجد اسلامی شعار ہے، چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کسی آبادی میں مسجد دیکھو، یا وہاں مؤذن کی اذان سنو، تو کسی کو قتل نہ کرو، مسجد نماز اور عبادت گزاروں کے اعتکاف کی جگہ ہے، وہاں رحمت الٰہی کا نزول ہوتا، مساجد ایک طرح سے کعبہ کے مشابہ ہیں۔

تعمیر مساجد کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ⑱ .

(التوبۃ:۱۸)

مساجد کی تعمیر صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اللہ کے علاوہ کسی سے ڈرتے نہیں ہیں، امید کہ وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل ہو جائیں۔

مذکوہ آیت سے معلوم ہوا کہ مساجد کی تعمیر مؤمن کی شان، اس کی خاصیت ہے اور مسجد کی تعمیر ہدایت کا سبب ہے۔

علماء نے فرمایا: مسجد کی ایک ظاہری تعمیر ہے اور ایک معنوی تعمیر، یعنی مسجد کے لیے زمین وقف کرنا، تعمیری اشیاء فراہم کرنا، اس کی تعمیر کرنا، مسجد کی ضرریات کی تکمیل کرنا اور مسجد کی مرمت کرنا، یہ کام مسجد کی ظاہری تعمیر میں شامل ہیں۔

(مستفاد از معارف القرآن ۴/۳۲۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ کی رضا وخوش نودی حاصل کرنے کے لیے مساجد کی تعمیر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر فرماتے ہیں۔

(رواہ البخاری عن عثمان، کتاب الصلوٰۃ، باب بنی مسجد: ۱/۶۸ رقم: ۴۵۰)

اسی طرح مسجد کی تعمیر وتوسیع میں ادنی تعاون اور خدمت بھی جنت میں محل کے

حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو آدمی ''قطا'' پرندے کے گھونسلے کے برابر بھی اللہ کا گھر تعمیر کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے محل تعمیر فرمائیں گے۔ (رواہ ابن ماجہ عن معاذ بن جبل: ۵۳، ومسند احمد)

مساجد کو آباد کرنے کی فضیلت

مسجد کی معنوی تعمیر: نماز، ذکر، تلاوت، حصولِ علم اور دیگر اعمال کے ذریعے مسجد کو آباد کرنا اور مسجد کی آبادی کے لیے لوگوں کو ایمان اور نماز کی دعوت دینا؛ تاکہ لوگ مسجد میں حاضر ہو کر اللہ کی عبادت کریں، یہ بھی مسجد کی تعمیر و آبادی ہے۔

(مستفاد از معارف القرآن ۴/ ۳۲۹)

ہر ایمان والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسجد سے گہرا ربط و تعلق رکھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم جس شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کو آنے جانے کا عادی ہے، تو اس کے مؤمن ہونے کی گواہی دو۔ (رواہ الترمذی عن ابی سعید تفسیر سورۃ التوبۃ ۲/ ۹۰: ۳۰۹۳)

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سات قسم کے لوگوں کو اُس دن اپنی رحمت کا سایہ عنایت فرمائیں گے جس دن اس کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، ان سات قسم کے لوگوں میں ایک شخص ہے:

رجل قلبہ معلق فی المساجد.

مسجد سے نماز سے فارغ ہو کر جانے بعد بھی واپس آنے تک اس کا دل مسجد ہی میں اٹکا رہتا ہے۔ (متفق علیہ بخاری: ۶۶۰، ۱/ ۹۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنے کے لیے آئے، جب تک اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہے، ملائکہ اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے اللہ اُس کی مغفرت فرما، اے اللہ اُس پر رحم فرما۔ (رواہ البخاری عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ: ۶۵۹، ۱/ ۹۰)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان بیوت اللہ تعالی فی الارض مساجد، و ان حقا علی اللہ ان یکرم من زارہ فیھا. (طبرانی کبیر: ۱۰۳۲۴)

بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کے گھر مساجد ہیں اور جو شخص مسجد میں اس کی زیارت کے لیے جائے، تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ وہ اس کا اکرام فرمائیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان عمار بیوت اللہ ھم اھل اللہ. (مسند ابوداؤد طیالسی: ۲۵۱۲)

اللہ تعالیٰ کے گھروں کو آباد کرنے والے یقیناً اللہ کے خاص لوگ ہیں۔

جماعت سے نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے اور با جماعت ادا کی جانے والی نماز کا ثواب بغیر جماعت کے ادا کی جانے والی نماز سے پچیس درجہ اور دوسری روایت کے مطابق ستائیس درجہ زیادہ ہوتا ہے۔ (رواہ الترمذی عن ابن عمر وابی ھریرہؓ: ۲۱۵، ۱/ ۵۲)

ایمان والوں کو چاہئے کہ نماز، ذکر اور تلاوت وغیرہ اعمال سے مساجد کو آباد کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں، جو مومن بندے عبادت، احکام خداوندی سے دور اور آخرت سے غافل ہیں انہیں نماز اور دیگر اسلامی اعمال کی دعوت دیں اور اپنی مسجد کو مسجد نبوی کا نمونہ بنائیں، جس میں رات و دن دین کے سیکھنے، سکھانے کا عمل چلتا رہتا تھا اور آج بھی ہر وقت عبادت کرنے والوں سے آباد رہتی ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعمیر کردہ مساجد

دنیا میں صرف چار مسجدیں ایسی ہیں جو بالیقین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعمیر کردہ ہیں: (۱) مسجد حرام (۲) مسجد نبوی (۳) مسجد اقصیٰ (۴) مسجد قبا۔

چناں چہ احادیث میں ان کی اور ان میں نماز پڑھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

(۱) مسجد حرام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾۔ (آل عمران: ۹۶)

دنیا میں سب سے پہلا گھر جو عبادت کے لیے بنایا گیا، وہ بابرکت اور باعثِ ہدایت گھر ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

حضرت آدم وحواء علیہما السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعے ان کو حکم بھیجا کہ وہ بیت اللہ ''کعبہ'' تعمیر کریں، ان حضرات نے حکم کی تعمیل کر لی، تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں، حضرت آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ اول الناس ہیں اور یہ اول بیت وضع للناس ہے۔ (معارف القرآن ۲/ ۱۱۵)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مذکورہ تعمیر طوفانِ نوح تک قائم رہی، بعد ازاں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اس کی از سرِ نو تعمیر فرمائی اور اس کے بعد ہر زمانے میں مختلف حضرات نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کی ہے، قیامت تک اس کی مرمت جاری رہے گی۔ (معارف القرآن ۲/ ۱۱۵)

حرم کی نیکیاں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

(ابن ماجہ: ۱۰۱، رقم: ۱۴۰۶ مسند احمد، مسند جابر: ۱۴۶۹۴)

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

سید فاسی (محمد بن احمد بن علی ابو الطیب مکی) نے ''شفاء الغرام باخبار البلد الحرام'' میں لکھا ہے، میرے شیخ بدر الدین بن صاحب مصری فرماتے ہیں: مسجد حرام میں انفرادی نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، باجماعت نماز پر ستائیس لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے، پانچ نمازوں کا ثواب ایک کروڑ پینتیس لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

اگر کوئی شخص حرمین کے علاوہ کسی اور جگہ انفرادی طور سے سو سال نماز پڑھتا ہے، تو

سو سال کی ایک لاکھ اسی ہزار نمازیں ہوتی ہیں، ایک ہزار سال کی اٹھارہ لاکھ نمازیں ہوتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جو شخص مسجد حرام میں با جماعت نماز پڑھتا ہے، اس کا اجر و ثواب غیرِ حرمین کی ساری زندگی کی انفرادی نماز سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، کسی شخص کو اُس کے مقام میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ السلام کی عمر پا کر نماز ادا کرنے پر جو ثواب ملتا ہے، تقریباً وہی ثواب مسجد حرام میں چند دن با جماعت نماز پر حاصل ہو جاتا ہے۔

(مستفاد: ردالمحتار رکتاب الحج، طواف الزیارۃ، مطلب فی مضاعف الصلوۃ بمکۃ ۵۴۷/۳)

حضرت عطا بن رباح فرماتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے خطبے کے دوران ایک حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری مسجد (نبوی) میں ایک نماز دیگر مساجد کی نمازوں سے ایک ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجد حرام کے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا اجر و ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ملتا ہے، میں نے عرض کیا، اے ابو محمد! یہ فضیلت صرف مسجد حرام میں نماز پڑھنے پر حاصل ہوتی ہے؟ یا حدودِ حرم میں کسی بھی جگہ نماز پڑھنے سے مذکورہ فضیلت حاصل ہو جائے گی؟ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے فرمایا: مذکورہ فضیلت حدودِ حرم میں کسی بھی جگہ نماز پڑھنے سے حاصل ہوگی۔

(مسند ابو داؤد طیالسی، عبد اللہ بن زبیرؓ: ۱۴۶۴، الموسوعۃ الفقھیہ، کویت ۲۳۹/۳۷)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ فضیلت صرف مسجد حرام میں نماز ادا کرنے پر حاصل ہوتی ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، مکہ مکرمہ میں کہیں بھی نماز ادا کی جائے، وہی ثواب ملتا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ ثواب حدودِ حرم میں کہیں بھی نماز پڑھی جائے، ایک نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

علامہ بیریؒ نے اشباہ کی شرح میں احکام المسجد کے باب میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحابِ حنفیہ کے نزدیک یہی بات مشہور ہے کہ مذکورہ فضیلت پورے مکہ؛ بلکہ پورے حدودِ حرم کے ساتھ ہے، علامہ نوویؒ نے بھی اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

(ردالمحتار رکتاب الحج، طواف الزیارۃ، مطلب فی مضاعف الصلوۃ بمکۃ ۵۴۷/۳)

حضرت عطا اور علامہ رویانیؒ کی یہی رائے ہے، علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں: یہ فضیلت جمیع حرم اور عرفہ کو شامل ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳۹/۳۷)

علامہ شامیؒ نے علامہ فاسی مالکی کا قول بلاتردید نقل فرمایا ہے:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نماز کا مذکورہ ثواب نفل اور فرض ہر ایک پر حاصل ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علمائے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مذکورہ ثواب صرف فرض کے ساتھ خاص ہے، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حرم کی نمازوں کا ثواب فرض ونفل دونوں پر حاصل ہوتا ہے۔

(مستفاد: ردالمحتار کتاب الحج، طواف الصدر، مطلب فی مضاعف الصلوۃ بمکۃ ۵۴۷/۳)

علامہ عینیؒ نے اس قول کو امام طحاویؒ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔
(الموسوعۃ الفقہیہ ۲۳۸/۳۷)

حرم میں روزے اور دیگر عبادات کا ثواب

علامہ فاسی مالکیؒ فرماتے ہیں: حرم میں روزے وغیرہ عبادات کے ثواب کی زیادتی بھی بعض روایات سے ثابت ہے؛ لیکن وہ روایات نماز کی فضیلت کی روایات کے درجے کے برابر نہیں ہیں۔ (ردالمحتار، کتاب الحج، طواف الزیارۃ، مطلب فی مضاعف الصلوۃ بمکۃ ۵۴۷/۳)

لہٰذا مکہ مکرمہ جانے والوں کو چاہئے کہ ہر فرض نماز مسجدِ حرام میں باجماعت ادا کرنی کی کوشش کریں، یہی اعلیٰ درجہ ہے، اگر قیام گاہ مسجد حرام سے دور واقع ہو، تو بھی مسجد حرام میں باجماعت نماز میں شرکت کی کوشش کریں، اگر کسی مجبوری سے مسجد حرام آنا جانا دشوار ہو، تو، محلے کی مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کی کوشش کریں، اگر محلے کی مسجد میں حاضری مشکل ہو، تو حدودِ حرم میں کہیں بھی نماز پڑھ لیں اور مہربان پروردگار کی شانِ کریمی سے امید رکھیں کہ ان شاء اللہ وہ ہمیں ایک نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا اجر ضرور عطا فرمائے گا؛ لیکن حرم کی نمازوں کو بالکل ترک کر دینا، یا قضا کر کے پڑھنا عظیم ثواب سے محرومی اور اپنی بدقسمتی ہے۔

حجر اسود

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

ان الرکن والمقام یاقوتتان من یاقوت الجنة، طمس اللہ نورھما، ولولم یطمس نورھما، لاضاءامابین المشرق والمغرب.

(ترمذی کتاب الحج، باب ماجاء فی فضل الحجر الاسود والرکن: ۸۷۸)

حجر اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے دو یاقوتی پتھر ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو ماند کر دی ہے، اگر ان کی روشنی کو ماند نہ کرتا، تو وہ دونوں مغرب ومشرق کے درمیان کے حصے کو روشن کر دیتے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نزل الحجر الاسود من الجنة وھو اشدبیاضا من اللبن، فسودته خطایابنی آدم.

(ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی فضل الحجر الاسود والرکن: ۸۷۷، والنسائی: ۲۹۳۵)

حجر اسود جنت سے اس حال میں نازل ہوا ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا، انسانوں کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر دیا ہے۔

حجر اسود بیت اللہ شریف کے مشرقی جنوبی گوشے میں قدآدم کے قریب اونچائی پر نصب ہے، اس کے چاروں طرف چاندی کا حلقہ چڑھا ہوا ہے، کسی زمانے میں قرامطہ نے حجر اسود کے ٹکڑے کر دئے تھے، اِن ٹکڑوں میں سے چھوٹے بڑے گیارہ ٹکڑے اِس وقت چاندی کے اس حلقے میں جڑے ہوئے ہیں۔ (انوار مناسک: ۱۲۶)

طواف شروع کرتے وقت حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے، اگر حجر اسود کو بوسہ دینے کا موقع نہ ہو، تو اس کا استیلام کرنا یعنی ہاتھ یا ہاتھ میں موجود کسی لکڑی وغیرہ سے اشارہ کرنا سنت ہے، جو شخص ایمان واخلاص کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دے، یا اس کا استیلام کرے، تو قیامت کے دن حجر اسود اس کے حق میں (ایمان، اسلام اور اتباع سنت) کی گواہی دے گا۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

حجر اسود کو بوسہ دینا بھی سنت ہے، رکن یمانی کو صرف چھونا سنت ہے، حجر اسود میں دو فضیلتیں جمع ہیں، پہلی فضیلت یہ ہے کہ کعبہ شریف کا یہ کونہ بنائے ابراہیمی پر قائم ہے، دوسری فضیلت خود حجر اسود ہے، اس وجہ سے اس کو بوسہ دینا بھی سنت ہے اور رکن یمانی صرف بنائے ابراہیمی پر قائم ہے، اس لیے صرف اس کو چھونا سنت ہے، دیگر کونے بنائے ابراہیمی پر نہیں ہیں، اس وجہ سے ان کو چھونا بھی سنت نہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۲۵۶۸)

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحجر: والله ليبعثنه الله يوم القيامة له عينان يبصر بهما، ولسان ينطق به، يشهد على من استلمه بحق. (ترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی الحجر الاسود: ۹۶۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: قسم بخدا! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حجر اسود کو اس حال میں اٹھائیں گے کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جس سے وہ دیکھے گا، زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا، جو شخص حق (اسلام اور اتباعِ سنت کی نیت) کے ساتھ اس کا استیلام کیا ہوگا، اس کے حق میں گواہی دے گا۔

حجر اسود حقیقی جنتی پتھر ہے، یا تمثیلی؟

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: یہ روایت حقیقت پر محمول ہے، یعنی حقیقت میں حجر اسود جنت ہی سے اترا ہے، اسنادی اعتبار سے روایت صحیح ہے، اس کے جنتی پتھر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، یہی بات صحیح ہے۔

بعض محدثین نے اس کو تمثیل پر محمول کیا ہے، یعنی مقصود حجر اسود کی عظمت وتقدس کو بیان کرنا ہے کہ وہ اپنی عزت، شرافت اور اعزاز واکرام کی وجہ سے جنتی پتھر کے مشابہ ہے اور یہ بتانا ہے کہ گناہ کے نقصانات اس قدر مہلک، مؤثر اور بھیانک ہیں کہ وہ پتھر وجمادات کو بھی متاثر کر دیتے ہیں، جب جسم گناہ کریں، تو دلوں کا کیا حال ہوگا؟ (مرقات: ۲۵۷۷)

حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں محمد بن الحنفیہ کا قول تحریر فرمایا ہے کہ یہ دونوں پتھر اسی دنیا کے ہیں، محمد بن الحنفیہ حضرت علیؓ کے والا تبار ذی علم صاحب زادے ہیں؛ مگر جب میں نے ”حجۃ اللہ البالغۃ“ کی شرح ”رحمۃ اللہ الواسعۃ“ لکھی، تو محمد بن الحنفیہ کا یہ قول بہت تلاش کیا؛ مگر مجھے یہ قول کسی کتاب میں نہیں ملا؛ چوں کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے، اس لیے اِس سے صرف نظر بھی نہیں کیا جا سکتا؛ البتہ چوں کہ یہ محمد بن الحنفیہ کا قول ہے، اس لیے حدیث مرفوع کے مقابلے میں اس کو نہیں رکھا جا سکتا، صحیح حدیث سے حجر اسود کا جنت کا پتھر ہونا ثابت ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۳/۲۷۸)

رکن یمانی

بیت اللہ شریف کے جنوبی مغربی کونے کو رکن یمانی کہا جاتا ہے، حجر اسود کے کونے کی طرح یہ کونہ بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنیادوں پر قائم ہے، اس وجہ سے وہ یقیناً باعثِ برکت ہے، دورانِ طواف اس کو بوسہ نہیں دیا جائے گا، نہ ہاتھ وغیرہ سے استیلام کیا جائے گا؛ بلکہ ہاتھ سے چھونے کا موقع ہو، تو ہاتھ سے چھونا سنت ہے۔

حضرت عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمرؓ سے عرض کیا: حضرت آپ حجر اسود اور رکن یمانی پر بھیڑ لگاتے ہیں، کسی اور صحابی کو ہم نے اس قدر بھیڑ لگا کر استیلام اور چھوتے ہوئے نہیں دیکھا؟ فرمایا: اگر میں بھیڑ لگا کر استیلام کرتا ہوں، تو ٹھیک کرتا ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ حجر اسود اور رکن یمانی کو چھونا گناہوں کے لیے کفارہ کا سبب ہے۔ (ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی استیلام الرکنین: ۹۵۹)

ابن ہشامؒ نے حضرت عطا بن رباحؒ سے دوانِ طواف رکنِ یمانی کے بارے میں پوچھا (استیلام کرنا چاہئے یا نہیں؟)، تو حضرت عطاؒ نے فرمایا: مجھ سے حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وکل به سبعون ملکا (یعنی الرکن الیمانی) فمن: قال اللهم انی اسئلك العفو والعافية فی الدنیا والاخرة، ربنا آتنا فی الدنیا حسنة، وفی الآخرة حسنة، وقنا عذاب النار، قالوا آمین. (رواہ ابن ماجہ فی فضل الطواف: ۲۹۵۷)

رکن یمانی کے پاس ستر ہزار فرشتے مقرر ہیں، جو شخص رکنِ یمانی کے پاس پہنچے، یا اس کو چھوئے اور دعا کرے: اے اللہ میں تجھ سے معافی اور دنیا و آخرت میں عافیت مانگتا ہوں، اے اللہ! دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما، آخرت میں بھلائی عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے حفاظت فرما، تو فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔

مقام ابراہیم

مقامِ ابراہیم جنت کا وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی، اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

فِیۡهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِیۡمَ ۚ. (آل عمران: ۹۷)

کعبۃ اللہ میں (قدرت کی) واضح نشانیاں موجود ہیں جن میں سے ایک مقام اِبراہیم بھی ہے۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

ان الرکن والمقام یاقوتتان من یاقوت الجنة، طمس الله نورهما، ولو لم یطمس نورهما، لاضاءا ما بین المشرق والمغرب.

(ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی فضل الحجر الاسود والرکن: ۸۷۸)

حجر اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے دو یاقوتی پتھر ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو ماند کر دی ہے، اگر ان کی روشنی کو ماند نہ کرتا، تو وہ دونوں مغرب و مشرق کے درمیان کے حصے کو کو روشن کر دیتے۔

بعض روایات میں ہے کہ تعمیر کی بلندی کے ساتھ پتھر خود بخود بلند ہو جاتا تھا اور

نیچے اترنے کے وقت نیچے ہو جاتا تھا، اِس پتھر کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک قدموں کا گہرا نشان آج تک موجود ہے، ایک بے حس و بے شعور پتھر میں یہ ادراک کہ ضرورت کے موافق بلند، یا پست ہو جائے اور موم کی طرح نرم ہو کر قدمین کا مکمل نقشہ اپنے اندر لے لے، یہ سب آیاتِ قدرت میں داخل ہیں جو بیت اللہ کی اعلیٰ فضیلت سے متعلق ہیں۔

یہ پتھر بیت اللہ کے نیچے دروازے کے قریب تھا، جب قرآن کا یہ حکم نازل ہوا کہ مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھو۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ (البقرۃ:۱۲۵)

اُس وقت طواف کرنے والوں کی مصلحت سے اس کو اٹھا کر بیت اللہ کے سامنے ذرا فاصلے پر مطاف سے باہر بیرزم زم کے قریب مقامِ ابراہیم پر رکھ دیا گیا (کسی زمانے میں یہ حصہ مطاف سے خارج تھا، اب مطاف کو بہت وسیع کر دیا گیا ہے مطاف ہی میں مقام ابراہیم بھی موجود ہے،) آج اسی جگہ ایک بلوری (شیشے) خول کے اندر محفوظ رکھا گیا ہے، (پھر اس شیشے کو پیتل اور تانبے کی جالی سے گھیر دیا گیا ہے اور جالیوں میں سے صاف طور پر نظر آتا ہے)، طواف کی بعد کی دو رکعت اس کے پیچھے پڑھنا افضل ہے۔

(مستفاد از معارف القرآن ۱۲۰/۲)

حطیم رحجر

بیت اللہ کی شمالی دیوار کے بعد چھ ذراع کی جگہ کو ''حجر'' کہتے ہیں، بعض نے کہا کہ سات ذراع کی جگہ کو حجر کہتے ہیں، اس کے بعد نصف دائرے کی صورت میں جو جگہ ہے اس کو حطیم کہتے ہیں، کبھی نصف دائرہ اور حجر کے مجموعے کو بھی کہا جاتا ہے، حجر کے بیت اللہ کا حصہ ہونے میں جمہور کا اتفاق ہے، اس لیے کہ یہ وہی حصہ ہے جسے قریش مکہ نے بنائے کعبہ کے وقت چھوڑ دیا تھا؛ البتہ حطیم کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ بیت اللہ کا جز ہے یا نہیں؟۔ (درس ترمذی ۱۳۵/۳)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میری خواہش تھی کہ میں کعبہ کے اندر جاؤں اور وہاں نماز پڑھوں (جب میں نے اپنی خواہش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حجر میں لے گئے اور فرمایا: جب تمہارا ارادہ بیت اللہ کے اندر جا کر نماز پڑھنے کا ہو، تو حجر میں نماز پڑھ لیا کرو، وہ بھی بیت اللہ ہی کا حصہ ہے؛ لیکن تیری قوم نے تعمیرِ کعبہ کے وقت چندے کی کمی کی وجہ سے حطیم کے حصے کو چھوڑ کو کعبہ کی تعمیر مکمل کر دی۔ (ترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی الحجر: ۸۶۴)

ملتزم

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کعبۃ اللہ کے دروازے اور حجر اسود کے درمیانی حصہ کو ملتزم کہا جاتا ہے، اس لیے کہ دعا مانگنے والا اپنے سینے اور ہتھیلیوں وغیرہ کو پھیلا کر کعبۃ اللہ کے اس حصے سے چمٹا دیتا ہے، اس حصے کو متعَوَّذ بھی کہا جاتا ہے، یعنی جائے پناہ، اس لیے کہ اس مقام میں ہر قسم کی پریشانی و مصیبت سے پناہ طلب کی جاتی ہے، یہ دعا کی قبولیت کا خاص مقام ہے۔ (اخبار مکۃ للازرقی ۱/ ۳۴۷)

حضرت عبدالرحمن بن صفوانؓ فرماتے ہیں:

رأیت رسول اللہ ﷺ ملتزما الباب ما بین الحجر و الباب، و رأیت الناس ملتزمین البیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم.

(رواہ ابوداؤد واحمد: ۱۵۵۵۲)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر اسود اور کعبہ کے دروزاے کے درمیانی حصے سے چمٹا ہوا دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے رفقا کو بھی اس حصے سے چمٹے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ساتھ طواف کیا، جب ہم کعبہ کی پشت کی جانب آئے، تو میں نے عرض کیا، حضرت پناہ طلب نہیں کرتے؟ فرمایا: ہم جہنم کی آگ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، پھر چل کر حجر اسود کو بوسہ دیا، پھر حجر اسود اور کعبۃ اللہ کے دروازے کے درمیان کھڑے

ہوئے، پھر اپنا سینہ، چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو کعبہ کی دیوار پر پھیلا کر دعا کرنے لگے اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(ابوداؤد، کتاب الحج، الملتزم:۱۸۹۹)

اگر کسی خوش نصیب کو اس بابرکت مقام میں حاضری کی توفیق مل جائے، تو مذکورہ طریقے کے مطابق خوب الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرے؛ لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لیے کسی کو تکلیف دینا، دیر تک کھڑے ہو کر دوسروں کو موقع نہ دینا یہ بہت بری بات ہے۔

زمزم

مسجد حرام میں موجود مشہور بابرکت، باعظمت اور محترم کنویں کے پانی کا نام ہے، زمزم کا کنواں اور کعبہ کے شریف کے درمیان تیس یا اڑتیس ذراع کا فاصلہ ہے، یہ کنواں مقامِ ابراہیم کے جنوبی سمت میں واقع ہے، زمزم دنیا کے تمام پانیوں میں سب سے افضل، نہایت ہی مصفیٰ پاکیزہ، حیات بخش اور جاں فزا چشمہ ہے، اس سے زیادہ صحت بخش اور افضل پانی روئے زمین پر نہیں ہے۔

یہ وہی کنواں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرابی کے لیے نکالا جب کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام شیر خوار بچے تھے، ماں کے پاس توشہ ختم ہو چکا تھا، ماں کے پاس دودھ بھی باقی نہیں رہا، مدد کی تلاش میں بے چین و بے قرار ہو کر قریبی پہاڑیوں صفا اور مروہ پر سات چکر لگا رہی تھیں، ادھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پیر کی مار سے زمزم کا کنواں وجود میں آیا۔ (بخاری، کتاب الانبیاء:۳۳۶۵)

ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں آرام فرما تھے، نیم خوابی کی حالت تھی کہ اچانک چھت پھٹی، چھت سے جبرئیل امین اترے؟ آپ کے ہم راہ دیگر فرشتے بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جگایا گیا، پھر مسجد حرام میں مقامِ حطیم میں لٹادیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، پھر حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام نے آپ کو جگا کر بیر زم زم پر لے گئے، پھر لٹا کر سینہء مبارک کو چاک کیا، قلب اطہر کو نکال کر

زمزم سے دھویا، پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں اُس ایمان وحکمت کو انڈیل دیا گیا۔

(رواہ البخاری فی حدیث طویل وفی مواضع متعددۃ: باب کیف فرضت الصلوۃ: ۳۴۹)

اگر کوئی اور پانی زمزم سے افضل اور بہتر ہوتا، تو اُس پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو دھویا جاتا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

خیر ماء علی وجہ الارض ماء زمزم، فیہ طعام من الطعم، وشفاء من السقم. (قال الہیثمی: روی الطبرانی والبزار، ورجال البزار رجال الصحیح، مجمع الزوائد: ۵۷۱۱)

روئے زمین کا سب سے بہتر پانی زمزم ہے، جس میں غذائیت بھی ہے اور بیماری کے لیے صحت وتندرستی بھی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

صلوا فی مصلی الاخیار، واشربوا من شراب الابرار.

(اخبار مکۃ للازرقی ذکر فضل زمزم ۵۲/۲)

نیک لوگوں کے مصلی پر نماز پڑھو اور نیک لوگوں کا پانی نوش کرو، حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا: نیک لوگوں کے مصلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: میزابِ رحمت کے نیچے کی جگہ، عرض کیا گیا: صالحین کے پانی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: زمزم۔

زمزم پینے کے آداب

زمزم پیٹ بھر کر پیا جائے کہ کوکھیں باہر نکل آئیں اور پیاس وتشنگی مکمل طور سے ختم ہو جائے، پیتے وقت اپنی دنیا وآخرت کے لیے دعائیں کرے؛ کیوں کہ قبولیت کا موقع ہے۔

محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکرؒ فرماتے ہیں:

میں حضرت ابن عباسؓ کی مجلس میں حاضر تھا، ایک شخص مجلس میں حاضر ہوا، آپؓ نے معلوم کیا، تم کہاں سے آ رہے ہو؟ اُس شخص نے عرض کیا، بیرِ زمزم کے پاس سے آ رہا ہوں، فرمایا، زمزم جیسے پینا تھا، ویسے پیا؟ اُس نے عرض کیا، کیسے پینا چاہئے؟

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

(۱) قبلہ کی طرف چہرہ کرو۔

(۲) بسم اللہ پڑھو۔

(۳) تین سانس میں پیو۔

(۴) اور خوب پیٹ بھر کر پیو کہ کوکھیں باہر نکل آئیں۔

(۵) جب فارغ ہو جاؤ، تو الحمد للہ کہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے اور منافقین کے درمیان فرق یہی ہے کہ وہ زمزم پیٹ بھر کر پیتے نہیں۔ (رواہ ابن ماجہ، کتاب الحج، شرب زمزم: ۳۰۶۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم نوش فرمایا ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے

سقیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من زمزم، فشرب وھو قائم.

(مسلم، کتاب الاشربۃ، باب فی الشرب من زمزم قائما: ۲۰۲۷)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آبِ زمزم پلایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔

ان ابن عباس رضي اللہ عنھما حدثہ قال: سقیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من زمزم، فشرب وھو قائم، قال عاصم: فحلف عکرمۃ ما کان یومئذ إلا علی بعیر.

(بخاری، کتاب الحج، باب ماجاء فی زمزم: ۱۶۳۷، ابن ماجہ، کتاب الاشربۃ، باب الشرب قائما: ۳۴۲۲)

اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ سے ان کے شاگرد شعبیؒ روایت کرتے ہیں، حضرت شعبیؒ کے شاگرد عاصم بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابن عباسؓ کے دوسرے شاگرد حضرت عکرمہؒ سے بیان کی، تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اُس دن (طواف زیارت کے دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے، یعنی طواف زیارت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہو کر پانی پینے کا انکار کر دیا، یعنی اس روایت میں کھڑے

ہو کر پینے کی جو بات کہی جا رہی وہ حقیقت پر محمول نہیں ہے؛ بلکہ سواری پر سوار ہو کر پینے ہی کو کھڑے ہو کر پینے سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: سنن ابوداؤد میں حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے:

عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم مكة، وهو يشتكي، فطاف على راحلته، كلما أتى على الركن استلم الركن بمحجن، فلما فرغ من طوافه، أناخ، فصلى ركعتين.

(سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب الطواف الواجب: ۱۸۸۱، مسند احمد: ۲۷۷۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لے آئے، آپ بیمار تھے، اس لیے سواری پر طواف فرمایا، جب جب بھی حجر اسود کے قریب آتے، تو ایک چھڑی سے استیلام فرماتے، جب طواف سے فارغ ہو گئے، تو اونٹی کو بٹھایا اور طواف کی دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

ہوسکتا ہے کہ حضرت عکرمہؒ نے کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت کی روایات کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہو کر زمزم پینے کا انکار کر دیا ہو۔

بخاری شریف ہی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے:

عن النزال، قال: أتى علي رضي الله عنه على باب الرحبة، فشرب قائما فقال: إن ناسا يكره أحدهم أن يشرب وهو قائم، وإني رأيت النبي صلى الله عليه وسلم فعل كما رأيتموني فعلت.

(بخاری، کتاب الاشربۃ، باب الشرب قائما: ۵۶۱۵)

حضرت علیؓ رحبہ کے دروازے پر آئے اور کھڑے ہو کر پانی نوش کیا، پھر فرمایا: بعض لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو ناپسند کرتے ہیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح میں نے کیا۔

اس روایت سے کھڑے ہو کر پینے کا جواز معلوم ہوتا ہے، گویا حافظ ابن حجرؒ آب زمزم کھڑے ہو کر پینے کے جواز کے قائل ہیں۔ (فتح الباری، کتاب الحج، باب ماجاء فی زمزم: ۷: ۱۶۳)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ حافظ ابن حجر کی بات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کی طویل حدیث ہے

> **ثم ركب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأفاض إلى البيت، فصلى بمكة الظهر، فأتى بني عبد المطلب، يسقون على زمزم، فقال: انزعوا، بني عبد المطلب، فلولا أن يغلبكم الناس على سقايتكم، لنزعت معكم، فناولوه دلوا، فشرب منه، الخ.**
>
> (مسلم فی حدیث طویل: ۱۲۱۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو عبد المطلب کے پاس آئے، وہ لوگ زمزم نکال کر حجاج کو پلا رہے تھے، آپ فرمایا: اے بنو عبد المطلب! زمزم نکالو، سقایہ کے سلسلے میں تم پر لوگوں کے غالب آنے کا اندیشہ نہ ہوتا، تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی نکالنے میں شریک ہوجاتا (اس لیے کہ میں بھی تمہارے ہی خاندان کا ایک فرد ہوں؛ لیکن اگر میں اِس وقت زمزم نکالوں، تو لوگ اس کو ارکان حج میں شامل سمجھ کر تمہیں پریشان کریں گے، اس لیے میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہو رہا ہوں) پھر بنو عبد المطلب نے آپ کو ایک ڈول دیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم نوش فرمایا الخ۔

اس روایت کے سیاق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی دو رکعت ادا کرنے کے بعد زمزم پر تشریف لے گئے ہیں اور اُس وقت آپ سوار نہیں تھے۔ (لہٰذا حضرت عکرمہؒ کا انکار غیر مناسب ہے) (لامع الدراری ۲/۲۰۷)

حافظ ابن حجرؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر کھڑے ہو کر زمزم نوش فرمایا ہے، یہ یقینی بات ہے۔

زمزم کھڑے ہو کر پینا افضل ہے یا بیٹھ کر؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام حالات میں بیٹھ کر پانی پیا کرتے تھے، بعض روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر پینا بھی ثابت ہے، بعض روایات میں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر پانی وغیرہ پینے سے سخت منع فرمایا؛ یہاں تک کہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کھڑے ہوکر پانی پیے، اس کو چاہیے کہ وہ قئی کردے۔

ان متعارض روایات میں تطبیق دیتے ہوئے بعض محدثین نے کھڑے ہوکر پانی پینے کی روایات کو منسوخ کر قرار دیتے ہوئے کھڑے ہوکر پانی پینے کو مباح قرار دیا ہے، بعض حضرات نے کھڑے ہوکر پانی پینے کو رخصت قرار دیا ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

الصواب فيها أن النهي فيها محمول على كراهة التنزيه، وأما شربه صلى الله عليه وسلم قائما، فبيان للجواز.

(شرح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب الشرب قائما: ۲۰۲۴، عمدۃ القاری، کتاب الحج، باب ماجاء فی زمزم ۷/۲۱۹)

سب سے راجح قول یہ ہے کہ (بلاضرورت) کھڑے ہوکر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

هی طریقة الخطابی وابن بطال فی آخرین، وهذا احسن المسالك وابعدها عن الاعتراض. (لامع الدراری علی جامع البخاری، کتاب الحج، باب ماجاء فی زمزم ۲/۲۰۶)

کھڑے ہوکر پانی پینے سے متعلق علامہ خطابی، ابن بطال اور دیگر محدثینؒ کی یہی رائے اور توجیہ ہے جو سب سے شاندار اور اعتراضات سے دور ہے۔

کھڑے ہوکر پانی پینے کی بحث میں محدثین کرام نے زمزم اور وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، یعنی ان دونوں پانیوں کو بلاضرورت کھڑے ہوکر پینے کی بھی اجازت ہے۔

(لامع الدراری علی جامع البخاری، کتاب الحج، باب ماجاء فی زمزم ۲/۲۰۶)

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

إنما شرب قائما للحاجة، فإنه جاء إلى زمزم، وهم يستقون منها، فاستقى فناولوه الدلو، فشرب وهو قائم، وهذا كان موضع

حاجة. (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، فصل بیان الاختلاف في جواز الشرب قائما: ۲۰۹/۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کی وجہ سے کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمزم پر تشریف لے آئے، وہ لوگ زمزم نکال رہے تھے، انہوں نے ایک ڈول آپ کے سامنے پیش کیا، آپ نے کھڑے ہوکر نوش فرمایا، یہ ضرورت کی بنا پر تھا۔

ملا علی قاریؒ صحیح مسلم کی مذکورہ بالا روایت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قيل: يستحب أن يشرب قائما ،وفيه بحث لأنه - عليه الصلاة والسلام - شربه قائما لبيان الجواز أو لعذر به في ذلك المقام من الطين أو الازدحام، فإنه صح نهيه عن الشرب قائما بل أمر من شرب قائما أن يتقيأ ما شربه. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الحج، باب قصة حجة الوداع: ۲۵۵۵)

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ زمزم کھڑے ہوکر پینا مستحب ہے؛ لیکن اس مسئلے میں بحث ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے، یا اس جگہ مٹی، کیچڑ اور بھیڑ کے عذر کی وجہ سے کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمایا ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث صحیحہ سے کھڑے ہوکر پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے؛ بلکہ آپ کھڑے ہوکر پی گئی چیز کو قئی کرنے کا حکم فرمایا ہے، (پھر کھڑے ہوکر پینے کو مستحب کیسے کہا جاسکتا ہے؟)۔

خلاصۂ کلام

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمایا تھا، یہ بات محدثین کے نزدیک ثابت ہے، آپ کا کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمانا، یہ عذر کی بنا پر تھا، یا بیان جواز کے لیے، نہ کہ استحباب کے لیے۔

یہ توجیہ علامہ خطابی، ابن بطال، علامہ نووی، حافظ ابن حجر، حافظ ابن القیم اور ملا علی قاری وغیرہ محدثین رحمہم اللہ نے بیان کی ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف حجۃ الوداع کے موقع پر زمزم کھڑے ہوکر پینا ثابت ہے، آپ کے بعد حضرات صحابہ کرام وتابعین سے زمزم کھڑے ہوکر پینا

ثابت نہیں ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمایا؛ لیکن جب تلامذہ کو زمزم پینے کے آداب سکھائے، تو ان آداب میں کھڑے ہوکر زمزم پینے کا ذکر نہیں ہے، معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباسؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمانے کو بیان جواز یا عذر پر محمول فرمارہا ہے، ورنہ آپ تلامذہ کو کھڑے ہوکر زمزم پینے کا حکم فرماتے۔

بعض علماء کے نزدیک زمزم کھڑے ہوکر پینا مستحب

علامہ ابن ہمامؒ، علامہ حصکفیؒ، علامہ طحطاویؒ وغیرہ حضرات نے زمزم پینے کے آداب کے ذیل بیان کیا ہے کہ زمزم کھڑے ہوکر نوش کرے؛ لیکن کوئی دلیل بیان نہیں کی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ ''شرب من زمزم وھو قائم'' کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت بھی آئی ہے، اس بنا پر بعض علماء نے زمزم پینے کو بھی اِس ممانعت میں داخل فرما کر حضور اکرم ﷺ کے اِس نوش فرمانے کو ازدحام کے عذر، یا بیانِ جواز پر محمول فرمایا ہے؛ لیکن علماء کا مشہور قول یہ ہے کہ زمزم اس نہی میں داخل نہیں، اس کا کھڑے ہوکر پینا ہی افضل ہے۔

(خصائل نبوی: تقی ندوی، باب ماجاء فی صفۃ شراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۳۱۳)

حضرت شیخؒ نے ''لامع الدراری'' شرح بخاری اور ''اوجز المسالک'' میں اس مسئلے میں بحث فرمائی ہے، محدثین کے تمام اقوال کو جمع فرمایا ہے؛ لیکن استحباب کی کوئی دلیل مذکورہ کتابوں میں بھی بیان نہیں فرمائی ہے۔

بعض موجودہ اکابر اور بعض معتبر دارالافتاء والوں نے ملاعلی قاریؒ کی مندرجہ ذیل عبارت کو بطور دلیل پیش کی ہے۔

النهي عنده (عندعلى) ليس على إطلاقه فإنه مخصص بماء زمزم، وشرب فضل الوضوء كما ذكره بعض علمائنا. وجعلوا القيام فيهما مستحباً وكرهوه في غيرهما، إلا إذا كان ضرورةً، ولعل وجه تخصيصهما أن المطلوب في ماء زمزم التضلع ووصول بركته إلى جميع الأعضاء، وكذا فضل الوضوء مع إفادة الجمع بين طهارة الظاهر والباطن، وكلاهما حال القيام أعم، وبالنفع أتم.

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الاشربۃ، ۴۲۶۹)

ملاعلی قاری نے حضرت علیؓ کی روایت (: وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا) تشریح کے ذیل میں لکھا کہ حضرت علیؓ نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت سے زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ بعض علماء نے بیان کیا ہے اور ان دونوں پانی کو کھڑے ہو کر پینے کو مستحب قرار دیا ہے، دوسرے قسم کے پانی اور مشروبات کو بلاضرورت کھڑے کر پینے کو مکروہ قرار دیا ہے، شاید آب زمزم کھڑے ہو کر پینے کی وجہ یہ ہے کہ زمزم میں مطلوب یہ ہے کہ خوب سیر ہو کر پانی پیا جائے اور اس پانی کی برکت جسم کے تمام اعضاء تک پہنچ جائے، اسی طرح وضو سے بچا ہوا پانی کا معاملہ ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اس مقام پر ملاعلی قاریؒ نے بعض علماء جو زمزم کھڑے ہو کر پینے کو مستحب قرار دیتے ہیں، ان کی توجیہ کو ذکر فرمائی، تائید نہیں فرمائی ہے، کھڑے ہو کر زمزم پینے سے متعلق جو اپنی تحقیق تھی، اس کو کتاب الحج میں ذکر کر دی ہے، پھر اس عبارت سے استحباب پر استدلال کرنا کیسے درست ہوگا؟۔

علامہ شامیؒ کا فصیلہ کن قول

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس سلسلے میں ایک فیصلہ کن بات تحریر فرمائی ہے، آپ نے لکھا ہے:

الحاصل ان انتفاء الكراهة فى الشرب قائما فى هذين الموضعين

محل کلام فضلا عن استحباب القیام فیھما ،وعل الاوجه عدم الکراھة، ان لم نقل بالاستحباب لان ماء زمزم شفاء ،وکذافضل الوضوء. (ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، مطلب فی مباحث الشرب قائما ۱/ ۲۵۵)

ماءِ زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی کھڑے ہوکر پینا بجائے خود قابلِ غور اور محلِ بحث ہے، چہ جائے کہ کھڑے ہوکر پینے کو مستحب کہا جائے، زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے کہ زمزم اور وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہوکر پینا بلا کراہت جائز ہو نہ کہ مستحب۔

مکہ مکرمہ سے زمزم لے آنا

حضرت عائشہؓ جب مکہ مکرمہ سے واپس جاتیں، تو اپنے ساتھ زمزم لے جاتیں اور فرماتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ لے جاتے تھے۔

(رواہ الترمذی عن عروۃ، ابواب الحج، باب: ۹۵۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سہیل بن عمروؓ سے بطور ہدیہ زمزم کا پانی منگوایا۔ (مجمع الزوائد، کتاب الحج، باب فی زمزم: ۵۷۱۶)

امام ازرقیؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہیل بن عمروؓ کو ایک خط لکھا جس میں یہ حکم تھا اگر میرا پیغام تمہیں رات میں پہنچے، تو صبح سے پہلے، اگر صبح پیغام پہنچے، تو شام سے پہلے پہلے زمزم میرے پاس بھیجو، چناں چہ ان کی اہلیہ نے اپنی باندیوں کی مدد سے دو مزادے تیار کئے (ایک مزادہ: اونٹ کی پیٹ پر ایک طرف لادھا جانے والا بوجھ)، پھر مدینے کی جانب اپنے غلاموں کے ذریعے روانہ کردیا۔

(اخبار مکۃ للازرقی، ذکر فضل زمزم ۲/ ۵۲)

زمزم اور مقاصد کی تکمیل

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ماء زمزم لما شرب له. (رواہ احمد، وابن ماجہ، کتاب الحج، باب شرب زمزم: ۳۰۶۲)

ماءِ زمزم جس مقصد کی تکمیل کے لیے پیا جاتا ہے، اُس مقصد میں کامیابی ملتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ماء زمزم لماشرب له، ان شربته تستشفی، شفاك الله، وان شربته مستعيذا، اعاذك الله، وان شربته ليقطع ظمأك، قطعه الله، وكان ابن عباس اذاشرب ماء زمزم، قال اللهم اسئلك علمانافعا ورزقا، واسعا، وشفاءامن كل داء. (رواہ الحاکم: ۱۷۳۹)

ماء زمزم جس مقصد کے لیے پیا جاتا ہے، وہ مقصد حاصل ہوتا ہے، اگر تم صحت و تندرستی کے لیے پیئو، تو تم کو اللہ تعالیٰ صحت وتندرستی عطا فرمائیں گے، اگر تم کسی سے پناہ طلبی کے لیے پیئو گے، تم کو اللہ پاک پناہ عطا فرمائیں گے، اگر تم تشنگی اور پیاس بجھانے کے لیے نوش کروگے، تو اللہ تعالیٰ تمہاری پیاس کو دور فرمائیں گے۔

اکابر کے تجربات

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ زمزم کے پاس حاضر ہوئے، فرمایا! اے اللہ! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے: جس مقصد سے زمزم نوش کیا جاتا ہے، اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

اللهم إني أشربه لعطش يوم القيامة.

اے اللہ! میں قیامت کے دن کی پیاس سے بچنے کے لیے زمزم نوش کرتا ہوں۔

(فتح القدیر، کتاب الحج، باب الاحرام، فصل فی فضل ماء زمزم ۲/ ۵۲۰)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے نشانہ بازی کی درستگی کی نیت سے زمزم نوش فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان کے نشانے کو درست فرمایا، چناں چہ دس تیروں میں سے نو تیر نشانے پر لگتے تھے۔

امام حاکم ابو عبداللہ نیسا پوری رحمہ اللہ نے حسنِ تصنیف وتالیف کی نیت سے زمزم نوش کیا، چناں چہ وہ اپنے زمانے کے بہترین مصنف شمار کے گئے۔

شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بے شمار لوگوں نے مختلف مقاصد کے لیے زمزم نوش کیا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب

ہوئے، میں نے طلبِ حدیث کے زمانے میں اس نیت سے زمزم نوش کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے علمِ حدیث میں حافظ ذہبی جیسا رتبہ ومقام عطا فرمائے، بیس سال کے بعد دوبارہ حج کے لیے گیا، تو الحمدللہ مجھے علمِ حدیث میں وہ کمال حاصل ہو چکا تھا، پھر میں نے اس سے زیادتی کی دعا کی ہے، ان شاءاللہ وہ بھی قبول ہو جائے گی، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: میں ایمان واعمال پر استقامت اور خاتمہ بالخیر کی نیت سے زمزم نوش کیا۔

(فتح القدیر، کتاب الحج، باب الاحرام، فصل فی فضل ماءزمزم ۲/۵۲۱)

علامہ ابن قیم کا بیان ہے کہ میں نے آب زمزم کئی امراض سے نجات حاصل ہونے کی نیت سے پیا، اللہ تعالی نے مجھے اپنے فضل سے ان امراض سے نجات عطا فرمائی اور کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں مجھ پر ایسا وقت گزرا ہے کہ میں مریض تھا نہ طبیب میسر تھا اور نہ دواء موجود تھی، میں آب زمزم شفا کی نیت سے پیتا تھا اور زمزم پیتے ہوئے (قرآن کریم کی آیت) ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھتا تھا اور بار بار ایسا ہی کرتا تھا، پس مجھے مکمل شفاء حاصل ہوگئی، پھر میں سورۃ الفاتحہ اور زمزم بہت سے بیماریوں کے لیے استعمال کیا، پس مجھے بہت زیادہ فائدہ ہوا۔ (زادالمعاد، الطب النبوی، رقیۃ اللدیغ بالفاتحۃ ۳/۱۶۶)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حافظ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو (اتنا زیادہ) علم کہاں سے حاصل ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''ماء زمزم لما شرب له'' یعنی ماءزمزم جس نیت سے پیا جائے وہ پورا ہو جاتا ہے، میں نے اس نیت سے زمزم پیا کہ یا اللہ مجھے علم نافع عطا فرما دیجئے۔ (سیرِ اعلام النبلاء: ابن خزیمہ ۱۱/۲۲۸)

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں: جب میں حج کے لیے گیا، تو تین مرتبہ زمزم پیا اور تین دعائیں کیں، پہلی دعا: تاریخ بغداد مرتب کرنے کی توفیق مانگی، دوسری دعا جامع منصور میں درس حدیث کی توفیق مانگی اور تیسری دعا مشہور اللہ کے ولی بشر حافیؒ کے پہلو میں تدفین کی دعا کی، اللہ تعالیٰ خطیب بغدادیؒ کی یہ تینوں خواہشیں پوری فرمائیں۔

(سیر اعلام البلاء ۱۳/ ۴۲۳)

مسجد نبوی

حضرت مولانا شبلی نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’مدینے میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانہء خدا کی تعمیر تھی۔ دولت کدے کے قریب خاندانِ نجار کی زمین تھی جس پر کچھ قبریں تھیں، کچھ کھجور کے درخت تھے، آپ علیہ السلام نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا، میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں، وہ بولے کہ ہم قیمت لیں گے؛ لیکن آپ سے نہیں؛ بلکہ خدا سے؛ چوں کہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی، آپ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا، ان یتیم بچوں نے بھی اپنی زمین کی نذر کرنی چاہی؛ لیکن آپ نے گوارا نہ کیا، حضرت ابو ایوبؓ نے قیمت ادا کی۔

قبروں کو اکھڑوا کر زمین ہموار کردی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزدوروں کے لباس میں تھے، صحابہ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور رجز پڑھتے جاتے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے تھے۔ یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بَری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی، یعنی کچی اینٹوں کی دیواریں، برگِ خرُما کا چھپر، کھجور کے ستون تھے۔۔۔ فرش چوں کہ بالکل خام تھا، بارش میں کیچڑ ہو جاتی تھی، ایک دفعہ صحابہ نماز کے لیے آئے، تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشست گاہ پر بچھالیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوادیا، مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقّف چبوترہ تھا جو ’’صفہ‘‘ کہلاتا تھا، یہ ان لوگوں کے لیے تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے‘‘۔ (سیرۃ النبی ۱/ ۱۶۷)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

عہدِ رسالت میں کچی اینٹوں، برگِ خرما کی چھپر اور کھجورر کے درخت کے ستونوں سے مسجد نبوی کی تعمیر کی گئی، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس میں کچھ اضافہ نہیں فرمایا، حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر کی؛ لیکن عہدِ رسالت میں جس طرح تھی، اُسی حالت پر تعمیر کی اور پھر حضرت عثمانؓ نے اس کی از سر نو تعمیر کی اور دیواروں میں منقش پتھر اور چونا

لگایا، نقش ونگار کے ستون نصب کیے اور ساگوان کی لکڑی کی چھت بنوائی۔ (بخاری ۱/ ۶۴)

مسجد نبوی میں نماز کا اجر وثواب

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صلاة فی مسجدی هذا خیر من الف صلاة فیما سواه الا المسجدا لحرام. (متفق علیہ، بخاری باب فضل الصلوۃ فی مسجد مکۃ ۱/ ۱۵۹)

میری مسجد میں ایک نماز دیگر مساجد میں ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے (اس لیے کہ اُس میں اس سے بھی زیادہ ثواب ہے)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صلاته فی مسجدی بخمسین الف صلاة، وصلاته فی المسجد الحرام بمأة الف صلاة. (ابن ماجہ، باب ماجاء فی الصلاۃ فی المسجد الجامع: ۱۴۱۳)

مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلى في مسجدي أربعين صلاة، لا يفوته صلاة، كتبت له براءة من النار، ونجاة من العذاب، وبرء من النفاق.

(مسند احمد: ۱۲۵۸۳ مجمع الزوائد رقم: ۵۸۷۸، قال الھیثمی: رجالہ ثقات)

جو شخص میری مسجد میں (مسلسل) چالیس نمازیں پڑھے، کوئی نماز اس کی (درمیانی مدت میں) فوت نہ ہو، اس کے لیے جہنم اور عذاب سے چھٹکارے کا پروانہ لکھ دیا جاتا ہے اور وہ شخص نفاق سے بری ہو جاتا ہے۔

منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابتدائے اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبے کے لیے کھڑے ہوتے تھے، تو کھجور کے تنے کا سہارا لیا کرتے تھے جو اس جگہ نصب تھا، جب لمبی گفتگو ہوتی

تو آپ تھک جاتے تھے، اس لیے ایک انصاری عورت نے جس کا نام عائشہؓ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ یارسول اللہ! میرا بچہ بڑھئی ہے، وہ آپ کے لیے منبر تیار کرے گا؛ تاکہ جب آپ لوگوں سے خطاب کریں، تو اس پر بیٹھ کر خطاب فرمائیں، آپ کو تھکان نہیں ہوگی، (شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا) چند دن بعد حضرت سہل بن سعدؓ کے ذریعے اُس انصاریہ عورت کو خدمت اقدس میں بلا بھیجا اور فرمایا: تمہارے بچے سے کہو کہ میرے لیے منبر بنائے، جب لوگوں سے گفتگو کروں، تو اس پر بیٹھا کروں، چناں چہ وہ انصاری لڑکا جس کا نام راجح قول کے مطابق میمون ہے، مدینے کے قریب ''غابہ'' نامی علاقے سے جھاؤ کی لکڑی لے آیا، منبر تیار کیا اور اِس منبر میں تین سیڑھیاں تھیں۔

(رواہ البخاری عن سہل بن سعد: باب الاستعانۃ بالنجار والصناع ۴۴۸، ۴۴۹، ۱/۶۴ مسلم کتاب الصلوۃ، باب جواز الخطوۃ والخطوتین: ۵۴۴، ۱/۲۰۶، فتح الباری ۱/۶۸۳)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم جب بھاری ہوگیا، تو حضرت تمیم داریؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم آپ کے لیے منبر بنائیں؟ جس پر آپ خطبے کے وقت تشریف فرما ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بقول ابن سعد مسلمانوں سے مشورہ کرنے کے بعد) فرمایا: ضرور بنائیے۔

(ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب اتخاذ المنبر: ۱۰۸۰، ۱/۱۵۵، فتح الباری ۲/۴۹۰)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمیم داریؓ نے اُس انصاری لڑکے کو منبر بنانے کا ڈیزائن اور طریقہ بتایا ہے، لہٰذا تمیم داریؓ کی جانب منبر بنانے کی نسبت مجازی ہے، منبر جھاؤ کی لکڑی سے تیار کیا گیا، اُسی وقت سے مساجد میں منبر تیار کیا جانے لگا ہے، باتفاق مسلمین جمعہ وعیدین کے خطبات منبر پر دینا مستحب ہے۔

عن سلمة بن الاکوع رضی اللہ عنہ قال کان بین منبر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وبین الحائط کقدر ممر الشاة.

(مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الدنو من السترۃ: ۵۰۹، ۱/۱۹۷، ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب موضع المنبر: ۱۰۸۱، ۱/۱۵۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور قبلے والی دیوار کے درمیان ایک بکری کے گذرنے کے برابر فاصلہ تھا۔

کھجور کا وہ تنا جس کا سہارا آپ لیا کرتے تھے

جب لکڑی کا منبر تیار کیا گیا اور آپ اس پر تشریف فرما ہوئے، تو کھجور کا وہ تنا جس کا سہارا آپ دورانِ خطبہ لیا کرتے تھے، وہ گابھن اونٹ کی طرح چیخیں مار مار کر رونے لگا؛ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اتر آئے، اُس درخت پر ہاتھ رکھا اور سینے سے لگایا، تو وہ درخت ایسے رونے لگا جس طرح بچہ بہلائے جانے پر روتا ہے، پھر آہستہ آہستہ خاموش ہوگیا۔ (بخاری، باب النجار: ۲۰۹۵، مسند احمد) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: اس درخت کے رونے کی آواز ہم سب مصلیوں نے سنی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۳۵۸۵)

سنن دارمی کی ایک طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے اس درخت سے پوچھا: اگر تو چاہے، تو میں تجھے اُسی جگہ بودوں جس جگہ تو تھا، پھر تُو ویسا ہی ہوجائے گا جس طرح پہلے تھا، اگر تو چاہے، تو میں تجھے جنت میں بوؤں، تو جنت کی نہروں اور چشموں سے سیرابی حاصل کرے گا، تیری خوب صورتی میں اضافہ ہوگا، تو پھل دار ہوگا، اللہ کے دوست تیرے پھل کھائیں گے اور تو ہمیشہ رہے گا۔

اے لوگو! درخت کے شوق کو دیکھو

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں: اس درخت نے دوبار عرض کیا، مجھے جنت میں بودیجئے۔

(سنن دارمی، کتاب، دلائل النبوۃ، باب ما اکرم النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حنین المنبر: ۳۲،۱/۲۲)

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت میں ہے جس کو ابونعیمؒ نے نقل کیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا: اے لوگو! درخت کے شوق کو دیکھو، یہ جواب دے رہا ہے، لوگ متوجہ ہوئے، سب نے اُس کے جواب کو سنا، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منبر کے قریب، یا جس جگہ پر وہ تنا تھا اس جگہ ایک گڑھا کھود کر دفن

کر دیا۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی، الباب الرابع، صانع المنبر ۲/ ۱۰)

مسند احمد (۲۱۲۴۸:) اور مسند امام شافعی (باب ایجاب الجمعۃ) کی روایت میں ہے کہ اس درخت کو حضرت ابی بن کعب ؓ نے لے لیا؛ یہاں تک کہ اس کو دیمک لگ گئی اور وہ بوسیدہ ہوکر ریزہ ریزہ ہوگیا۔ (شارحین بخاری حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے صرف اسی روایت کو نقل کیا ہے)

صاحب ''وفاء الوفاء'' نے دونوں روایات کو نقل فرما کر اس طرح تطبیق دی ہے:
ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنے کو دفن فرما دیا ہو، جب حضرت عثمان ؓ نے توسیع کے لیے مسجد کو شہید کیا، تو اس وقت حضرت ابی بن کعب ؓ نے اس تنے کو لے لیا، پھر وہ تنا حضرت ابی بن کعب ؓ کے پاس ہی بوسیدہ ہونے تک رہا ہو۔
(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی، الباب الرابع، صانع المنبر ۲/ ۱۰)

حوض کوثر پر منبر رسول اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مابین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ، و منبری علی حوضی.
(رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ، کتاب التہجد، باب فضل ما بین المنبر والحجرۃ: ۱۱۹۶)

میرے حجرے اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کی ایک کیاری اور باغ ہے اور میرے حوض پر میرا منبر ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان منبری علی ترعۃ من ترع الجنۃ، و مابین منبری و حجرتی روضۃ من ریاض الجنۃ. (رواہ احمد، مسند ابی ھریرہ: ۹۳۳۸)

میرا منبر جنت کے ٹیلوں پر ہوگا، میرے منبر اور حجرے کا درمیانی حصہ جنت کی کیاریوں سے میں ایک کیاری ہے۔

حضرت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان قوائم منبری ھذا رواتب فی الجنة.

(رواہ النسائی، کتاب المساجد، باب فضل مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۶۹۶، ۸۱/۱)

میرے اس منبر کے پائے جنت میں گھڑے ہوئے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

مذکورہ بالا حدیث کی تشریح میں علمائے کرام نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

(۱) جو شخص منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب عبادت کرے گا، اُس کی عبادت اس کے لیے حوض کوثر پر حاضری کی سعادت کا سبب بنے گی۔

(۲) دنیا میں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر ہوا کرتا تھا، اسی کے مثل اللہ تعالیٰ آپ کو حوض کوثر پر منبر عطا فرمائیں گے۔

(۳) دنیا میں جس منبر پر رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث ارشاد فرمائی ہے، مسجد نبوی میں جس منبر کو استعمال کیا کرتے تھے، وہی منبر حوضِ کوثر پر آپ کے لیے پیش کیا جائے گا، منبری کہنا، اِسی بات کی طرف صاف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی منبر عطا فرمائیں گے؛ البتہ اس کی شان وشوکت حوض کوثر اور روزِ محشر کے اعتبار سے ہوگی، اکثر علماء کے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

(فتح الباری، کتاب الحج، فضائل لمدینة: ۱۸۸۸، ۱۲۰/۴، وفاء الوفاء، معنی الروضہ من ریاض الجنة ۲۰/۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر میں تین سیڑھیاں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر میں تین سیڑھیاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی سیڑھی پر تشریف فرما ہوتے، دوسری سیڑھی پر قدم مبارک رکھتے اور یہی تین سیڑھیوں والا منبر مسجد میں نبوی میں رکھا گیا تھا؛ یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مدینے کے حاکم مروان بن حکم کے پاس حکم بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر میرے پاس بھیجو، مروان بن حکم نے ایک بڑھئی کو بلا کر منبر کو اس کی جگہ سے نکال لیا، تو پورے مدینے میں اچانک تاریکی چھا گئی، زبیر بن بکارؒ کہتے ہیں: ہم نے دن میں ستارے دیکھے، مروان نے فوراً بیان شروع کیا اور کہا: میں نے حضرت معاویہؓ کے حکم

سے منبر رسول اللہ کو اس لیے نکالا؛ تا کہ اس کو بلند کروں، خطیب کو تمام حاضرین دیکھ سکیں، چناں چہ نے مروان نے منبر رسول اللہ میں مزید چھ سیڑھیوں کا اضافہ کر دیا، کل نو سیڑھیاں ہو گئیں، یہ اضافہ شدہ منبر ترمیمات کے ساتھ مسجد نبوی میں (۶۵۴ھ) چھ سو چون ہجری تک رہا، پھر ایک حادثے میں جل گیا۔ (فتح الباری، کتاب الجمعۃ، باب الخطبۃ علی المنبر ۲/۴۹۱)

ابوالزنادؒ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی سیڑھی پر بیٹھتے تھے، دوسری سیڑھی پر پیر رکھتے تھے، جب حضرت ابوبکرؓ خلیفۃ المسلمین ہوئے، تو دوسری سیڑھی پر بیٹھتے تھے، تیسری سیڑھی پر پیر رکھتے تھے، جب حضرت عمرؓ امیر المؤمنین بنے، تو تیسری سیڑھی بیٹھتے تھے اور پیر زمین پر رکھتے، جب کھڑے ہوتے، تب بھی تیسر سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے، جب حضرت عثمانؓ امیر المؤمنین بنے، تو ابتدائی چھ سالوں میں حضرت عمرؓ کی ترتیب ہی کو اختیار فرمایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے موافق کرنے لگے۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی، الباب الرابع، الفصل الرابع ۲/۱۰)

ریاض الجنہ

”ریاض الجنہ“ مسجد نبوی کا وہ مقدس، متبرک اور محترم حصہ ہے، جو حجرۂ عائشہؓ (جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں) اور منبر رسول کے درمیان واقع ہے، جس کو خصوصی اعجاز اور امتیازی شان حاصل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو جنت کی ایک کیاری قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید مازنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مابین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة. (متفق علیہ، بخاری ۱/۱۵۹، ۱۱۹۵)

میرے حجرے اور منبر کے درمیان جنت کی ایک کیاری (چھوٹا سا باغیچہ) ہے۔

اکثر علمائے کرام نے اس حدیث کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن زمین کے اس مبارک حصے کو جنت کا حصہ بنا دیا جائے گا، یا یہ کہ زمین

کا یہ حصہ جنت ہی کا ایک ٹکڑا ہے جس کو دنیا میں نازل کیا گیا ہے، جس طرح حجر اسود جنت کا پتھر ہے، جس کو دنیا میں اتارا گیا ہے۔ (مستفاد: از تحفۃ القاری ۳/ ۵۱۵)

علامہ خطابی اور دیگر علماء نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ اس حصہء زمین پر اللہ کی اطاعت، عبادت اور ذکر کرنا جنت کے باغات میں سے ایک باغ کے ملنے کا ذریعہ ہے، منبر رسول کے قریب عبادت کرنے سے حوض کوثر پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے آبِ کوثر پینے کی سعادت حاصل ہوگی۔

(عمدۃ القاری ملخص: فضل ما بین القبر والمنبر: ۱۱۹۵، ۵/ ۵۷۵)

یزید بن ابی عبیدؒ فرماتے ہیں: کہ میں صحابئ رسول حضرت سلمہ بن اکوعؓ کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوتا، وہ مصحف والے ستون (جو ریاض الجنۃ کا ایک ستون ہے) کے پاس آ کر نفل نماز وغیرہ ادا فرماتے، میں نے عرض کیا، ابو مسلم! میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ اس ستون کے پاس پہنچ کر ضرور نفل پڑھتے ہیں؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ بھی اس مقام میں عبادت کرنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

(متفق علیہ، بخاری، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ الی الاسطوانۃ، فتح الباری، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ الی الاسطوانۃ ۱/ ۷۵۲، ۵۰۲)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

مصحف والا صندوق جس اُسطوانے کے پاس رکھا جاتا تھا، اس کا نام ''اسطوانۃ المہاین'' تھا اور یہ ستون ریاض الجنۃ کے بالکل درمیان میں واقع تھا۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ فرماتی تھیں:

اگر اس اسطوانے کی فضیلت کو لوگ جان جائیں، تو اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے قرعہ اندازی کرنے لگیں اور آپ نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اس کی فضیلت وحقیقت کو بیان فرمایا تھا جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بکثرت اس اسطوانے کے قریب نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: پھر مجھے یہ روایت ابن نجار کی ''تاریخ المدینۃ'' میں ملی،

اس میں مزید یہ اضافہ ہے کہ حضرات مہاجرین اس اسطوانے کے قریب جمع ہوتے تھے۔
(فتح الباری، کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ الی الاسطوانۃ ۱/ ۷۲۵، ۵۰۲)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

اصح الکتب بعد کتاب اللہ جامع صحیح بخاری کی قبولیت کی ایک بڑی وجہ وہ ہے جس کو متعدد مشائخ نے بیان کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے ”ریاض الجنۃ“ میں تراجم بخاری پر نظرِ ثانی فرمائی ہے اور ایک ایک ترجمہ اور باب قائم کرنے کے لیے دو دو رکعت نماز ادا فرمائی ہے۔ (مقدمۃ فتح الباری، الفصل الثانی ۱/ ۲۰)

”ریاض الجنہ“ کا رقبہ: لمبائی تقریباً بائیس (۲۲) میٹر اور چوڑائی تقریباً پندرہ (۱۵) میٹر ہے۔ (تاریخ مدینہ منورہ: ۱۲۳، مصنفہ عبدالمعبود)

مسجد نبوی میں حاضری کی سعادت ملے، تو اس مبارک حصے میں عبادت، ذکر، دعا، توبہ اور استغفار کرنا چاہیے، ”ریاض الجنۃ“ ایک بابرکت جگہ ہے، ہر ایمان والا جو مسجد نبوی میں حاضر ہوتا ہے، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس جگہ دو نفل ضرور ادا کرے، یہ تمنا اور خواہش قابلِ مبارک؛ لیکن ہم لوگوں کو چاہیے کہ مسجد کا ادب واحترام کرتے ہوئے ”ریاض الجنۃ“ میں حاضر ہوں، نمازیوں کے سامنے سے گذر کر کسی کو دھکا دے کر اور اذیت پہنچا کر جانا، گردنوں کو پھاندنا اور جگہ حاصل کرنے کے لیے مسجد میں دوڑنا؛ یہ سب باتیں احترامِ مسجد کے خلاف ہیں، آداب کا خاص خیال رکھنا چاہیے، بابرکت مقامات کی بے ادبی بسا اوقات محرومی کا سبب بن جاتی ہے۔

صفہ اور اصحابِ صفہ

صفہ سائبان اور سایہ دار جگہ کو کہتے ہیں، عہدِ رسالت میں تحویلِ قبلہ کے بعد مسجد نبوی کے شمال مشرق میں مسجد سے متصلاً ایک چبوترہ بنایا گیا، جس پر سایہ کا بھی انتظام کیا گیا تھا، اس چبوترے کو صفہ کہا جاتا ہے، اس جگہ قیام کرنے والے صحابہ کرام کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو مسافر، ضعفائے مسلمین وفقرائے مہاجرین اور وہ مساکین جن کا مدینے میں گھر بار نہیں ہوتا تھا، وہ حضرات بارگاہِ

نبوت ورسالت میں حاضر ہوتے اور اسی چبوترے میں قیام فرماتے تھے، موجودہ توسیع کے اعتبار سے ''ریاض الجنہ'' کے پیچھے، ''باب جبرئیل'' یا ''باب النساء'' سے داخل ہونے کے بعد بائیں جانب واقع ہے، مقام صفہ کا طول وعرض چالیس مربع فٹ ہے۔ (تاریخ مدینہ منورہ: ۱۵۵)۔

اصحابِ صفہ کا زہد

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: میں نے ستر اصحابِ صفہ کو دیکھا کہ ان کے پاس چادر تک نہ تھی، صرف تہبند اور لنگی ہوتی تھی، یا کمبل جس کو اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے، کمبل اس قدر چھوٹا کہ کسی کی آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا، کسی کے ٹخنوں تک اور ہاتھوں سے اس کو تھامتے کہ کہیں ستر کھل نہ جائے۔ (بخاری، باب نوم الرجال فی المسجد ۱/ ۶۳: ۴۴۲)

اصحابِ صفہ اسلام کے مہمان تھے، ان کے کھانے کا انتظام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کرتے تھے، حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ فرماتے ہیں: اصحابِ صفہ فقراء ومساکین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: جس کے گھر میں دو آدمیوں کا کھانا ہے، وہ تیسرے آدمی کو اپنے ساتھ لے جائے، جس کے گھر میں تین آدمیوں کا کھانا ہے، وہ چوتھے کو لے جائے، جس کے پاس چار لوگوں کا کھانا ہو، وہ پانچویں اور چھٹے آدمی کو لے جائے، حضرت ابوبکرؓ تین افراد کو لے کر آتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس دس افراد کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ (بخاری باب السمر مع الضیف ۱/ ۸۴ رقم: ۶۰۲)

اصحابِ صفہ کی مصروفیات

اصحابِ صفہ اربابِ توکل اور اصحابِ تبتل لوگوں کی ایک جماعت تھی جو رات دن تزکیۂ نفس، کتاب وحکمت کی تعلیم پانے اور دینی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے تھے، اصحابِ صفہ میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ حضرات سرفہرست ہیں، ان حضرات کو نہ تجارت سے کوئی مطلب تھا، نہ زراعت سے کوئی سروکار، یہ حضرات اپنی آنکھوں کو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پرُ انوار کے لیے، کانوں کو آپ کے کلماتِ قدسیہ سننے کے لیے اور اپنے آپ کو آپ کی صحبت و معیت کے لیے وقف کر چکے تھے۔

اصحابِ صفہ اپنے اوقات قرآن مجید سیکھنے، احادیث نبویہ سننے اور ذکر و اذکار میں صرف کرتے، یا اُن خدمات کی انجام دہی میں اپنا وقت لگاتے جن کی ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیا کرتے تھے، قبائل تک اسلام کی دعوت پہنچانا، نومسلم جماعتوں کو قرآن مجید، اسلام کی تعلیم دینا اور تقاضوں کے پیش نظر جنگی مہمات میں شرکت ان حضرات کی مشغولی تھی ''بئر معونہ'' میں ستر قراء صحابہ کی شہادت ہوئی، ان کا تعلق بھی اصحابِ صفہ ہی کی جماعت سے تھا، گویا صفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم گاہ، تربیت گاہ، خانقاہ اور اضیافِ اسلام کا مہمان خانہ تھا۔

اصحابِ صفہ دعوتی و تبلیغی اسفار، سرایا میں شرکت، وطن واپسی، نکاح، گھر کا انتظام اور وفات وغیرہ کی وجہ سے کبھی کم ہو جاتے اور کبھی بڑھ جاتے، کبھی ستر ہو گئے اور کبھی کم و بیش حتی کہ یہ تعداد چار سو تک جا پہنچتی تھی۔ (فتح الباری، حلیہ الاولیاء)

اصحابِ صفہ کی تعلیم و تربیت

حضرت ابوطلحہؓ حضرت ام سلیمؓ کے پاس آئے اور فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ہو کر آیا ہوں، آپ اصحابِ صفہ کو ''سورۃ النساء'' پڑھا رہے ہیں، آپ نے بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا ہے۔

(رواہ ابن الحافظ ابن حجرؒ فی فتح الباری نقلا عن ابی نعیم کتاب المناقب، علامات النبوۃ فی الاسلام ۷۲۸/۶)

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں:

ہم صفہ میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا: تم میں سے کون چاہتا ہے کہ صبح سویرے ''بطحان'' یا ''عقیق'' نامی بازار میں جائے، وہاں سے دو کوہان والی اونٹیاں گناہ اور قطعِ رحمی کے بغیر لے آئے، ہم نے عرض کیا: ہم میں سے ہر ایک اس کی خواہش کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی

شخص صبح سویرے مسجد جا کر قرآن پاک کی دو آیتیں سیکھے، وہ دو اونٹیوں سے افضل، تین آیتیں سیکھے، تین اونٹیوں سے افضل اور چار آیتوں کا سیکھنا چار اونٹیوں سے افضل ہے۔

(رواہ مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل استماع القرآن: ۸۰۳، ۱/۲۷۰)

حدیث کی کتابوں اور سیرت طیبہ میں ہمیں بے شمار واقعات اس نوعیت کے ملتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صفہ کے علم وذکر کے حلقوں میں تشریف لے جاتے، انھیں قرآن مجید کی تعلیم دیتے، تربیت فرماتے، احادیث نبویہ سناتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، تحصیلِ علم کی ترغیب دیتے اور فقر وفاقے پر صبر کی تلقین فرماتے۔

مذکورہ دو روایتیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں۔

قبائل میں صفہ کے مبلغین اور ان کی شہادت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

چند لوگ ’’رعل‘‘ ’’ذکوان‘‘ ’’عصیہ‘‘ اور ’’بنولحیان‘‘ سے تعلق رکھنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہمارے ساتھ آپ کے چند اصحاب کو روانہ فرمائیں جو ہمیں قرآن وسنت سکھائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار میں سے ستر صحابہ جن کو قراء کہا جاتا تھا، ان کے ساتھ روانہ فرمایا: جن میں میرے ماموں ’’حضرت حرام‘‘ بھی شامل تھے، یہ حضرات راتوں میں قرآن پڑھتے، یاد کرتے اور سیکھتے تھے، دن میں مسجد میں پانی لاتے، لکڑی کاٹ کر بیچتے اور فقراء واصحاب صفہ کے لیے کھانا وغیرہ خرید کر لاتے، منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی درمیانی راستے میں ان سب حضرات کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا، ان شہداء نے دعا کی۔

اللهم بلغ عنا نبينا انا قدلقيناك، فرضينا عنك، ورضيت عنا، قال: واتى رجل حراما خال انس من خلفه، فطعنه برمح حتى انقذه، فقال حرام: فُزت ورب الكعبة، الخ

اے اللہ! ہمارے نبی کو ہماری طرف سے اطلاع دے دیجئے کہ ہم آپ سے آ کر

مل گئے ہیں، ہم آپ سے راضی ہو گئے ہیں اور آپ ہم سے راضی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ایک شخص میرے ماموں کے پیچھے سے آیا اور اس نے نیزے سے حملہ کر دیا، میرے ماموں نے کہا: ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا، (اللہ نے ان لوگوں کی دعا قبول فرمائی اور اپنے رسول تک ان کی خبر پہنچائی، پھر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ خبر پہنچائی۔ (رواہ مسلم عن انس، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشھید: ٤٨٨٠، ١٣٨/٢)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے سے شدید صدمہ پہنچا، آپ نمازِ فجر میں تقریباً ایک ماہ دعائے قنوت میں ان قبائل کے لیے بددعا کرتے رہے۔

اصحابِ صفہ اور حیرت ناک قوتِ حافظہ

حضرت ابو ہریرۃؓ صفہ کے مشہور و نامور طالب علم ہیں، صحابہ کرام میں سب سے زیادہ روایت کرنے والے صحابی ہیں، حدیث کی کتابوں میں تقریباً آپ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (٥٣٧٤) روایات مروی ہیں، حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے:

تم کہتے ہو کہ ابو ہریرہؓ بہت احادیث بیان کرتے ہیں (؛ حالاں کہ انہوں نے سن آٹھ ہجری کے بعد اسلام قبول کیا ہے)۔ اللہ کے یہاں حساب ہوگا۔ مہاجرین اور انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی احادیث کیوں نہیں بیان کرتے؟ (اس سوال کا جواب یہ ہے کہ) میرے مہاجر بھائی بازار میں تجارت میں مشغول رہتے اور میرے انصاری بھائی باغات اور کاشت کاری وغیرہ میں مصروف رہتے، میں ایک فقیر آدمی تھا، بقدر کفایت روزی کے ساتھ ایسے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پڑا رہتا تھا، جب یہ حضرات موجود نہیں ہوتے، تب میں بھی حاضرِ خدمت رہتا، جو احادیث وہ بھول جاتے، میں ان کو یاد کر لیا کرتا تھا۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا: جب تک میں اس مجلس میں گفتگو کروں، اُس وقت تک تم میں سے جو شخص چادر پھیلائے رکھے گا، پھر اس کو اپنے سینے سے لگا لے گا، وہ

کبھی اُن احادیث کو نہیں بھولے گا، میں نے اپنی چادر پھیلا دی، اس چادر کے علاوہ میرے پاس کوئی دوسری چادر بھی نہیں تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خطاب مکمل فرمایا، اس وقت میں نے اُس چادر کو اپنے سینے سے لگایا، قسم ہے، اس ذاتِ پاک کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا، میں نے اس مجلس کی کسی بات کو آج تک نہیں بھولا۔ (بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ، باب ماجاء فی الغرس: ۲۳۵۰، ۱/۳۶۱)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، یا رسول اللہ! آپ سے بے شمار احادیث سنتا ہوں، پھر بھول جاتا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا: اپنی چادر پھلاؤ، میں نے اپنی چادر پھلائی، پھر آپ نے دونوں ہاتھوں سے چلو بھرا (چلو بھر کر چادر میں کسی محسوس و مادی چیز کے ڈالنے کی طرح اشارہ فرمایا) اس کے بعد فرمایا: اس کو اپنے سینے سے لگالو، میں نے ایسے ہی کیا، اس کے بعد سے کبھی کوئی حدیث میں نے نہیں بھولی۔ (بخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم: ۱۱۹، ۱/۲۲)

صفہ سے متعلق اکابر کے تجربات

حضرت مولانا ابوبکر صاحب طیبی بیجاپوری مدظلہ سابق استاذ "مدرسہ صولتیہ مکۃ المکرمۃ" و مہتمم حال مدرسہ "دارالابرار" بیجاپور فرماتے ہیں:

مدرسہ "صولتیہ" مکۃ المکرمۃ میں تدریسی خدمات کے لیے میرا تقرر ہوا، ابتدائی ایام میں تھوڑی دشواری ہوا کرتی تھی، اس لیے کہ میں حنفی عالم تھا، اسباق میں مالکی، شافعی اور حنبلی طلبہ بھی شریک ہوتے تھے، دورانِ درس اپنے بعض سوالات بھی پیش کرتے، بعض مرتبہ ان کے جوابات دینے میں قدرے دشواری ہوتی، میں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے ماموحکیم یامین صاحبؒ، ناظمِ کتب خانہ "مدرسہ صولتیہ" کے سامنے اپنی دشواری و پریشانی کا اظہار کیا، انہوں نے فرمایا: بیٹا ہفتہ دس دن کے لیے مدینہ منورہ چلے جاؤ اور "صفہ" میں بیٹھ کر "بدائع الصنائع" حفظ کر کے آجاؤ، تمہاری دشواری دور ہو جائے گی، چناں چہ میں نے ہفتہ دس کی رخصت لی اور مسجد نبوی حاضر ہو کر

مقامِ صفہ میں بیٹھ کر اول تا آخر ''بدائع الصنائع'' کی عبارت پڑھی، اللہ کا فضل، اصحابِ صفہ کی برکت اور حکیم یامین صاحبؒ کی توجہ سے الحمدللہ ''بدائع الصنائع'' پوری مجھے زبانی یاد ہوگئی، صفحات کے صفحات میرے ذہن میں نقش ہیں۔

احقر نے اولاً یہ واقعہ مولانا کی زبانی ایک فقہی سیمینار میں سنا، جب ان سطور کو لکھنے کا ارادہ کیا، تب دوبارہ حضرت مولانا سے تصدیق چاہی، تو مولانا نے پرزور تصدیق اور تائید فرمائی، اللہ تعالیٰ مولانا کے سایۂ شفقت کو صحت وسلامتی کے ساتھ دراز فرمائے۔

خلاصہ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ''صفہ'' اسلامی تاریخ کا اولین دار العلوم ہے، جہاں کے پہلے مدرس اور صدر مدرس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وہاں کے ممتاز طالبِ علم اسلامی تاریخ کے سب سے بڑے محدث ہیں، یہ مقام نہایت بابرکت ہے، بطور خاص علماء وطلبہ کے لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ مدینہ پاک کی حاضری کی سعادت نصیب فرمائے، تو اس مقام میں حاضر ہو کر علمی کمال پیدا کرنے کے لیے کوئی ظاہری تدبیر ضرور کرنی چاہیئے۔

حافظ ابونعیم اصفہانی نے ''حلیہ الاولیاء'' میں امام حاکم نے ''المستدرک'' میں صفہ اور اصحاب صفہ کے حالات کو مفصل بیان کیا ہے، نیز حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' کتاب الاستیذان، باب کیف کان عیش النبی واصحابہ میں اصحاب صفہ سے متعلق بہت ساری تفصیلات جمع کی ہیں۔

احقر نے صفہ اور اصحاب صفہ کے تذکرے کو قدرے دراز کر دیا ہے، اگر چہ کہ کتاب کے عنوان سے دور کی مناسبت ہے؛ تاکہ ہمیں اندازہ ہو کہ اسلام میں مساجد مسلمانوں کے مرکزی مقام کی حیثیت رکھتی ہیں، مسلمانوں کے تمام دینی وملی تقاضے مسجد ہی سے پورے کئے جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کو بطور عملی نمونہ امت کے سامنے پیش فرمایا؛ لیکن افسوس صد افسوس! ہم نے مسجد کو صرف پنج وقتہ نمازوں تک محدود کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالتِ زار پر رحم فرمائے اور ہمیں مساجد کو کما حقہ آباد

کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حجرۂ عائشہؓ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں، جو اس وقت مسجد نبوی کا اندرونی حصہ ہے، آپ کے ساتھ آپ کے رفقاء حضرات شیخین آرام فرما ہیں، قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی حجرے میں آرام فرمائیں گے، روضہء رسول کا وہ حصہ جو آپ کے جسدِ اطہر اور اعضائے مبارکہ سے مس کئے ہوئے ہے، ساری روئے زمین میں افضل ترین حصہ ہے؛ بلکہ قاضی عیاض مالکیؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ حصہ کعبہ سے بھی اشرف وافضل ہے۔

روضۂ رسول کی زیارت کے فضائل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من جاء نی زائرا لاتُهِمُّه حاجة الا زیارتی، کان حقا علی ان اکون شفیعا یوم القیامة. (قال العلامة السمهودی: روی الحافظ ابن السکن فی صحیحه عن ابن عمر، ولهذا نقله عنه جماعة، منهم الحافظ زین الدین العراقی، وقال السبکی: صحیح، وروی الطبرانی فی الکبیر والاوسط، واخرجه الهیثمی فی التلخیص الحبیر، وذکر ماله وما علیه، فاحسن، واجاد. وفاء الوفا ملخصا ۴: ۱۷۱)

جو شخص بطور خاص میری زیارت کے لیے آئے، کوئی اور ضرورت اس کے پیش نظر نہ ہو، تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کے لیے قیامت کے دن شفارشی بنوں۔

لہٰذا جو شخص مدینہ پاک حاضر ہو، اس کو چاہئے کہ وہ روضہء پاک کی حاضری ہی کی نیت کرے، اس خصوصی نیت کے ساتھ روضہء اقدس پر حاضری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفارش لازم ہوجائے گی، جب شفارش واجب اور لازم ہوگی، تو دنیا سے ایمان کے

ساتھ رخصتی بھی ہوگی، اس لیے کہ آخرت میں ایمان والے ہی آپ کی اُس شفارش کے مستحق ہوں گے جو دخول جنت کا ذریعہ ہوگی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من زارقبری، وجبت له شفاعتی .(روی العلامة السمهودی براویة ابن عمر عن دارقطنی والبیهقی ،وقال اقل درجات هذا الحدیث الحسن ،وقال الذهبی: طرق هذاالحدیث کلها لینة ، یقوی بعضها بعضا. (وفاء الوفا ملخصا ٤:١٦٩)

جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں:

اس روایت میں شفاعت سے خاص شفاعت مراد ہوسکتی ہے جو زائر کے لیے خاص درجے کے حصول کا ذریعہ ہوگی جو غیر زائر کو اعمال کی زیادتی اور کثرتِ فضائل کے باوجود میسر نہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام شفاعت ہی مراد ہے، جس سے ہر مسلمان کو نوازا جائے گا، ؛البتہ اس روایت میں زائر کے لیے خصوصی اعزاز واکرام کی طرف اشارہ ہے۔

زائر کے لیے اس روایت میں خوش خبری سنائی گئی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا اور وہ دینِ اسلام پر مرے گا، جس کی وجہ سے اُن لوگوں میں شامل ہوجائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفارش کے مستحق ہوں گے۔ (وفاء الوفاء ٤/١٧٠)

مولانا ظفر احمد تھانویؒ لکھتے ہیں: زائر کے لیے شفاعت کی جو بشارت ہے، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی فضیلت ہوسکتی ہے؟

أيُّ فضيلة أعلىٰ و أسنى من وجوب شفاعته صلی اللّٰه علیه وسلم لمن زاره. (اعلاء السنن ١٠/ ٥٤٤)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من حج، فزار قبری بعد موتی، کان کمن زارنی فی حیاتی.(قال

السمهودی: روی ابن الجوزی فی "مثیر الغرام الساکن" وابو یعلی، والطبرانی فی الکبیر والاوسط۔ وفاء الوفا ملخصا ۴: ۱۷۱)

جس نے حج کیا اور حج کے بعد میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی، تو وہ (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) انھیں لوگوں کی طرح ہے، جنہوں نے میری حیات میں میری زیارت کی۔

مولانا منظور نعمانیؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبرِ مبارک میں؛ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی منور قبور میں زندہ ہونا جمہورِ امت کے مسلّمات میں سے ہے، اگرچہ حیات کی نوعیت میں اختلاف ہے، روایات اور خواصِ امت کے تجربات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو امتی قبر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں، آپ ان کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ایسی صورت میں بعدِ وفات آپ کی قبر پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور بالمشافہ سلام کا شرف حاصل کرنے ہی کی ایک صورت ہے اور بلاشبہ ایسی سعادت ہے کہ اہلِ ایمان ہر قیمت پر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ (معارف الحدیث ۴/ ۲۹۴)

نیز مولانا نعمانیؒ زیارتِ رسول اور روضہء پاک کی حاضری پر خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کے جن منافع، برکات اور مصالح کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اگر ان کو پیشِ نظر رکھ کے ان احادیث پر غور کیا جائے جو اس زیارت کی ترغیب میں مروی ہیں، خواہ سند کے لحاظ سے ان پر کلام کیا جا سکے؛ لیکن معنوی لحاظ سے وہ دین کے پورے فکری اور عملی نظام کے ساتھ بالکل مرتبط اور ہم آہنگ نظر آئیں گی اور ذہنِ سلیم اس پر مطمئن ہو جائے گا کہ قبرِ مبارک کی یہ زیارت، صاحبِ قبر کی ذاتِ اقدس کے ساتھ ایمانی تعلق، محبت و توقیر میں اضافہ اور دینی ترقی کا خاص وسیلہ ہے، یقین ہے کہ ہر خوش نصیب اور صاحبِ ایمان بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے زیارت کی

سعادت سے بہرہ ور فرمایا ہے، اس کی شہادت دے سکے گا۔ (معارف الحدیث ۴/۲۹۶)

روضۂ رسول کی زیارت کا حکم

الأنبياء أحياء في قبورهم. (مسند ابی یعلی: ۳۴۲۵)

انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، موت ان کے لیے مُزیلِ حیات نہیں؛ بلکہ ساترِ حیات ہوتی ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی قبر اطہر میں باحیات ہیں؛ اسی لیے زیارت قبر اطہر کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، انھیں روایات کے پیش نظر احناف کے یہاں زیارتِ روضہء اقدس کا حکم قریب بہ واجب ہے، جمہور کے نزدیک مستحب ہے، بعض مالکیہ اور بعض ظاہریہ کے نزدیک واجب ہے۔

قد اختلف فيها أقوال أهل العلم، فذهب الجمهور إلى أنها مندوبة، وذهب بعض المالكية، وبعض الظاهرية إلى أنها واجبة، وقالت الحنيفة: إنها قريبة من الواجبات، و ذهب ابن تيمية الحنبلي إلى أنها غير مشروعة. (اعلاء السنن ۱۰/۵۴۴)

ملا علی قاریؒ نے ''شرح الشفاء'' میں قاضی عیاض مالکیؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

زيارة قبره عليه السلام سنة من سنن المسلمين مجمع عليها أى مجمع على كونها سنة، و فضيلة مرغب فيها. (شرح الشفاء ۲/۱۴۹)

قبر اطہر کی زیارت مسلمانوں کی متفق علیہ سنت ہے اور اس کی ایسی فضیلت ہے کہ ہر مسلمان کے اندر اس کو حاصل کرنے کا شوق ہونا چاہئے۔

لہٰذا ہر صاحبِ استطاعت کی یہ خواہش ہونی چاہیے کہ اُسے جب بھی موقع ملے گا، وہ روضہء اقدس کی زیارت کرے گا اور جو لوگ حج کے لیے جاتے ہیں، انھیں روضہء اقدس کی زیارت بھی کرنی چاہیے، اگرچہ روضہء اقدس کی زیارت حج کا رکن یا جز نہیں ہے؛ لیکن امت کا تعامل ہے بطور خاص دور دراز علاقوں کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں، تو روضہء پاک کی زیارت اور وہاں درود و سلام کی سعادت ضرور حاصل کرتے ہیں اور کسی سے اس کا انکار منقول نہیں ہے، یہ اجماع کے درجے میں ہے۔

مولانا ظفر احمد تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

لم يزل دأب المسلمين القاصدين للحج فی جميع الأزمان علی تباين الديار، و اختلاف المذاهب، الوصول الی المدينة المشرفة لقصد زيارته صلی الله عليه و سلم و يُعَدُّ أنَّ ذلك من أفضل الأعمال، و لم ينقل أن أحدا، أنكر عليهم ذلك، فكان إجماعاً. (اعلاء السنن ۱۰/۵۴۵)

البتہ حاجیوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ پہلے حج مکمل کرلیں، پھر زیارت کے لیے مدینہ منوّرہ جائیں؛ کیوں کہ حج فرض ہے اور زیارت روضہ اقدس قریب بہ واجب ہے، اگر حج نفل ہو، تو حاجی کو اختیار ہے، چاہے تو پہلے حج کرے، پھر مدینے کی زیارت کرے، یا اولاً مدینہ منورہ حاضر ہوجائے، پھر مکہ مکرمہ جائے۔

(مستفاد: از فتح القدیر، کتاب الحج، مسائل منثورہ ۳/۱۶۷)

روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے سفر کا شرعی حکم

ابن تیمیہ رحمہ اللہؒ فرماتے ہیں:

مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی نیت سے سفر کرے، پھر روضہ اقدس کی زیارت کرے، مستقل طور سے روضہ اقدس کی نیت سے سفر نہ کرے، جمہورِ امت کے نزدیک قبرِ اطہر کی زیارت کے لیے سفر کرنا نہ صرف جائز؛ بلکہ اہم عبادات میں سے ہے، روضہ اقدس کی زیارت کی فضیلت کے بارے میں روایات بہ کثرت وارد ہیں، دوسری بات یہ کہ امت کا تعامل چلا آرہا ہے کہ ہر حاجی مکہ کی ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر چار سو میل طویل سفر کرکے مدینہ جاتا ہے، ظاہر ہے کہ حجاج صرف مسجد نبوی کی زیارت کے لیے نہیں جاتے؛ بلکہ ان کا مقصود روضہ اقدس پر حاضری ہوتی ہے۔

چناں چہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

الأولی فيما يقع عند العبد الضعيف تجريد النية لزيارة قبر النبی صلی الله عليه و سلّم و يوافق ظاهر ما ذكرناه من قوله عليه الصلوٰة

و السلام، لا تعمله حاجة الا زيارتي. (فتح القدير ٣/١٦٨)

میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ خالص زیارت کی نیت کرے؛ کیوں کہ حدیث لا تعملہ حاجۃ الا زیارتی (کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو) کے ظاہری الفاظ کے موافق ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے اسی قول کو علماء دیوبند کا مذہب قرار دیا ہے:

عندنا و عند مشائخنا زيارة قبر سيد المرسلين (روحي فداه) من أعظم القربات و أهم المثوبات و أنجح لنيل الدرجات بل قريبة من الواجبات، و إن كان حصوله بشدّ الرحال و بذل المهج و الأموال و ينوي وقت الارتحال زيارة عليه الف الف تحية و سلام و ينوي معها زيارة مسجده صلى الله عليه و سلم. (المهند على المفند: ٣٨)

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارتِ قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ پر قربان) اعلیٰ درجے کی قربت، انتہائی ثواب کا عمل اور حصولِ درجات کا سبب ہے؛ بلکہ واجب کے قریب ہے، گو شدِّ رحال اور بذلِ جان و مال سے نصیب ہو، سفر کے وقت آپ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی وغیرہ کی نیت کرے۔

روضۂ اقدس پر دعائے مغفرت کی درخواست

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں باحیات ہیں؛ اس لیے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ سے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا، سفارش کی درخواست کرنا جائز تھا، ویسے ہی دنیا سے رخصت فرما جانے کے بعد بھی روضہ اقدس پر حاضر ہو کر درخواست کرنا جائز ہے؛ لہٰذا روضہ اقدس پر حاضری دینے والے یہ درخواست کر سکتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! ہم سراپا گنہگار ہیں، آپ بارگاہِ خداوندی میں ہماری مغفرت کے لیے دعا فرما دیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ نے آیت:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾. (النساء: ٦٤)

سے اس مسئلے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

یہ آیت اگرچہ بطور خاص ایک منافق کے واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے؛ لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے، آپ اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں، اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانے میں ہو سکتی تھی، اسی طرح آج بھی روضہء اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ (معارف القرآن ٢/٤٥٩)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے فارغ ہوئے، تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا، پھر چند درد بھرے چند اشعار پڑھا (جن کو محدثین و مفسرین نے نقل فرمایا ہے) اور روتے ہوئے یہ آیت:

اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ. الخ

کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں، تو اس کی مغفرت ہو جائے گی، اس لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں؛ تاکہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں، اس وقت جو لوگ حاضر تھے، ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضہء اقدس کے اندر سے آواز آئی: ”قد غفر لک“ تیری مغفرت کر دی گئی۔ (معارف القرآن ٢/٤٦٠، شعب الایمان، ابن کثیر اور ابو حیان اندلسی وغیرہ نے اپنی تفسیروں میں اس واقعے کو نقل کیا ہے)

روضۂ اقدس پر درود وسلام

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس کر دیتے ہیں؛ یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دیتا ہوں۔ (ابوداؤد، کتاب الحج، باب زیارۃ القبور: ۲۰۴۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے، میں خود اس کو سنتا ہوں، جو دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے، وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان، وبسط السخاوی فی تخریجہ، فضائل درود: حدیث ۸، صفحہ: ۲۲)

جو شخص قبر اطہر کے قریب درود پڑھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود سنتے ہیں، بہت قابل فخر، قابلِ عزت اور قابل لذت چیز ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قبر اطہر کے قریب درود پڑھنا دور سے درود پڑھنے سے افضل ہے؛ کیوں کہ قرب میں جو خشوع، خضوع اور حضورِ قلب حاصل ہوتا ہے، وہ دور سے درود پڑھنے میں حاصل نہیں ہوتا ہے۔ (ملخص: از فضائل درود: رقم ۸ ص ۱۹)

روضہ پر حضرات صحابہ کی حاضری

جب حضرت عمرؓ نے ''بیت المقدس'' کا سفر فرمایا، ''بیت المقدس'' والوں نے صلح کر لی، حضرت کعب احبارؒ جو یہود کے بڑے عالم تھے، انہوں نے اسلام قبول کر لیا، حضرت عمرؓ کو بے انتہاء خوشی ہوئی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے کعب! کیا آپ کو خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ مدینے پاک آؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی زیارت کرو؟ کعب احبارؒ نے عرض کیا: ضرور امیر المومنین آپ کے ساتھ مدینہ چلوں گا، چناں چہ حضرت عمرؓ انھیں مدینے پاک لے آئے، حضرت عمرؓ سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوئے اور روضہء پاک پر حاضر ہو کر سلام پیش کیا۔ (کعب احبارؒ نے بھی ضرور سلام پیش کیا ہوگا) وفاء الوفاء: ۴/ ۱۸۴)

عبداللہ بن دینارؒ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا ہے کہ جب وہ روضہء رسول پر کھڑے

ہوتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر درود بھیجتے۔

(موطا امام مالک، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۵۷۴)

حضرت نافعؒ فرماتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ جب سفر سے واپس آتے، تو روضۂ رسول پر حاضر ہوتے اور عرض کرتے، السلام علیک یارسول اللہ! السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک یا ابتاہ۔

(رواہ عبدالرزاق، کتاب الجنائز، باب السلام علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۶۷۲۴)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا مشاہدہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م: ۱۱۷۶ھ) قدس سرہ نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں مذکورہ حدیث کے تحت گفتگو فرمائی ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

روحِ پاک جو مشاہدۂ حق میں مشغول ہے اور جس کا کسی طرف التفاف باقی نہیں رہا، باذنِ الٰہی وہ سلام پیش کرنے والے کی طرف ملتفت ہوتی ہے اور جواب دیتی ہے، یعنی روحِ پاک سے سلام کرنے والے کو فیض پہنچتا ہے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: میں نے ۱۱۴۴ھ میں جب میرا قیام مدینہ منورہ میں تھا، اس بات کا بار بار مشاہدہ کیا ہے، یعنی روح نبوی سے فیض پایا ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴/ ۳۴۵)

روضۂ اقدس پر درود افضل ہے، یا سلام؟

علامہ باجیؒ کی رائے یہ ہے کہ درود افضل ہے، علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ روضۂ اقدس کے پاس کھڑے ہوکر سلام پڑھنا افضل ہے؛ کیوں کہ حدیث میں ''مامن مسلم یسلم علیَّ عند قبری'' وارد ہوا ہے۔

لیعلم أنَّ السَّلام علیه صلی اللہ علیه وسلم عند قبره أفضل من الصلوٰة، وقال الباجی: یدعو بلفظ الصلوٰة، والظاهر الأول.

(القول البدیع ۱/ ۲۱۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ صاحب لکھتے ہیں:

اس ناکارے کے نزدیک صلاۃ کا لفظ (یعنی درود) بھی کثرت سے روایات میں

ذکر کیا گیا ہے؛ اس لیے بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود وسلام دونوں کو جمع کیا جائے، تو زیادہ بہتر ہے، یعنی بجائے السلام علیک یا رسول اللہ، ’’السلام علیک یا نبی اللہ‘‘ کے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ۔ اس صورت میں علامہ باجیؒ اور علامہ سخاویؒ دونوں کے قول پر عمل ہو جائے گا۔ (فضائل درود شریف: حدیث: ۸ ص: ۲۲)

مسجد اقصی

مسجد اقصی مسلمانوں کا قبلہء اول اور اسلام کا حرمِ ثالث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد سولہ سترہ مہینے اُس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے، ہزاروں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا، مبعث، مسکن، مدفن اور ارضِ محشر ہے، دنیوی اعتبار سے سرسبز و شاداب باغات، عمدہ چشموں، نہروں اور پیداوار کی کثرت کی وجہ سے یہ خطہء زمین دیگر خطوں سے ممتاز ہے، یہ تاریخی مسجد ارضِ فلسطین شہر ’’قدس‘‘ (یروشلم) میں واقع ہے، جو ۱۳۸۷ھ م ۱۹۶۷ء سے غاصب یہودیوں کے قبضے میں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اِس کو یہود کے ناپاک قبضے سے آزاد فرمائے اور اہل فلسطین کی قربانیوں کو قبول فرمائے۔

مسجد اقصی کی شان وعظمت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○ ۔ (الاسراء:۱)

وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصی تک جس کے آس پاس ہم نے (دینی ودنیوی برکتیں) رکھی ہیں لے گیا؛ تاکہ ہم ان کو کچھ قدرت کے عجائبات دکھلاویں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے اور بڑے دیکھنے والے ہیں۔ (معارف القرآن ۵/۴۲۵)

ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں مسجد اقصی لے جایا گیا، آپ علیہ السلام نے اپنے براق کو دروازے کے قریب باندھا اور مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت تحیۃ المسجد نماز ادا فرمائی اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات

فرمائی، پھر زینے سے ساتوں آسمان پر تشریف لے گئے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: دنیا کی سب سے پہلی مسجد کونسی ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: مسجد حرام، پھر میں نے عرض کیا: اس کے بعد کونسی مسجد ہے؟ آپ نے فرمایا: مسجد اقصی، میں نے عرض کیا: ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ آپ نے فرمایا: چالیس سال کا، پھر آپ نے فرمایا: (مسجدوں کی ترتیب یہی ہے؛ لیکن) اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے، جس جگہ نماز کا وقت آجائے، وہیں نماز ادا کرلیا کرو۔ (متفق علیہ، بخاری ۱/۴۷۷ رقم: ۳۳۶۶)

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث پر مفصل کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد اقصی کے موسس و بانی نہ ہوں؛ بلکہ آپ سے پہلے کسی نے اس کی بنیاد ڈالی ہو اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تجدید، از سر نو تعمیر اور تزئین فرمائی ہو، یہی رائے حافظ ابن جوزیؒ اور علامہ قرطبیؒ کی بھی ہے۔
(فتح الباری ۶/۵۰۴)

مسجد اقصی میں نماز کا اجر وثواب

مسجد اقصی میں نماز پڑھنے کا ثواب بھی زیادہ ہے، حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت کے مطابق ایک نماز کا ثواب پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔
(مجمع الزوائد، قال الہیثمی: ھذا حدیث حسن: ۵۸۷۳)

حضرت میمونہؓ کی روایت کے مطابق ایک نماز کا ثواب ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ (مجمع الزوائد: ۵۸۷۲، قال الہیثمی: رجالہ ثقات)

ایک روایت کے مطابق بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا ثواب پچیس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ (رواہ ابن ماجہ باسناد ضعیف، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی المسجد الجامع: ۱۴۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصی کی تعمیر مکمل فرمائی، تو تین دعائیں کیں، پہلی

دعا: اے اللہ مجھے اس طرح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرما جو تیرے منشاء کے موافق ہو، یہ دعا قبول ہوئی۔

اے اللہ! مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو، یہ دعا بھی قبول کی گئی۔

تیسری دعا: اے اللہ! جو شخص مسجد اقصی صرف نماز پڑھنے کے لیے حاضر ہو، اس کو گناہوں سے اس طرح معاف وصاف کر دیجئے جیسے اس کی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن گناہوں سے پاک وصاف تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابتدائی دو دعائیں قبول ہو گئیں، (اللہ کے فضل وکرم اور حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی عظمت کی وجہ سے) امید کہ تیسری دعا بھی قبول ہو جائے۔

(رواہ النسائی، فضل المسجد الاقصی والصلاۃ فیہ: ۶۹۳، وابن ماجہ، باب ماجاء فی الصلوۃ فی مسجد بیت المقدس: ۱۴۰۸)

حضرت میمونہؓ آپ کی آزاد کردہ باندی سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں بتائیے، آپ نے فرمایا:

ائتوہ، فصلوا فیہ، فان لم تاتوہ، تصلوا فیہ، فابعثوا بزیت یسرج فی قنادیلہ. (رواہ ابوداؤد، باب فی السرج فی المسجد: ۴۵۷)

بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھا کرو، اگر وہاں پہنچ کر نماز نہ پڑھ سکو، تو اس کی قندیلوں میں جلنے کے لیے تیل بھیجا کرو۔

مسجد اقصی سے عمرہ کرنے کا ثواب

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: آپ نے فرمایا:

من أھل بحج او عمرۃ من المسجد الاقصی الی المسجد الحرام،

غفر له ماتقدم من ذنبه، وماتاخر او وجبت له الجنة.

(ابوداؤد کتاب المناسک ۱/ ۲۴۳ رقم: ۱۷۴۱)

جو آدمی مسجد اقصی سے مسجد حرام تک حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آئے، اللہ تعالیٰ اس کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا: اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (روای کو شک ہے کہ گناہوں کی معاف کی بشارت ہے، یا جنت کے واجب ہونے کی بشارت سنائی گئی ہے)

ارضِ شام ارض محشر

ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں:

ارضِ شام ہی میں مسجد اقصی ہے، یہیں انبیائے بنی اسرائیل کی بعثت ہوئی، اسی کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی، اسی کی طرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ وقت شب سفر کرایا گیا، یہیں سے آپ کی معراج ہوئی، یہیں آپ کی سلطنت برپا ہوگی، آپ کے دین و کتاب کا دار و مدار ہوگا، یہیں آپ کی امت کی جماعتِ منصورہ پائی جائے گی اور یہیں محشر و معاد روبہ عمل آئے گا۔

جیسا کہ مکہ جائے ابتدا ہے کہ وہ ام القری ہے، اسی کے نیچے سے زمین کو پھیلایا گیا، جب کہ لوگوں کا حشر، ارضِ شام میں ہوگا، چناں چہ ارشاد باری ہے: لاول الحشر جس سے حشر ثانی کی غمازی ہوتی ہے، لہٰذا مکہ جائے آغاز اور ایلیا (بیت المقدس) خلق و امر دونوں حوالوں سے جائے انجام و معاد ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ایلیا (بیت المقدس) کا سفر کرایا گیا، مکہ ہی میں آپ کی بعثت ہوئی اور آپ کے دین کا ظہور ہوا؛ لیکن مہدی سلطنت کے بپا ہونے تک آپ کے دین کا عروج و ظہور اور اس کی تکمیل ملک شام ہی میں ہوگی، تو خلق و امر کے تعلق سے مکہ اول اور ملک شام آخر ہے اور یہ تکوینی و دینی حقائق کی باتیں ہیں۔ (فلسطین کسی صلاح الدین کے انتظار میں، مولانا نور عالم خلیل امینی رحمہ اللہ بحوالہ فتاوی ابن تیمیہ: ۲۶)

مسجد قبا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفرِ ہجرت کے دوران ''قبا'' بستی میں مختصر قیام فرما کر اِس مسجد کی بنیاد ڈالی، یہی وہ مسجد ہے جس کے شان میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾. (التوبۃ:١٠٨)

جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقوی (اور اخلاص) پر رکھی گئی ہے (مراد مسجد قبا ہے) وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لیے) کھڑے ہوں (چناں چہ گاہِ بگاہ آپ وہاں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے) اس میں (ایسے اچھے) آدمی ہیں کہ جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (معارف القرآن ۴/۴٦٠)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل اور سوار ہوکر ہر ہفتے کے دن مسجد قبا تشریف لے جاتے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے، حضرت ابن عمرؓ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(بخاری، کتاب التہجد: ١١٩٣)

حضرت اسید بن حضیرؓ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الصلوۃ فی مسجد قبا کعمرۃ. (رواہ الترمذی ۱/۷۴، رقم: ۳۲۴)

مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا ثواب عمرے کے برابر ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

اِس حدیث میں نسبت کا بیان ہے، یعنی جیسے حج کا ثواب زیادہ اور عمرے کا ثواب کم ہوتا ہے، اسی طریقے سے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ اور مسجد قبا میں نماز پڑھنے کا ثواب کم ہے۔ (العرف الشذی علی ھامش الترمذی ۱/۷۸)

اللہ کے گھروں کی خدمت اور حضرات انبیاء وصحابہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے روئے زمین پر انسانوں کی آبادی اور انسانوں کے لیے گھروں کی تعمیر سے پہلے اپنی عبادت کے لیے ”مکہ مکرمہ“ میں اپنا گھر کعبہ و بیت اللہ کو فرشتوں، یا حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر کروایا۔

طوفانِ نوح میں اس کے نشانات مٹ چکے تھے اور اس گھر کو تا قیامِ قیامت عبادت کرنے والوں کے ذریعے آباد کرنے کا اردہ فرمایا، تو اللہ تعالیٰ نے ابوالانبیاء سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ہدایت دی اور ان حضرات نے ”کعبۃ اللہ“ کو اپنے ہاتھوں سے تعمیر فرمایا، مٹی اور پتھر لانا اور گارا تیار کرنے کا کام حضرت اسماعیل علیہ السلام انجام دیتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دستِ مبارک سے پتھر کو گارے سے جوڑ کر تعمیر مکمل کرتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ”مسجد اقصیٰ“ کی تعمیر میں صرف فرمایا، اس کی تعمیر میں انسانی وجناتی قوتوں کا استعمال فرمایا۔

مسجد کی تعمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنفس نفیس شرکت

اسلام سے پہلے آپ علیہ السلام کے بچپن میں قریشِ مکہ نے کعبۃ اللہ کی ازسرنو تعمیر کی، آپ علیہ السلام اس تعمیر میں شریک تھے، لوگ پتھر اٹھا کر لاتے تھے، آپ علیہ السلام بھی لوگوں کے ساتھ بالخصوص حضرت عباسؓ کے ساتھ کعبۃ اللہ کی تعمیر کے لیے پتھر اٹھا کر لایا کرتے تھے۔ (المستدرک للحاکم: ۷۳۵۷، قال الذھبی: صحیح)

اس تعمیر کے موقع پر قریشِ مکہ کے درمیان ایک گھمسان کی لڑائی کا امکان پیدا ہو گیا تھا، اس لیے کہ کعبۃ اللہ کی تعمیر چل رہی ہے اور حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کا وقت آ گیا ہے، مکہ کے ہر خاندان اور قبیلے کی خواہش ہے کہ حجر اسود کو اس کی جگہ میں رکھنے کی سعادت حاصل کرے، لوگ اس کے لیے خون کے پیالوں میں ہاتھ ڈال کر قسمیں بھی کھا

چکے تھے، ایسے موقع پر (ابوامیہ بن مغیرہ جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا) رائے دی کہ ”کل صبح سب سے پہلے جو شخص کعبۃ اللہ میں داخل ہو، اُس شخص کو یہ سعادت حاصل ہونی چاہئے، سب نے اس رائے کو قبول کرلیا۔ (سیرۃ النبی ۱/۱۱۶)

کرشمہء ربانی کہ صبح سویرے سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس ہستی پر پڑیں، وہ جمالِ جہاں تاب، آپ علیہ السلام کا نورانی چہرہ تھا، آپ علیہ السلام باب بنی شیبہ سے داخل ہورہے تھے؛ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سعادت کو تنہا حاصل کرنا پسند نہیں فرمایا؛ بلکہ تمام قبائل جو اس کے دعوے دار تھے، ان میں سے ہرایک خاندان سے ایک ایک سردار کو منتخب فرمایا اور ایک چادر میں حجر اسود کو رکھا، پھر آپ علیہ السلام نے ان سرداروں سے فرمایا: اس چادر کو پکڑ کر اٹھاؤ، جب چادر حجر اسود نصب کرنے کی جگہ کے قریب ہوگئی، تو آپ علیہ السلام نے حجر اسود کو اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر اس کی جگہ میں نصب فرمادیا۔ (المستدرک ۱۶۸۴، مسند طیالسی: ۱۱۵)

اس طرح آپ علیہ السلام کی حکمتِ بالغہ وتدبیر کاملہ سے قریش کو ایک بھیانک جنگ سے نجات ملی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”مکہ مکرمہ“ سے ہجرت فرماکر ”مدینہ منورہ“ تشریف لے آئے، تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی فکر فرمائی، ”قبا“ کی بستی میں ”مسجد قبا“ کی بنیاد رکھی اور ”مدینہ منورہ“ میں دو یتیم بچوں کی زمین خریدی، اُس زمین پر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، مسجد کی تعمیر حضرات صحابہؓ اور آپ علیہ الصلوۃ السلام نے اپنے ہاتھوں سے کی، حضرات صحابہ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اللھم لاخیر إلاخیر الآخرۃ فانصر الانصار والمھاجرۃ

اے اللہ! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے، اے اللہ! انصار ومہاجرین کی مدد فرما، ایک روایت میں ہے، انصار ومہاجرین کی مغفرت فرما۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملاتے تھے۔

(مسلم، باب بناء المسجد ۱/۲۰۰: ۵۲۴)

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں:

ہم لوگ مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر ایک ایک پتھر لے آ رہے تھے، حضرت عمارؓ دو دو پتھر لا رہے تھے، معمر بن راشدؒ کی روایت میں ہے کہ ایک اپنی طرف سے دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ کو دیکھا کہ ان کا سر غبار آلود ہے، تو آپ علیہ السلام ان کے سر کو صاف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: عمار! تمہارا بھلا ہو، تمہیں باغی جماعت شہید کرے گی۔

(بخاری، کتاب الجہاد ۱/ ۳۹۴، رقم: ۲۸۱۲)

مستدرک اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمار! تم اپنے ساتھیوں کی طرح ایک ایک پتھر کیوں نہیں لاتے؟ عرض کیا، یا رسول اللہ! زیادہ اجر وثواب حاصل کرنے کے لیے کر رہا ہوں۔ (مستدرک: ۲۸۵۳)

مذکورہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام مسجد کی خدمت کرنے والوں کے ساتھ شریک ہیں اور ان کی ہمت افزائی، محبت کا اظہار، اکرام کا معاملہ اور ان کو دنیا وآخرت کی دعاؤں سے نواز رہے ہیں۔

لہٰذا ہم کو بھی چاہئے کہ ہم مسجد کی خدمت میں براہِ راست اپنی طاقت بھر چھوٹی بڑی جانی، مالی، قولی وفعلی خدمت میں حصہ لے کر دارین کی سعادت حاصل کریں اور مساجد کی خدمت کرنے والوں کے ساتھ محبت، اکرام اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آئیں۔

اس لیے کہ اللہ کے گھروں کی خدمت حضرات انبیاء، ہمارے جدامجد ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم، ہمارے آقا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات انبیاء کے بعد روئے زمین پر سب سے برگزیدہ جماعت جماعت صحابہ نے بنفس نفیس کی ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' میں ایک باب قائم فرمایا ''باب الخدم فی المسجد''، اس کے تحت اِنی نذرت لک مافی بطنی محررا کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل فرمایا ہے کہ اے اللہ! میں نے اپنے پیٹ میں جو بچہ ہے، اس کو تیرے گھر کے لیے آزاد یعنی خادم بنانے کی نذر کی ہے۔ (بخاری ۱/ ۶۵)

علامہ عینیؒ شارح بخاری فرماتے ہیں:

حضرت مریم کی والدہ حضرت حنہؒ نے یہ نذر مانی، اگر مسجد کی خدمت انتہائی عظمت، احترام اور عبادت کی چیز نہ ہوتی، تو یہ نذر صحیح نہ ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی خدمت نہایت عظیم عبادت ہے، نیز سابقہ امتوں میں مسجد کی خدمت کے لیے نذر ماننا بھی صحیح تھا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مقامِ مدح میں بیان فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ۳/۵۰۹)

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد قبا تشریف گئے، دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: اے اوفی! کھجور کی چھڑی لے آؤ، جب اوفی کھجور کی چھڑی لے آئے، تو اس لکڑی میں اپنے کپڑے کو لپیٹا اور جھاڑو کی طرح بنا کر مسجد کی صفائی فرمائی۔ (فتح الباری لابن رجب، باب کنس المسجد ۳/۳۵۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک حبشی عورت ام محجنؓ مسجد کی خدمت کیا کرتی تھیں، مسجد کا کوڑا کرکٹ تنکے وغیرہ صاف کیا کرتی تھیں، چند دن وہ نظر نہیں آئیں، آپ علیہ السلام نے دریافت فرمایا: وہ عورت کہاں ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس عورت کا انتقال ہوگیا اور ہم نے اُس عورت کو دفن بھی کر دیا، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگوں نے مجھے اس کی وفات کی خبر کیوں نہیں دی؟ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! رات کا وقت تھا، اس وجہ سے ہم نے آپ کو تکلیف دینا پسند نہیں کیا، آپ علیہ االسلام نے فرمایا: مجھے اس عورت کی قبر بتاؤ، جب حضرات صحابہؓ نے مسجد کی خادمہ کی قبر بتائی، تو آپ علیہ السلام نے اس عورت کی قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (بخاری: ۱/۶۵ رقم: ۴۵۸)

اس حدیث سے ہم اندازلگا سکتے ہیں کہ آپ علیہ السلام مسجد کی خدمت کرنے والوں سے کس قدر محبت فرماتے تھے، ان کی خبر گیری فرماتے تھے اور علماء نے فرمایا: مسجد کی خدمت ہی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت کی قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائی اور اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔

خادمینِ مسجد کے لیے کچھ ضروری باتیں

اخلاص

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝١٨ .

(التوبۃ:۱۸)

مساجد کی تعمیر صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، صرف اللہ سے ڈرتے ہیں، امید کہ یہ لوگ ہدایت پالیں۔

علماء نے فرمایا:

مسجد کی ظاہری تعمیر، یعنی مسجد کے لیے زمین وقف کرنا، تعمیری اشیاء فراہم کرنا، اس کی تعمیر کرنا، مسجد کی ضریات کی تکمیل کرنا اور مسجد کی مرمت کرنا، یہ سب ظاہری تعمیر میں داخل ہے۔

مسجد کی معنوی تعمیر: نماز، ذکر، تلاوت اور حصول علم وغیرہ اعمال کے ذریعے مسجد کو آباد کرنا، مسجد کی آبادی کے لیے لوگوں کو ایمان اور نماز کی دعوت دینا؛ تاکہ لوگ مسجد میں حاضر ہو کر اللہ کی عبادت کریں، یہ بھی مسجد کی تعمیر ہے۔

مسجد کی حفاظت کرنا، اس کی پاکی صفائی کرنا، اس کی ضرویات کی تکمیل کرنا، مسجد کے انتظام کو سنبھالنا، امامت کرنا، اذان دینا؛ یہ امور بھی مسجد کی آبادی وتعمیر میں داخل ہیں اور مذکورہ آیت کے مفہوم میں شامل ہیں۔ (مستفاد: از معارف القرآن ۴/ ۳۲۹)

بہر حال مسجد کی آبادی مذکورہ تینوں اعتبار سے بہت بڑی عبادت اور مؤمن کی پہچان ہے؛ لیکن عبادت اگر ریا کاری، شہرت یا محض اجرت کے لیے ہو، تو اللہ کے نزیک

ہمارے اِن اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔

سب سے پہلی بات جو خادمینِ مسجد کے لیے ضروری ہے، وہ یہ کہ مسجد کی خدمت کے ذریعے اللہ کی رضامندی وخوشنودی کی نیت کی جائے، ریا کاری، شہرت اور احسان جتلانے کی خاطر ہرگز نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَ یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ذٰلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ ۝۵ . (البینۃ: ۵)

ان کو یہی حکم ہوا کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی راہ پر خالص اللہ ہی کی بندگی کریں، نماز کو قائم کریں اور زکوۃ دیں، یہی ہے مضبوط لوگوں کا راستہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل إمرإ ما نوى.

(رواہ البخاری عن عمر بن الخطاب، باب کیف کان بدأ الوحی: ۱)

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إنما يعطى الرجل على قدر نيته.

ہر شخص کو اس کی نیت کے بقدر دیا جاتا ہے۔

اور ایک روایت میں مروی ہے:

إنما يعطى الناس على قدر نياتهم.

لوگوں کو ان کی نیتوں کے بقدر دیا جاتا ہے۔

(حاملین قرآن ترجمہ التبیان فی آداب حملۃ القرآن للنووی: ۳۶)

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

اخلاص کی تین علامتیں ہیں، عام لوگوں کی تعریف وتنقیص عمل کرنے والے کے

نزدیک برابر ہوں (۲) اعمال میں دیکھنے کے عمل کو بھول جانا (کتنا کیا، کیا کیا، عمل کرے اور چھوڑ دے) (۳) عمل کا ثواب آخرت میں طلب کرنا۔ (حاملین قرآن ترجمہ التبیان: ۳۶)

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

> **ترك العمل لأجل الناس رياء، والعمل لأجل الناس شرك، والإخلاص أن يعافيك الله منهما.** (حاملین قرآن ترجمہ التبیان فی آداب حملۃ القرآن: ۳۶)

لوگوں کی وجہ سے عمل کو چھوڑنا ریاکاری ہے، لوگوں کے لیے (دکھانے کے لیے) عمل کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں سے محفوظ رکھے۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہم جس حیثیت سے بھی خدمت کریں: انتظامی ذمہ داری، امامت کی ذمہ داری، اذان دینے کی ذمہ داری، مسجد کی صفائی کی ذمہ داری، یا مالی اعتبار سے ہم مسجد کی خدمت کررہے ہوں، ہم میں سے ہر ایک کے لیے اپنی نیت کی اصلاح کرنی ضروری ہے کہ ہم ان خدمات سے اللہ کی خوشنودی ورضامندی طلب کریں، اگر ہم اپنی معاشی کمزوری کی وجہ سے اگرچہ خدمت کے بدلے کچھ معاوضہ لیں؛ لیکن ہماری نیت مسجد کی آبادی کی ہو، تو۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہم اجر جزیل اور انعام عظیم پائیں گے، ورنہ ہماری یہ خدمات اگرچہ دنیا میں کچھ فائدہ دے دیں؛ لیکن آخرت میں بے فائدہ ہوں گی۔

مصلیوں کے ساتھ حسن سلوک

خادمین مسجد (متولی، امام، مؤذن وغیرہ) کے لیے ضروری ہے کہ وہ وسیع الظرف ہوں، خوش اخلاق ہوں، اگر کسی مصلی سے بے اصولی ہوجائے، تو اس پر غصہ نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ اس کو محبت سے سمجھانا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

ایک دیہاتی مسجد میں آیا، اُس نے مسجد ہی میں پیشاب کرنا شروع کردیا، لوگ تیزی سے اس کی طرف لپکے؛ تاکہ اس کو پیشاب کرنے سے روکیں، برا بھلا کہیں، آپ

علیہ السلام نے حضرات صحابہ سے فرمایا: اس کو چھوڑ و، پیشاب کو روکنے پر مجبور نہ کرو (اس لیے کہ بعض اوقات پیشاب کو روکنے سے زیادہ نقصان ہو جاتا ہے) جب وہ دیہاتی پیشاب سے فارغ ہوا، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس کے پیشاب کرنے کی جگہ پر ایک ڈول پانی بہادو اور حضرات صحابہؓ سے فرمایا:

انما بعثتم میسرین، ولم تبعثوا معسرین. (بخاری:۶۱۲۸، ۲/۹۰۵)

تم کو آسانی وسہولت پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے، تم کو لوگوں کے لیے تنگی اور پریشانی میں مبتلا کرنے والا بنا کر بھیجا نہیں گیا ہے۔

حضرت معاویہ بن حکمؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں:

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا، ایک مقتدی کو چھینک آ گئی، (چوں کہ میں چند دن پہلے ہی اسلام قبول کیا تھا، مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ نماز میں چھینک کا جواب دینا درست نہیں ہے) میں نے یرحمک اللہ کہا، دیگر مقتدی میری طرف گھور گھور کر دیکھنے لگے، میں نے کہا: تمہاری ماں تم پر روئے۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ میری طرف گھور گھور کر دیکھ رہو، ان حضرات نے اپنی رانوں پر ہاتھوں کو مارا، تو میں نے سمجھا کہ یہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں، تو میں خاموش ہو گیا، آپ علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے۔ فداہ ابی وامی۔

مارأيت معلمًا قبله، ولا بعده أحسن تعليمًا منه.

میں نے آپ جیسا معلم نہ آپ سے پہلے دیکھا، نہ آپ کے بعد، بہترین تعلیم دینے والے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فوالله ما كهرني، ولا ضربني، ولا شتمني، قال: إن هذه الصلوة لا يصلح فيها شئ من كلام الناس، إنما هي التسبيح، والتكبير، وقراءة القرآن. (رواہ مسلم:۵۳۷، ۱/۲۰۳)

خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہ ڈانٹا، نہ مارا، نہ ہی برا بھلا کہا، بس ارشاد

فرمایا: نماز میں لوگوں کی بات چیت کی بالکل گنجائش نہیں ہے، نماز میں تو صرف تسبیح، تکبیر اور قراءتِ قرآن کی گنجائش ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام نے مسجد میں بے اصولی کرنے والوں کے ساتھ نصیحت وفہمائش کے ساتھ کیسی شفقت، مہربانی اور حسن اخلاق کا مظاہر فرمایا اور حضرات صحابہ کو بھی تعلیم دی کہ لوگوں کے ساتھ نرمی اور حسن اخلاق کا معاملہ کرو۔

لہٰذا خادمینِ مسجد (متولی، امام، مؤذن یا عام خادم) کو سوچنا چاہئے کہ جب کوئی مسجد میں بے اصولی کرتا ہے، مثلاً برقی پنکھا چلادیا، لائٹ جلادی، کوئی دروازہ کھول دیا، یا مؤذن کی مخصوص جگہ پر کوئی کھڑا ہوجائے، تو ان لوگوں کے ساتھ ہمارا کیسا رویہ ہوتا ہے؟ اگر کوئی استنجا خانے، یا وضو خانے میں مصروف ہو، تو ہم اس کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں؟

لہٰذا کسی آدمی سے مسجد میں کوئی بے اصولی ہوجائے، تو اُس کو نرمی وشفقت سے سمجھانا چاہئے، اپنی بداخلاقی کا مظاہر نہیں کرنا چاہئے، نیز خدامِ مسجد کو بھی آپس میں ایک دوسرا کا ادب واحترام اور شفقت ومہربانی کا معاملہ کرنا چاہئے۔

بعض مرتبہ ذمہ دارنِ مساجد وخادمینِ مساجد کے تلخ رویہ کی وجہ سے مصلی حضرات مسجد کو آنا بند کردیتے ہیں، دیگر مساجد کا رخ کرتے ہیں، یا گھروں میں جماعت کے بغیر نماز پڑھتے ہیں، گویا ہم نے اپنی بداخلاقی سے لوگوں کو مسجد آنے سے روکا اور ہماری وجہ سے مسجد کی آبادی متاثر ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ. (البقرۃ: ۱۱۴)

اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے؟ جو لوگوں کو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکے اور مسجدں کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی نادانی اور بداخلاقی کی بنا پر اس آیت کی وعید میں شامل ہوجائیں۔

ذمہ دارانِ مساجد کے اوصاف اور شرائط

مسجد خدا کا گھر ہے، اس کا مالک صرف اللہ ہے، اس کی ملکیت میں بندوں کا کسی طرح کا کوئی دخل نہیں ہے؛ لیکن وقف کی حفاظت، اس کا انتظام اور اس کی ترقی کے لیے افراد کا ہونا ضروری ہے، جن کو شریعت میں ناظر، متولی اور ذمہ دار کہا جاتا ہے، مسجد اور دیگر اوقاف کے ذمہ داروں کی شرائط کو فقہائے کرام نے بالتفصیل بیان فرمایا ہے جو درجہ ذیل ہیں۔

ذمہ دارانِ مساجد کی شرائط

(۱) مسجد کے متولی اور ذمہ دار مسلمان ہوں۔

(۲) عادل ہوں۔

یعنی اچھی باتوں پر عمل کرتے ہوں اور بری باتوں سے پرہیز کرتے ہوں۔

(۳) قدرت رکھنے والے ہوں۔

یعنی جس چیز کی ذمہ داری ان کو سونپی جائے، اس کو بحسن و خوبی انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

(۴) امانت دار ہوں۔

(۵) اوقاف (مسجد وغیرہ) اور مصالح اوقاف سے واقف ہوں۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۳۶۵، فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۴۸)

لہٰذا مسجد کی تولیت اور ذمہ داری کے لیے دین دار، امانت دار اور اوقاف سے متعلق ضروری علم رکھنے والے باصلاحیت مسلم افراد کا انتخاب ہونا چاہئے، بے ایمان، دین سے بے زار، خیانت کرنے والے اور اوقاف کے متعلق ضروری معلومات بھی نہ رکھنے والے اور اوقاف سے دلچسپی نہ رکھنے والے مسجد کے ذمہ دار بننے کے اہل نہیں ہوں گے۔

(مستفاد از فتاوی محمودیہ ادارہ صدیق ۱۴/ ۳۴۸)

ذمہ دارانِ مساجد کی ذمہ داریاں

حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:

(۱) مسجد کی آبادی اور تمام ضروریات کا انتظام کرنا۔

(مسجد کی ظاہری و معنوی آبادی کی فکر و سعی)

(۲) حساب و کتاب صاف رکھنا۔

(۳) مسجد میں غلط کام (احترام مسجد کے خلاف کسی بھی کام کو) ہونے نہ دینا۔

(۴) نمازیوں، ائمہ، مؤذنین اور دیگر خادمین کی حسبِ سہولت مسجد سے متعلق تکالیف کو رفع کرنا۔

(۵) ہر شخص کا اس کی شان کے موافق اکرام کرنا۔

(۶) اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا۔

(۷) عہدے کا طالب نہ ہونا۔

(۸) احکامِ شرع کے تحت اپنی اصلاح میں لگے رہنا۔

یہ اوصاف جس متولی میں ہوں، وہ قابلِ قدر ہے، اس کو علاحدہ نہ کیا جائے، جس متولی میں یہ اوصاف نہ ہوں، وہ ان اوصاف کو حاصل کرنے کی سعی کرے۔

(فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۴۲، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۰/ ۳۶۶)

مسجد کا متولی بننے کا حق دار کون؟

(۱) مسجد کا متولی خود بانئ مسجد اور اس کے خاندانی افراد ہیں جب کہ وہ اس ذمہ داری کے اہل ہوں، وہ مسجد کے متولی بن سکتے ہیں، بانئ مسجد کی وفات کی بعد بانئ مسجد کے خاندان میں جب تک متولی بننے کے لائق افراد موجود ہیں، تو وہ دوسروں کی بنسبت مسجد کی تولیت کے زیادہ حق دار ہیں۔

علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

جعل الواقف الولایة لنفسه، جاز بالاجماع.

(الدر المختار مع رد المحتار ۶/ ۶۳۳)

لا یجعل القیم فیه من الاجانب ما وجد فی ولد الواقف و أهل بیته من یصلح لذالك، فان لم یجدمنهم من یصلح لذالك، فجعله الی اجنبی، ثم صار فیهم من یصلح له، صرفه الیه، ومفاده تقدیم اولاد الواقف، وان لم یکن الوقف علیهم بان کان علی المسجد او غیره.

(ردالمحتار ۶/ ۶۳۴)

واقف وقف کی تولیت و ذمہ داری خود اپنے ذمہ لے لے، تو بالاجماع درست ہے، جب تک واقف کی اولاد اور خاندان میں کوئی قابل شخص ہو، تو وہ زیادہ حق دار ہے، اگر واقف کی اولاد و خاندان میں کوئی قابل و لائق شخص موجود نہیں تھا، جس کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کو متولی اور ذمہ دار بنا دیا گیا، پھر ایک عرصے کے بعد واقف کے خاندان میں وقف کی ذمہ داری کے لائق شخص تیار ہو جائے، تو وہ شخص وقف کی ذمہ داری و تولیت کا زیادہ حق دار ہوگا۔

(۲) بانیٔ مسجد جس کو متولی مقرر کرے، یا اپنی زندگی کے بعد تولیت کی ذمہ داری کی وصیت جس کے حق میں کرے، وہ بھی متولی بننے کا زیادہ حق دار ہے۔

الولایة للواقف ثابتة مدة حیاته، وان لم یشترطها. (ردالمحتار ۶/ ۶۳۳)

(۳) متولی مقرر کرنے کی ذمہ داری خود واقف کی ہے، اگر واقف مقرر نہ کرے، اسلامی حکومت قائم ہو، تو متولی مقرر کرنے کی ذمہ داری قاضیٔ شریعت کی ہے، نیز اہل محلے کے دین دار اور اربابِ حل وعقد جس کو طے کریں، وہ بھی مسجد کی تولیت کی ذمہ داری کا اہل ہوگا۔

ذمہ دارانِ مسجد کے اختیارات

جو کام مصالحِ وقف کے موافق اور احکامِ شرع کے مطابق ہوں، متولی کر سکتا ہے؛ جو (کام شریعت، یا احترامِ مسجد کے) کے خلاف ہوں، اس پر لوگوں کو اعتراض کا حق ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۴۳)

لہٰذا متولی مصالحِ مسجد کی ترقی، اس کی مرمت، مسجد کے لیے ضروری سامان کی

خریداری، حسبِ ضرورت امام، مؤذن اور خادمینِ مسجد کا تقرر کرسکتا ہے۔

يتصرف القيم في الوقف بمافيه من النفع للوقف.

(تنقیح الفتاوی الحامدیہ بحوالہ حاشیہ فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۴۲)

ذمہ داران کو کب معزول کیا جائے گا

مصالحِ وقف کی رعایت نہ کرنے اور خلافِ شرع عمل کرنے کی وجہ سے متولی مستحقِ عزل ہوتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۴۳)

اذاتصرف بمالايجوز كان خائنا، يستحق العزل. (البحرالرائق ۵/ ۳۹۲)

جو متولی مسجد کا انتظام سنبھال نہ سکتا ہو، اشیائے مسجد کی حفاظت نہ کرسکتا ہو، یا اشیائے مسجد کا غلط استعمال کرنے لگے، یا فسق وفجور میں مبتلا ہوجائے، ایسے متولی کو معزول کردیا جائے گا۔

واقف یا قاضیٔ شریعت ذمہ دارانِ مسجد کو معزول کرسکتے ہیں؛ لیکن جب ذمہ دارانِ مساجد سے فسق مثلاً: شراب نوشی، جوابازی، سودخوری، رشوت خوری، یا اموالِ مسجد اور اوقاف میں خیانت ثابت ہوجائے، یا مصالحِ وقف کی رعایت نہ کرسکیں، یا اموالِ وقف کا بے جا استعمال کرنے لگیں، تو ایسے متولی وذمہ دار کو خواہ واقف ہو، یا واقف کے خاندان کے افراد ہی متولی بن کر ایسی حرکتیں کریں، تو انہیں بھی فوراً مسجد اور اوقاف کی تولیت سے معزول کرنا واقف یا اہل محلے کے دین دار اور اربابِ حل وعقد پر لازم ہے۔

يجب على القاضي عزل الناظر سواء كان هو الواقف او غير الواقف اذا كان خائنا غير مامون، او عاجزا، او ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه، او كان يصرف ماله في غير المفيد. (الفقہ الاسلامی ۱۰/ ۳۷۰)

اگر کوئی بھی واقف مصالحِ وقف کے خلاف کرے، اوقاف کو نقصان پہنچائے، قابل

اطمینان و نا قابل اعتبار ہو، تو اس کو قاضی موجودہ زمانے میں کمیٹی اور محلے کے ذمہ داران اس خائن کو متولی کے عہدے سے ہٹا دیں گے۔

الواقف شرط الولاية لنفسه، وكان الواقف غير مامون على الوقف، فللقاضي ان ينزعها من يده، كذا في الهداية.

(الفتاوی الهندية، الباب الخامس ولاية الوقف ۲/ ۴۰۹)

* * *

اموالِ مسجد کی حفاظت

وَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَ مَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ . (آل عمران:۱۶۱)

جو شخص خیانت کرے گا، وہ اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن (میدان حشر میں) حاضر کرے گا (؛ تا کہ سب خلائق مطلع ہوں اور سب کے روبرو فضیحت اور رسوائی ہو) پھر ہر شخص کو (ان خائنوں میں سے) اس کے کئے کی (دوزخ میں) پوری سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ (خلاصہ تفسیر از معارف القرآن ۲/۲۳۰)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

لفظ ”غلول“، مطلق خیانت کے معنی بھی استعمال ہوتا ہے اور خاص کر مالِ غنیمت کی خیانت کے لیے بھی، مالِ غنیمت میں چوری اور خیانت کا جرم عام چوریوں اور خیانتوں سے زیادہ اشد ہے؛ کیوں کہ مالِ غنیمت پورے لشکرِ اسلام کا ہوتا ہے، جس نے اس میں چوری کی، اس نے سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی چوری کی، اگر کسی وقت اس کو تلافی کا خیال بھی آوے، تو بہت مشکل ہے کہ سب کو ان کا حق پہنچائے، یا معاف کرائے، بخلاف دوسری چوریوں کے کہ مال کا مالک معلوم و متعین ہے، کسی وقت اللہ نے توبہ کی توفیق دی، تو اس کا حق ادا کر کے، یا معاف کرا کر بری ہو سکتا ہے۔۔۔ اسی لیے غلول کی سزا بھی عام چوریوں سے زیادہ اشد ہے کہ میدانِ حشر میں جہاں ساری مخلوق جمع ہوگی، سب کے سامنے اس کو اس طرح رسوا کیا جائے گا کہ جو مال چوری کیا تھا، وہ اس کی گردن پر لدا ہوا ہوگا۔

صحیحین میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مذکورہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو ایسا نہ ہو کہ قیامت میں کسی کو اس طرح دیکھوں کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ

لدا ہوا ہو (اور یہ اعلان ہوتا ہو کہ اس نے مالِ غنیمت کا اونٹ چرایا تھا) وہ شخص اگر مجھ سے شفاعت کا طالب ہوگا، تو میں اس کو صاف جواب دے دوں گا کہ میں حکمِ الٰہی پہنچا دیا تھا، اب میں کچھ نہیں کرسکتا۔ (خلاصہ حدیث، بخاری، کتاب الجہاد، باب الغلول: ۳۰۷۳)

مالِ وقف اور سرکاری خزانے میں چوری بحکم غلول

یہی حال مساجد، مدارس، خانقاہوں اور اوقاف کے اموال کا ہے جس میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا چندہ ہوتا ہے، اگر معاف بھی کرائے، تو کس کس سے معاف کرائے، اسی طرح حکومت کے سرکاری خزانے (بیت المال) کا حکم ہے؛ کیوں کہ اس میں پورے ملک کے باشندوں کا حق ہے، جو اس میں چوری کرے، اس نے سب کی چوری کی؛ مگر چوں کہ یہی اموال عمومًا ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا، نگرانی کرنے والے بے پرواہی کرتے ہیں، چوری کے مواقع بکثرت ہوتے ہیں، اس لیے آج کل دنیا میں سب سے زیادہ چوری اور خیانت ان ہی اموال میں ہو رہی ہے اور لوگ اس کے انجامِ بد اور وبالِ عظیم سے غافل ہیں کہ اس جرم کی سزا، علاوہ عذابِ جہنم کے، میدان حشر کی رسوائی بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ کی شفاعت سے محرومی بھی (نعوذ باللہ منہ)’’

(معارف القرآن ۲/ ۲۳۲)

مذکورہ آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہم کو اوقاف بالخصوص مساجد و مدارس کے اموال واشیاء میں کس قدر احتیاط برتنے کی ضرورت ہے اور ان کی حفاظت کس قدر ضروری ہے؟ اگر ہم بے احتیاطی، یا خیانت کریں، یا کسی کو بے احتیاطی وخیانت کرتے ہوئے پائیں اور اس کی گرفت نہ کریں، یا اموالِ مساجد و مدارس اور اوقاف کو غیر محفوظ چھوڑ دیں، تو قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے رسوائی وفضیحت اٹھانی پڑے گی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی بھی ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (غزوۂ خیبر میں) ایک مزدور تھا جو سامان اٹھایا کرتا تھا جس کا نام ‘‘کرکرہ’’ تھا، اس کا (میدانِ جنگ میں) انتقال ہوگیا، آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی جہنمی ہے (ہمیں بظاہر تعجب ہوا کہ شہادت کی موت ؛لیکن جہنمی؟) بعدازاں ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی، تو اس کے سامان میں ایک عبا پائی گئی۔ (مالِ غنیمت میں معمولی چیز کی خیانت وچوری کی وجہ سے میدان جنگ میں انتقال کے باوجود جہنم میں جائے گا) (بخاری، باب القلیل من الغلول، رقم: ۱/ ۴۴۴ رقم: ۳۰۷۴)

علامہ عینیؒ ''لا یقبل اللہ صدقۃ من غلول'' کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:

اس میں ہر وہ مال داخل ہے جو غیر شرعی طریقے سے حاصل کیا جائے ، بعدازاں علامہ عینیؒ اس کی بہت سی مثالیں بیان فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ان ہی اموال میں وہ مال بھی داخل ہیں جو اوقاف کے متولی ونگران استحقاق کے بغیر لے لیتے ہیں، یا واقف نے جس کے لیے یا جس مقصد کے لیے وقف کیا ہے، اس کے علاوہ دیگر مصارف میں خرچ کرتے ہیں۔ (شرح ابوداؤد للعینی ۱/ ۱۸۰)

اوقاف کے اموال میں احتیاط سے متعلق ہمارے اکابر کے متعدد واقعات مشہور ہیں، جن میں سے چند واقعات کو ذکر کیا جاتا ہے۔

قدوۃ الاتقیاء حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ سابق سرپرست دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور کا یہ مقولہ بہت مشہور تھا

''مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے، اتنا کسی سے نہیں لگتا''

اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو اور وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے، کسی قسم کا نقصان پہنچائے، ملازمت سے علاحدہ ہوتے ہوئے، یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے، تو اس کے معاف کرنے سے معاف ہوسکتا ہے ؛لیکن مدرسوں (اور مسجدوں) کا روپیہ جو عام غربا اور مزدوروں کے دو دو پیسے ایک ایک آنے کا چندہ ہوتا ہے، ہم سب سرپرستانِ مدرسہ اس کے مالک تو نہیں ہیں، امین ہیں، اگر اس مال کے اندر افراط وتفریط ہو، تو ہم لوگوں کو معاف کرنے سے معاف تو نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ دوسروں کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے؟ (اکابر کا تقوی: ۴۱)

اموالِ مساجد کی حفاظتی تدابیر

لہٰذا ہم میں سے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ مسجد کی ہر چھوٹی بڑی چیز کی حفاظت کریں، نیز انہیں محفوظ بنائیں، اس کے لیے مندرجہ صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں۔

(۱) مسجد کی آمدنی اوراخراجات کی تمام تفصیلات تحریری طور سے محفوظ کی جائیں اور اس کے لیے موجودہ زمانے میں ایڈیٹ کرانے کا نظم کرنا چاہئے، اس طریقے سے اموالِ مسجد محفوظ رہیں گے، نیز کسی خیانت کرنے والے کے لیے موقع نہیں ملے گا۔

(۲) صحن مسجد میں ایک کمرہ بنایا جائے جس میں مسجد کا وہ سامان جو عموماً روزانے کی ضرورت کا نہ ہو، مثلاً جمعہ کے دن استعمال ہونے والا سامان، یا رمضان میں استعمال کئے جانے والی چیزیں، اس طرح کے سامان کو اس کمرے میں رکھ دیا جاسکتا ہے، فقہاء کے نزدیک اس طرح کا کمرہ مصالحِ مسجد میں داخل ہے اور شرعاً اس کو بنانے کی گنجائش ہے۔

لابأس بأن يتخذ في المسجدبيت يوضع فيه الحصير، ومتاع المسجد، به جرت العادة من غير نكير. (فتاویٰ قاضی خاں ۱/ ۶۵)

مسجد میں ایک کمرہ بنایا جاسکتا ہے جس میں چٹائیاں اور مسجد کا سامان رکھا جاسکے، امت میں اس کا تعامل چلا آ رہا ہے۔

(۳) خادمینِ مسجد کو صفائی کے لیے، یا کسی اور مقصد کے لیے جو چیزیں ذمہ دارانِ مسجد دیا کریں ان کی نگرانی کی جائے کہ ان میں اسراف نہ ہو، ان کا بے جا استعمال نہ ہو، بوقت ضرورت ان سے باز پرس بھی کی جاسکتی ہے۔

(۴) ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود مسجد کی چیزوں کو بے موقع استعمال نہ کرے، جن لوگوں کو مسجد کی چیزیں بے موقع استعمال کرتے ہوئے دیکھے، ان کو محبت ونرمی سے سمجھائے۔

(۵) حفاظت کی خاطر مسجد میں رات کو تالا لگا دینا بھی جائز ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۱۴۰)

ذمہ دارانِ مسجد جن لوگوں کو مسجد کا سامان مسجد کی ضروریات میں استعمال کرنے

کے لیے دیں، ان کو چاہئے کہ ضرورت کے بقدر احتیاط سے کام میں لائیں اور جن حضرات کو مسجد کی حفاظت کے لیے مقرر کیا گیا ہے، ان پر اموال مسجد کے سلسلے میں حفاظت کی دگنی ذمہ داری ہے۔

اشیائے مسجد کا ذاتی استعمال

مسجد اللہ کی ملک ہے، اس میں جو چیزیں ہیں، اوقاتِ صلوۃ میں مصلیوں کی سہولت اور راحت رسانی کے لیے ہیں، وقف کرنے والے اور مسجد کا تعاون کرنے والے بطور عطیہ اسی مقصد کے لیے دیتے ہیں، لہٰذا مسجد کی چیزوں سے نماز کے اوقات میں تمام مصلیوں کے لیے استفادے کی گنجائش ہے، عام اوقات اور عام حالات میں اس کی عمومی اجازت نہیں ہوگی، (حالت سفر، اعتکاف وغیرہ میں گنجائش ہوگی) اگر چہ ذمہ دارانِ مسجد ہی ہوں، یا امام، مؤذن اور خادم ہوں، مسجد کا سامان ذمہ داروں کے ہاتھ میں امانت ہے، اشیائے مسجد کا بے جا استعمال اور بے جا استعمال کی اجازت خیانت ہوگی جو شرعاً جائز نہیں ہے، عنداللہ باز پرس ہوگی، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ مسجد کا سامان استعمال کرنے میں احتیاط سے کام لے۔

مسجد کے سامان سے متعلق مسائل

مسئلہ (۱) متولی (ذمہ دارانِ مسجد اور امام ومؤذن) کے لیے مسجد کی چیزوں کو ذاتی کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ وہ مسجد کی ضروریات کے لیے وقف ہیں اور متولی کے ہاتھ میں امانت ہیں، اگر وہ مسجد کے سامان کو اپنی ذات کے لیے استعمال کرے گا، تو امانت میں خیانت ہوگی، ہاں اگر کوئی چیز خدامِ مسجد کے لیے وقف کی جائے، تو متولی (اور خدامِ مسجد) کے لیے بھی اس سے استفادے کی گنجائش ہے۔

(کتاب الفتاویٰ ۴/۲۱۱)

اتحد الواقف والجهة بان وقف وقفين على المسجد، احدهما على العمارة والأخر على الامام أومؤذنه، والامام، والمؤذن لايستقر

لقلة المرسوم ، للحاكم المتدين ان يصرف من فاضل وقف المصالح الى الامام، والمؤذن باستصواب اهل الصلاح من أهل المحلة ، ان كا ن الوقف متحدالان غرضه احياء وقفه ، وذالك يحصل بماقلنا. (ردالمحتار ۴ /کتاب الوقف مطلب فی نقل انقاض المسجد ۶ /۵۵۱)

واقف اور جہت دونوں ایک ہوں، اس طور پر کہ کسی نے دو چیزیں وقف کیں، ایک مسجد کے لیے دوسری امام اور مؤذن (اور دیگر خدام) کے لیے، امام ومؤذن اختیارات کی کمی کی وجہ سے ایک چیز کو دوسری جگہ استعمال نہیں کر سکتے؛ البتہ متدین حاکم کے لیے درست ہے کہ وہ وقف کے زائد اشیاء کو دین دار اہل محلہ کے مشورے سے ایک چیز کو دوسرے کے مصرف میں استعمال کرسکتا ہے بشرط یہ کہ وقف ایک ہو، اس لیے کہ اس کا مقصد وقف کو آباد رکھنا ہے۔

مسئلہ (۲) مسجد کی چھوٹی اور بڑی چیز مثلاً لوٹا، بالٹی، حصیر، مصلی وغیرہ کا استعمال بھی مسجد کے باہر جائز نہیں؛ البتہ اگر مسجد کی کوئی چیز کرایے کے لیے رکھی گئی ہو، تو اس کو مناسب کرایے کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے، بلا کرایہ اگر چہ عاریۃً ہی ہو، مسجد کی چیزوں کا استعمال درست نہیں۔

إذاعلم حرمة إيجار الوقف بأقل من أجر المثل، علم حرمة إعارته بالاولیٰ. (کنز مع البحر الرائق ۵ /۳۹۹، فتاوی محمودیہ ۱۴ /۶۲۴)

وقف کا سامان جس کو کرایے پر دیا جاتا ہے، اس کو کم کرایے پر دینا درست نہیں ہے، تو اسی سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ وقف کا سامان عاریت پر دینا بھی بدرجہ اولی درست نہیں ہوگا۔

متولی المسجدليس له أن يحمل سراج المسجد إلى بيته.

(ھندیۃ، کتاب الوقف ۲ /۴۶۲، البحر الرائق ۵ /۴۱۹)

مسجد کے متولی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مسجد کے چراغ کو اپنے گھر لے جائے۔

مسئلہ (۳) امام ومؤذن یا کسی خادمِ مسجد کے لیے مسجد کی چیزوں کو اپنے کمرے

میں استعمال کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، اگرچہ وہ کمرہ صحنِ مسجد میں ہو؛ البتہ شئ موقوف ہو، تو واقف کی اجازت، یا ذمہ دارانِ مسجد کی اجازت سے استعمال کر سکتے ہیں جب کہ ذمہ داروں نے مسجد کی رقم سے اس چیز کو خریدا ہو، اگر اس چیز کو کسی نے وقف کیا ہو، تو ذمہ دارانِ مسجد اس کی اجازت نہیں دے سکتے۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد میں دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں: قسم اول اہل محلہ دیتے ہیں، اگر امام صاحب کو اپنے حجرے میں استعمال کی اجازت دیں، تو (استعمال) درست ہے، قسم دوم منتظمین مسجد کے لیے خریدتے ہیں، اگر وہ اجازت دیں، تو ان کی اجازت سے (استعمال) درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ ادارہ صدیق ۱۴/ ۶۲۸)

إذاأرادأن يصرف شيئا من ذالك إلى المسجدأوإلى مؤذن المسجد، فليس له ذالك إلاإن كان الواقف شرط ذالك فى الوقف. (هندية ۲/ ۴۶۳)

مسجد کے متولی کے لیے جائز نہیں کہ وہ سامان جو مسجد کے لیے وقف کیا گیا ہو، اس کو مسجد کے کسی دوسرے مصرف میں، یا مسجد کے مؤذن کے لیے استعمال کرے؛ البتہ واقف نے اس کی اجازت دی ہو، تو اس کو استعمال کر سکتا ہے۔

مسئلہ (۴) مسجد کی الماری وغیرہ ذاتی استعمال کے لیے خاص کر لینا درست نہیں ہے۔ (مستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۶۳۰)

مسئلہ (۵) مسجد کا پنکھا، لائٹ وغیرہ سے نماز کے اوقات میں سب مصلیوں کے ساتھ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں، جس وقت مسجد میں ان کو بند کرنے کا معمول ہو، اس کے بعد خصوصی طور پر استعمال کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ ذمہ دارانِ مسجد معتکف، مسافر، یا تبلیغی جماعت یا اصلاحی مجالس والوں کو جو مسجد کی آبادی کے لیے معاون ہوں، ان کے لیے اجازت دیں، تو ان کے لیے استعمال درست ہے۔ (مستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۶۳۷)

إن أراد إنسان أن يدرس الكتاب فى سراج المسجد، إن كان موضوعًا فى المسجد للصلوة، قيل لابأس به، وإن كان موضوعًا لا للصلوة بأن فرغ القوم من صلوتهم، وذهبوا إلى بيوتهم وبقى السراج فى المسجد، قالوا لابأس به، أن يدرس به إلى ثلث الليل.

(ہندیہ ۲/کتاب الوقف ۲/۴۵۹، البحر الرائق ۵/۴۲۰)

اگر کوئی شخص مسجد کے چراغ اور لائٹ سے جس کو نماز (دیر سے آنے والے نمازیوں کی سہولت) کی غرض سے روشن کیا گیا ہو، اگر کوئی شخص اس کی روشنی سے درس ومطالعہ کرنا چاہتا ہے، تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اگر نماز (دیر سے آنے والے نمازیوں کی سہولت) کی غرض سے روشن نہیں کیا گیا ہے (؛ بلکہ مسجد میں رات میں بھی قدرے روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے) تو ثلث لیل تک درس ومطالعہ کی اجازت ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:

”ان (تبلیغی) جماعتوں کا قیام نماز کے لیے ہے، مقصدِ نماز کے علاوہ کسی غلط یا غیر مقصود کے لیے نہیں، اس لیے اگر یہ مسجد کا لوٹا، چٹائی، نل، ڈول رسی وغیرہ استعمال کریں، تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے؛ البتہ جو مصارف زیادہ ہوں بجلی کے لیے، وہ ان سے وصول کر لیے جائیں“۔ (فتاوی محمودیہ ادارہ صدیق ۱۴/۶۴۲)

يجوز الدرس فى المسجد، وإن كان فيه استعمال اللبود، والبوارى المسبلة لأجل المسجد. (البحر الرائق ۵/۴۱۹)

مسجد میں درس ومطالعہ جائز ہے، اگرچہ مسجد میں درس ومطالعہ کرنے میں مسجد کے لیے وقف شدہ قالین اور چٹائیں استعمال کی جائیں۔

مسئله (۶) مسجد کی معمولی چیز بھی کسی کے لیے استعمال کرنے کی گنجائش نہیں ہے؛ البتہ اس چیز کو فروخت کیا جاتا ہو، تو ذمہ دارانِ مسجد سے خرید کر استعمال کر سکتا ہے۔

إذا رأى حشيش المسجد، فرفعه إنسان، جاز إن لم يكن له قيمة، فإن كان له أدنى قيمة، لا يأخذه إلا بعد الشراء من المتولى او

القاضی او أهل المسجد. (البحر الرائق، احکام المساجد ۵/۴۲۰)

اگر کسی نے مسجد کے گھاس کو دیکھا اور اس کو اٹھا کر لے گیا، اگر وہ کوئی قیمتی شیٔ نہ ہو، تو اس کو لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر اس گھاس کی معمولی قیمت بھی ہو، تو اس کو لے جانے کی اجازت نہیں ہے، ذمہ داران مسجد سے خرید کر ہی لے جاسکتا ہے۔

مسئلہ (۷) مسجد کی بجلی وغیرہ صرف نماز کے اوقات میں استعمال کرنی چاہئے، دیگر اوقات میں اہل چندہ منع کر سکتے ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/۱۴۱)

مسئلہ (۸) نماز کے اوقات کے علاوہ پنکھا، لائٹ فون کی چارجنگ، وغیرہ کے ذریعے اشیائے مسجد کا استعمال کرے، تو اس کا خرچ مسجد میں جمع کرنا ضروری ہے۔
(مستفاد از فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۶۴۵)

لابأس بالجلوس فی المسجدلغیر الصلوة لکن لوتلف به شئ یضمن. (فتاوی قاضی خاں ۱/٦٦)

نماز کے اوقات کے علاوہ بھی مسجد کے اندر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ اس کی وجہ سے کسی چیز کا نقصان ہوتا ہو، تو اس نقصان کی تلافی اس کے ذمہ ہوگی۔

مسئلہ (۹) وضو خانے کا پانی وضو کے لیے مخصوص ہے، اس کو لے جانا درست نہیں؛ البتہ اگر اہل محلہ نے یہ نل رفاہ عام کے لیے لگایا ہو، تو جائز ہے۔
(آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۱۴۵)

* * *

نا قابلِ استعمال اشیائے مسجد کا مصرف اور متعلقہ مسائل

مسئلہ (۱) مسجد کی زائد چیزیں جن کا کسی بھی طرح مسجد میں استعمال ممکن نہیں، نیز ان کی حفاظت بھی دشوار ہے، تو ایسی زاید اشیاء کو مناسب قیمت پر فروخت کرکے قیمت کو مصالحِ مسجد میں صرف کرنی چاہئے، اگر ان نا قابل استعمال چیزوں کو کسی نے وقف کیا ہے، تو واقف یا وارثینِ واقف کی اجازت سے ان کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔

> **أما الحصير، و القناديل، فالصحيح من مذهب أبي يوسف أنه لا يعود إلى ملك متخذه بل يحول الى مسجد آخر، أو يبيع قيم المسجد للمسجد.** (البحر الرائق ۵/ ۴۲۱)

حصیر، چراغ اور قندیل وقف کرنے والے کی ملکیت میں واپس نہیں جائیں گی؛ بلکہ ان کو دوسری مسجد میں استعمال کیا جائے گا، یا مسجد کے ذمہ دار حضرات مسجد کے مفاد کے لیے فروخت کردیں گے۔

مسئلہ (۲) اگر مسجد میں چٹائیاں، فرش، برقی پنکھے وغیرہ زاید ہوں اور ان چیزوں کی یہاں ضرورت نہ ہو اور ان کی حفاظت بھی دشوار ہو، تو دوسری ضرورت مند قریبی مسجد میں ان کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

> **حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما، وكذا الرباط، والبئر، والحوض إذا لم ينتفع بهما، فيصرف وقف المسجد، والبئر، والحوض إلى اقرب مسجد او رباط، وبئر او حوض.**
>
> (تنویر الابصار، کتاب الوقف، وکذا فی البحر ۵/ ۴۲۲)

مسجد کا وہ گھاس اور چٹائیاں جن کی ضرورت نہ ہو، اسی طرح (وقف) رباط، کنواں اور حوض کی اشیاء کا استعمال باقی نہ رہے، تو ان زاید اشیاء کو قریبی مسجد، قریبی کنواں، قریبی حوض اور قریبی رباط وغیرہ میں استعمال کیا جائے گا۔

مسئلہ (۳) ایک مسجد کا سامان جس کی ضرورت اس مسجد میں ہو، دوسری مسجد میں عاریۃً بھی استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

لا یجوز نقله و نقل ماله الی مسجد آخر. (ردالمحتار ۶/ ۵۴۹، مطلب لوخرب المسجد اوغیرہ)

لا یجوز إعارتها لمسجد آخر. (ھندیہ ۵/ ۳۲۲)

مسئلہ (۴) مسجد کی معمولی چیز بھی جس کو کسی کام میں استعمال کیا جا سکتا ہو، یا کسی دوسری مسجد میں اس کی ضرورت ہو، یا اس کو فروخت کرنے سے کچھ رقم مل سکتی ہو، تو ایسی چیز کو کسی شخص کا خارجِ مسجد استعمال کرنا، یا ذمہ دارانِ مسجد کا کسی خادمِ مسجد، یا فقیر کو دے دینا بالکل جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر مسجد کا کوئی سامان بالکل بے قیمت ہے اور اس کو مسجد میں کسی کام میں لا یا بھی نہیں جا سکتا ہے، اس کو لینا، یا ذمہ داروں کا کسی کو دے دینا درست ہے۔

إذا رأى حشيش المسجد، فرفعه إنسان جاز، إن لم يكن له قيمة، فإن كان له أدنى قيمة، لا يأخذه إلا بعد الشراء من المتولي او القاضي او أهل المسجد. (البحر الرائق ۵/ ۴۲۰)

مسئلہ (۵) کسی مسجد میں مصاحف اور پارے ضرورت سے زاید ہوں، ان کو دوسری مسجد میں جہاں ضرورت ہو، وہاں ذمہ دارانِ مسجد کے مشورے سے منتقل کیا جا سکتا ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

”اگر ایک مسجد پر قرآن مجید کے پارے وقف کئے جائیں، تو جتنے پاروں کی وہاں ضرورت ہو، اتنے تو اس مسجد میں رہنے چاہئیں اور جو پارے زاید از ضرورت ہوں، ان کو عام مسلمانوں کے استفادہ کے لیے دوسری مساجد میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔

علامہ حصکفیؒ اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

لا يكون محصوراً على هذا المسجد، وبه عرف حكم نقل الا

وقاف من محالها للانتفاع بها. (کتاب الفتاویٰ ۴/ ۲۱۳)

مسئلہ (٦) قرآن شریف اور دینی کتابوں کے بوسیدہ اوراق، دیمک خوردہ اور ناقابل استعمال کتابوں اور اوراق کو کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر کسی محفوظ جگہ جہاں بے حرمتی کا خوف نہ ہو دفن کر دئے جائیں۔

المصحف إذا صار خلقا لا يقرأ منه، ويخاف أن يضيع ،يجعل فى خرقة طاهرة ويدفن. (ھندیۃ ۵/ ۳۲۳)

قرآن شریف کے اوراق جب بوسیدہ جائیں، پڑھنے کے لائق نہ ہوں، یا ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو ان کو ایک پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا۔

* * *

مساجد کی تزئین وآرائش کے شرعی حدود

اسلام سادگی کا مذہب ہے، اس کی تعلیمات سادہ ہیں، وہ اپنے ماننے والوں سے سادگی کا مطالبہ کرتا ہے، مساجد کے متعلق بھی اسی سادگی کا حکم دیا ہے، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے گھر میں کوئی پردہ لٹکایا تھا جس میں (غیر ذی روح کی) تصویریں تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، تو آپ نے اس پردے کو اتار دیا۔ (مسلم، کتاب الزینۃ، باب تحریم صورۃ الحیوان: ۲۱۰۷، ۱/۲۰۱)

حضرت انسؓ سے روایت ہے، حضرت عائشہؓ نے اپنے حجرے کے ایک کنارے بیل بوٹوں والا پردہ لٹکا رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، نماز سے فراغت کے بعد ارشاد فرمایا:

ازيلى عنى قرامك هذا، فانه لاتزال تصاويره تعرض لى فى صلوتى.

(بخاری، کتاب الصلوۃ، ان صلی فی ثوب مصلب الخ: ۳۷۴، ۱/۵۴)

یہ بیل بوٹوں والا پردہ میرے سامنے سے ہٹادو کہ نماز میں یہ تصویریں (بیل، بوٹے اور نقش نگار) میرے سامنے آرہی تھیں (ذہن منتشر ہو رہا تھا)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کے سامنے نقش ونگار، پرکشش چیزیں اور غیر جان دار کی تصویر کا ہونا بھی ناپسندیدہ ہے؛ کیوں کہ اس سے نمازی کا ذہن، خشوع اور خضوع متاثر ہوتا ہے، جب گھر میں نمازی کے سامنے ان چیزوں کا ہونا ناپسندیدہ ہے، تو مسجد میں بطور خاص قبلے والی دیوار میں نقش ونگار اور پرکشش چیزوں کا ہونا بدرجہ اولیٰ ناپسندیدہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلہ محلہ مسجد تعمیر کرنے کی ترغیب دی ہے، مساجد کی تعمیر پر بے شمار اجر وثواب کو بیان فرمایا ہے؛ لیکن مساجد کو مزین وعالی شان بنانے سے منع بھی فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما امرت بتشييد المساجد.

(رواہ ابوداؤد عن ابن عباس، کتاب الصلوۃ، باب فی بناء المسجد: ۴۴۸، ۱/ ٦٥)

مجھے اونچی اونچی مسجدیں تعمیر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى.

(رواہ البخاری تعلیقا، باب بنیان المسجد ۱/ ٦۴، وابوداؤد عن ابن عباس، کتاب الصلوۃ، باب فی بناء المسجد: ۴۴۸، ۱/ ٦٥)

یہود ونصاری نے جس طرح اپنی عبادت گاہوں کو مزین کیا، اسی طرح تم بھی مساجد کو مزین کرو گے۔

جب اونچی اونچی مسجدیں تعمیر کی جائیں گی، تو پھر ان پر نقش ونگار بھی ہوگا، پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر مساجد کی آرائش وتزئین میں بازی لے جانے کی کوشش کریں گے؛ حتی کہ یہ سلسلہ آپسی تفاخر ومباہات کا سبب ہوگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت مذمت فرمائی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ياتى على امتى زمان يتباهون فى المساجد، ولا يعمرونها الا قليلا.

(رواہ البخاری تعلیقا موقوفا علی انس، باب بنیان المسجد ۱/ ٦۴ وابوداؤد مرفوعا، کتاب الصلوۃ، باب فی بناء المسجد: ۴۴۸، ۱/ ٦٥)

میری امت پر ایسا وقت آئے گا کہ وہ مساجد پر فخر ومباہات کریں گے؛ لیکن سوائے چند لوگوں کے کوئی آدمی (نماز، جماعت اور ذکر الہی سے) آباد نہیں کرے گا۔

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:

لا تقوم الساعة حتى يتباهى الناس فى المساجد.

(رواہ ابوداؤد عن انس، باب فی بناء المسجد: ۴۴۹، ۱/ ٦٥)

اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ لوگ مساجد کے بارے میں فخر و مباہات میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

لمحہ فکریہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانے میں فتوحات کا دروازہ کھل چکا تھا، آپ چاہتے، تو عالی شان مسجد بنوا سکتے تھے؛ لیکن آپ نے اسی معمولی مسجد کو باقی رکھا، عہدِ فاروقی میں کھجور کے پتوں کے بوسیدہ اور نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے مسجد نبوی کی تجدید و توسیع کی ضرورت پیش آئی، تو حضرت عمرؓ کھجور کے پتوں اور تنوں سے مسجد کی تجدید و توسیع فرمائی؛ حالاں کہ فتوحات کا زمانہ تھا، قیصر و کسری کے خزانوں پر اسلامی حکومت کا قبضہ ہو چکا تھا؛ لیکن حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی کو ان چیزوں سے مزین نہیں کیا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسجد نبوی کی تجدید اور توسیع فرمائی، اپنی ذاتی رقم سے منقش پتھروں کی دیواریں اور ستون بنوائے اور ساگوان کی لکڑی کی چھت بنوائی۔

(بخاری عن ابن عمر، بنیان المسجد: ۴۴۶)

اس تعمیر میں غیر ضروری تزئین و نقش نگاری بھی نہیں تھیں اور بیت المال سے ایک درہم بھی استعمال نہیں کیا تھا؛ لیکن پہلے کی بنسبت مسجد کی سادگی متاثر ہوئی اور کچھ زیب و زینت محسوس ہونے لگی، قدسی نفوس صحابہ کرام اور تابعین عظام کی طبائع پر اس کا اثر پڑا۔

(فتح الباری، بنیان المسجد: ۴۴۶، ۱/۶۷۹)

ہمارے زمانے کی تزئین و آرائش کا کیا کہنا؟ حضرت عثمانؓ کی تعمیر پر بھی صحابہؓ کو اعتراض تھا، بدقسمتی کی بات ہے کہ مساجد کی تعمیر میں مقابلہ و تفاخر کی شکل پیدا ہو گئی ہے، کروڑوں روپیے کو مسجد کی تعمیر پر صرف کیا جاتا ہے؛ حالاں کہ ہمارے ملک میں لاکھوں دیہات اور قریہ جات ایسے ہیں، جہاں میلوں تک مسجد کا وجود نہیں ہے۔

مساجد کی تزئین وآرائش میں اعتدال مطلوب

شریعت میں مساجد کی سادگی اور تزئین وآرائش میں اعتدال ہی مطلوب ہے، حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی میں توسیع کی، منقش پتھروں کی دیواریں بنوائیں اور ساگوان کی لکڑی کی چھت بنائی؛ کیوں کہ اس زمانے میں لوگوں کا تعمیراتی معیار بدل چکا تھا اور اپنے زمانے کے معیار کی رعایت ضرور ہوتی ہے؛ لیکن اس میں بہت زیادہ مبالغہ درست نہیں ہے۔

مساجد کی زیبائش اور آرائش کا مسئلہ دراصل ہر عہد کے عرف اور تعمیراتی معیار سے متعلق ہے، شارح بخاری ابن منیرؒ فرماتے ہیں:

لماشيدالناس بيوتهم، وزخرفوها، ناسب ان يصنع ذالك با لمساجد صونا لها عن الاستهانة. (فتح الباری، بنیان المسجد: ۴۴٦، ١/ ٦٧٠)

جب لوگوں نے اپنے گھر اونچے اونچے بنا لیے اور ان کو مزخرف اور مزین کرنے لگے، تو اب مناسب ہے کہ اللہ کے گھروں کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا جائے؛ تاکہ اللہ کے گھروں کے وقار اور احترام میں کمی نہ آئے۔

حافظ ابن حجرؒ ابن منیر کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان المنع ان كان للحث على اتباع السلف فى ترك الرفاهة، فهو كماقال، وان كان لخشية شغل بال المصلى بالزخرفة، فلا لبقاء العلة. (فتح الباری، بنیان المسجد: ۴۴٦، ١/ ٦٧٠)

اگر مساجد میں نقش ونگار کی ممانعت کی علت سلفِ سالحین کے ترک تنعم کے اتباع کے نقطہءنظر سے ہے، تو ابن المنیرؒ کی بات درست ہے، جب لوگوں نے اپنے گھروں کے تعمیری انداز بدل دئے، تو اللہ کے گھروں کے تعمیر کا معیار بھی بدلنا چاہئے؛ تاکہ ان کی توہین نہ ہو، اگر مساجد کے نقش ونگار کی ممانعت وکراہیت کا سبب مصلی کی نظر و ذہن کا انتشار ہے، تو مساجد کی تزئین کا وہ سببِ کراہیت وممانعت ابھی بھی موجود ہے۔

خلاصہءکلام یہ ہے کہ سلف صالحین حضرات صحابہؓ مساجد کی تزئین وآرائش کے قائل نہیں تھے، نیز اسلام کا مزاج بھی نہیں ہے، یہی قول قوی اور راجح بھی ہے؛ چوں کہ ابن منیرؒ شارح بخاری کے بقول لوگوں کی تعمیر کا معیار بدل چکا ہے، اس لیے مساجد میں

بھی اعتدال کے ساتھ تزئین وآرائش کی گنجائش ہوگی۔

مذکورہ بالا احادیث اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں تعمیر وتزئین کے سلسلے میں مندرجہ ذیل ہدایات ثابت ہوتی ہیں:

الف: حسبِ ضرورت بڑی بڑی مسجدیں بنائی جاسکتی ہیں، دورِ حاضر کی عمدہ تعمیرات کے طرز پر خوبصورت بھی بنائی جاسکتی ہیں؛ تاکہ شاندار تعمیرات کی بنسبت اللہ کے گھر کمتر وبے حیثیت معلوم نہ ہوں؛ لیکن ان کی عمدہ تعمیر، تزئین اور آرائش سے فخر ومباہات، ریاء ونمائش مقصود نہ ہو؛ بلکہ مساجد کے احترام وتعظیم کے دلی جذبے کے ساتھ ہو۔ (نقلہ ابن حجر عن ابی حنیفہؒ فتح الباری، بنیان المسجد: ٦۴۴، ۱/ ٦٧٠)

ب: مسجد کی تزئین وآرائش مسجد کی آمدنی اور وقف کے مال سے نہ ہو؛ بلکہ اس وقت درست ہے جب کہ کوئی شخص اپنے صرفے سے کرائے، یا وقف کرنے والے اور چندہ دینے والے نے اس کی اجازت دی ہو۔ (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ ۲/ ۴۳۱)

ج: تعمیر وتزئین کے سلسلے سے کوئی کام بلاضرورت نہ ہو، نیز کسی کام میں اسراف وتبذیر نہ ہو، جیسے قمقے، رنگ برنگ کی روشنیاں وغیرہ کا انتظام۔

د: بہتر ہے کہ مسجد کی دیواریں سفید ہوں، نہ منقش ہوں اور نہ ہی اس پر کوئی تحریر ہو، موجودہ زمانے اور تعمیراتی معیار کے مطابق قیمتی پتھر لگائے جاسکتے ہیں؛ لیکن اتنے صاف وشفاف نہ ہوں کہ اس میں نمازی کی صاف یا دھندلی تصویر نظر آئے۔

حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی کی تجدید وتوسیع کے موقع پر معمار سے فرمایا:

اياك ان تحمر و تصفر، فتفتن الناس. (رواہ البخاری عن عمرؓ، باب بنیان المسجد ۱/ ٦۴)

خبردار مسجد کو سرخ اور زرد نہ بناؤ کہ اس سے لوگ فتنوں میں مبتلا ہوں گے (نماز میں خشوع وخضوع کے بجائے نمازی کی نظر دیواروں کے زیب وزینت کی طرف ہوگی، لوگ نماز کی غرض سے مسجد نہیں آئیں گے، تزئین وآرائش دیکھنے کے لیے آئیں گے)

فتاوی عالم گیری میں ہے:

الاولى ان يكون حيطان المسجد اليض غير منقوشة، ولا

مکتوبة. (الفتاوی الہندیۃ ۱/ ۷۵ بحوالہ قاموس الفقہ ۱/ ۹۴)

آج کل مساجد کی دایواروں پر قرآنی آیات لکھنے اور کندہ کرنے کا ذوق عام ہے؛ بلکہ زمانہ ءقدیم ہی سے اس کا رواج ہے؛ حالاں کہ اس میں قرآن کی بے ادبی کا اندیشہ ہے، پرندے اس پر بیٹھتے ہیں اور بیٹ کرتے ہیں، ، رنگ وروغن اور دیوار کے گرنے کا خطرہ اور بے ادبی کا قوی اندیشہ ہے، صفائی اور مرمت وغیرہ کے موقع پر مزدور آداب اور طہارت کا لحاظ نہیں کرتے ، مذکورہ امور کی بنا پر فقہاء نے مسجد میں قرآنی آیات ، احادیث، عشرۂ مبشرہ کے نام وغیرہ لکھنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

لاینبغی الکتابة علی جدر انه ای خوفا من ان تسقط وتوطأ.

(ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، افضل المسجد ۱/ ۴۴۵)

ابن نجیمؒ نے لکھا ہے:

لیس بمستحسن کتابة القرآن علی المحاریب والجدران.

(البحر الرائق قبیل ابواب الوتر والنوافل ۲/ ۶۵، مستفاد: قاموس الفقہ ۵/ ۹۴)

* * *

دوسرا باب:

متعلقات مسجد، با جماعت نماز، جماعت میں عورتوں کی شرکت، مسجد میں غیر مسلموں کا داخلہ اور ان کا تعاون

شرعی مسجد کب وجود میں آئے گی؟

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

وقف کرنے والے کا یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اِس جگہ کو مسجد بنا دیا، اب وہ زمین شرعی مسجد ہوگئی، شرعی مسجد ہونے کے لیے نماز کی ادائیگی ضروری نہیں، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مسجد کی نیت سے اس جگہ کو سپرد کردینا بھی ضروری ہے، جیسا کہ دیگر اوقاف میں ہوتا ہے، ہر چیز کی سپردگی اُس کی حیثیت کے لحاظ سے ہوتی ہے، مسجد کی سپردگی؛ اس میں باجماعت نماز کی ادائیگی سے ہوگی، لہذا مسجد کے لیے وقف کی جانے والی جگہ اُس وقت شرعی مسجد ہوگی جب کہ وہ جگہ ممیز اور جدا کرکے ذمہ داران کے سپرد کردی جائے اور واقف کی اجازت سے اذان و اقامت کے ساتھ علانیہ باجماعت نماز بھی ادا کرلی جائے۔

> **یزول ملکه عن المسجد، والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عندالثانی وشرط محمد والامام الصلوة فیه بجماعة.** (الدرالمختار ٦: ٥٤٥)
>
> **قال ابن عابدین تحت قوله "بجماعة" لانه لابدمن التسلیم عندهما خلافا لابی یوسف، وتسلیم کل شیء بحسبه، ففی المقبرة بدفن واحد ۔۔۔ واشتراط الجماعة لانها المقصودة من المسجد، ولذاشرط ان تکون جهرا باذان واقامة، والالم یصر مسجدا، قال الزیلعی: وهذه الروایة هی الصحیحة.**

(ردالمحتار، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد ٦/ ٥٤٦، فتاوی محمودیہ ١٤/ ٣٩١، قاموس الفقہ ٥/ ٩٥)

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسجد اور عیدگاہ سے واقف کی ملکیت اُس وقت زائل ہو گی جب کہ وہ عملی اعتبار سے وقف کردے، یا زبانی طور سے زمین کو وقف کردے، یوں کہے: میں نے اِس زمین کو وقف کردیا، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک باجماعت نماز بھی ضروری ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک وقف کو سپرد کرنا بھی ضروری ہے، ہر چیز کی سپردگی اس کے اعتبار سے ہوگی، قبرستان کا وقف کسی مردے کی تدفین سے ہوگی، مسجد کی سپردگی باجماعت نماز پڑھنے سے ہوگی، یہی وجہ ہے کہ علانیہ طور سے اذان واقامت کے ساتھ باجماعت نماز کی ادائیگی کو شرط قرار دیا گیا ہے، ورنہ شرعی مسجد نہیں ہوگی، علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: یہی قول صحیح ہے۔

مسجد کے دو حصے: شرعی مسجد اور ملحقاتِ مسجد

شرعی مسجد وہ جگہ ہے جو جماعت خانے کے حدود میں ہو، جہاں تک صفیں بچھائی جاتی ہیں، یا صفوں کے نشان بنائے جاتے ہیں، یا مسجد تعمیر کرنے والوں نے جہاں تک کی حدود کو مسجد میں داخل کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ (فتاوی قاسمیہ ۱۷/ ۶۱۳)

ان العرف خصص المسجد بالمكان المهيأ للصلوات الخمس.

(الموسوعة الفقهية كويتيه ۷ ۳/ ۳۲۵)

شرعی مسجد سے مراد مسجد کی وہ مخصوص جگہ ہے جس کو نماز کے لیے خاص کرلیا گیا ہو۔

ملحقاتِ مسجد سے مراد جماعت خانہ اور شرعی مسجد سے باہر وضوخانہ، سامان رکھنے کی جگہ وغیرہ مراد ہیں۔

اگر شرعی مسجد کی پہچان مشکل ہو، تو اس کی پہچان کے لیے کوئی علامت ونشان لگانا دینا بہتر ہے؛ تاکہ معتکفین وغیرہ کے لیے سہولت ہو۔ (مستفاد از کتاب النوازل ۱۳/ ۲۱۴)

احاطۂ مسجد کا وہ حصہ جو نماز پڑھنے کے لیے مخصوص نہیں؛ بلکہ افتادہ زمین چھوڑ دی گئی ہے، یا اُس میں مسجد کی ضروریات کے لیے کمرے بنادئے گئے ہیں، مسجد سے ملحق مکتب، وضوخانہ اور استنجا خانہ وغیرہ ہیں، یہ سب مسجد کے حکم میں نہیں ہیں، اِس حصے میں جنابت اور حیض کی حالت میں آمد ورفت، دنیوی گفتگو اور خرید فروخت جائز ہے۔

(قاموس الفقہ ۵/ ۹۲)

مسجد صغیر اور مسجد کبیر

جس مسجد کی لمبائی ساٹھ (۶۰) فٹ اور چوڑائی ساٹھ (۶۰) فٹ ہو، وہ مسجد کبیر ہے، جو

مسجد اس سے چھوٹی ہو، وہ مسجد صغیر ہے۔

فقیہ الامت حضرت مولا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:

(مسجد کبیر) چالیس ذراع لمبی، چالیس ذراع چوڑی، ایک قول کے مطابق ساٹھ ذراع ہے۔ (فتاوی محمودیہ، ادارہ صدیق ۱۴/ ۳۸۴)

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد کبیر کے سلسلے میں متون کی جو عبارات دستیاب ہوئیں، ان میں مطلقاً چالیس ذراع کا ذکر ہے، طول وعرض کی صراحت نہیں ہے؛ لیکن بعض فقہی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اِس سے مراد طول وعرض ہی ہے، جیسا کہ ماءِ کثیر کے معاملے میں دہ دردہ کی صراحت فقہ میں موجود ہے۔

مسجد صغیر هواقل من ستين ذراعا ،وقيل من اربعين ، وهو المختار كمااشار اليه فى الجواهر.

(ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ وما یکرہ ۲/ ۳۹۸)

مسجد صغیر وہ مسجد ہے جو ساٹھ ذراع سے کم ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ چالیس ذراع سے کم ہو، یہی راجح قول ہے جیسا کہ جواہر میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

قال الرافعى : فى حاشية عبدالحكيم : الصغير مايكون اقل من جريب كمافى البرجندى، والجريب ستون ذراعافى ستين بذراع كسرى سبع قبضات. (تقریرات الرافعی ۲/ ۸۳)

علامہ رافعیؒ فرماتے ہیں: حاشیہ عبدالحکیم میں ہے: مسجد صغیر وہ مسجد ہے جو ایک جریب سے کم ہو جیسا کہ فتاوی برجندی میں ہے، ایک جریب ساٹھ ذراع در ساٹھ ذراع ہوتا ہے۔

انت خبير بان اعتبار العشر اضبط، ولاسيما فى حق من لا رأى له من العوام ،فلهذا افتى به المتاخرون الاعلام اى فى المربع باربعين ، وفى المدور بستة وثلاثين ،وفى المثلث من كل جانب خمسة عشر وربعا وخمسا بذراع الكرباس.

(الدرالمختار، کتاب الطھارۃ، باب المیاہ ۱/ ۳۴، کتاب النوزل ۱۳/ ۲۳۴)

منبر

ابتدائے اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ کے لیے کھڑے ہوتے تھے، تو کھجور کے تنے کا سہارا لیا کرتے تھے جو اُس جگہ نصب تھا، جب لمبی گفتگو ہوتی، تو آپ تھک جاتے تھے، اس لیے ایک انصاری عورت نے جس کا نام عائشہؓ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ یا رسول اللہ! میرا غلام بڑھئی ہے، وہ آپ کے لیے منبر تیار کرے گا؛ تا کہ جب آپ لوگوں سے خطاب کریں، تو اُس پر بیٹھ کر خطاب فرمائیں، آپ کو تھکان نہیں ہوگی، (شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا) چند دن بعد حضرت سہل بن سعدؓ کے ذریعے انصاریہ عورت کو خدمت اقدس میں بلا بھیجا اور فرمایا: تمہارے غلام سے کہو کہ میرے لیے منبر بنائے، جب لوگوں سے گفتگو کروں، تو اس پر بیٹھا کروں، چناں چہ وہ انصاری غلام جس کا نام راجح قول کے مطابق میمون ہے، مدینہ کے قریب ''غابہ'' نامی علاقے سے جھاؤ کی لکڑی لے آیا، منبر تیار کیا اور اس منبر میں تین سیڑھیاں تھیں۔

(رواہ البخاری عن سہل بن سعد: باب الاستعانۃ بالنجار والصناع ۴۴۸، ۴۴۹، ۱/ ۶۴، مسلم، کتاب الصلوۃ، باب جواز الخطوۃ والخطوتین: ۵۴۴، ۱/ ۲۰۶، فتح الباری ۱/ ۶۸۳)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بھاری ہو گیا، تو حضرت تمیم داریؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم آپ کے لیے منبر بنائیں؟ جس پر آپ خطبے کے وقت تشریف فرما ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بقول ابن سعد مسلمانوں سے مشورہ کرنے کے بعد) فرمایا: ضرور بنایئے۔

(ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب اتخاذ المنبر: ۱۰۸۰، ۱/ ۱۵۵، فتح الباری ۲/ ۴۹۰)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمیم داریؓ نے اس انصاری غلام کو منبر بنانے کا ڈیزائن اور طریقہ بتایا ہے، لہٰذا تمیم داریؓ کی جانب منبر بنانے کی نسبت مجازی ہے، منبر جھاؤ کی لکڑی سے تیار کیا گیا، اُسی وقت سے مساجد میں منبر تیار کیا جانے لگا ہے، باتفاق مسلمین جمعہ وعیدین کے خطبات منبر پر دینا مستحب ہے۔

عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ قال کان بین منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین الحائط کقدر ممر الشاۃ.

(مسلم، کتاب الصلوۃ، باب الدنو من السترۃ: ۵۰۹، ۱/ ۱۹۷، ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب موضع المنبر: ۱۰۸۱، ۱/ ۱۵۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور قبلے والی دیوار کے درمیان ایک بکری کے گزرنے کے برابر فاصلہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر میں تین سیڑھیاں تھیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر میں تین سیڑھیاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری سیڑھی پر قدمِ مبارک رکھتے اور تیسری سیڑھی پر تشریف فرما ہوتے، یہی تین سیڑھیوں والا منبر مسجد میں نبوی میں رکھا گیا تھا؛ یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مدینے کے حاکم مروان بن حکم کے پاس حکم بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر میرے پاس بھیجو، مروان بن حکم نے ایک بڑھئی کو بلا کر منبر کو اُس کی جگہ سے نکال لیا، تو پورے مدینے میں اچانک اندھیرا پھیل گیا۔

زبیر بن بکارؒ کہتے ہیں: ہم نے دن میں ستارے دیکھے، مروان نے فوراً بیان دیا اور کہا کہ میں نے حضرت معاویہؓ کے حکم سے منبر رسول اللہ کو اس لیے نکالا؛ تاکہ اس کو بلند کروں کہ خطیب کو تمام حاضرین دیکھ سکیں، چناں چہ مروان نے منبر رسول اللہ میں مزید چھ سیڑھیوں کا اضافہ کر دیا، کل نو سیڑھیاں ہوگئیں، یہ اضافہ شدہ منبر ترمیمات کے ساتھ مسجد نبوی میں چھ سو چون ہجری ۶۵۴ھ تک رہا، پھر ایک حادثے میں جل گیا۔

(فتح الباری، کتاب الجمعۃ، باب الخطبۃ علی المنبر ۲/ ۴۹۱)

ابو الزنادؒ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی سیڑھی پر بیٹھتے تھے، دوسری سیڑھی پر پیر رکھتے تھے، جب حضرت ابوبکرؓ خلیفۃ المسلمین ہوئے، تو دوسری سیڑھی پر بیٹھتے تھے، تیسری سیڑھی پر پیر رکھتے تھے، جب حضرت عمرؓ امیر المؤمنین بنے، تو تیسری سیڑھی پر بیٹھتے تھے اور پیر زمین پر رکھتے، جب کھڑے ہوتے، تب بھی تیسر سیڑھی پر

کھڑے ہوتے تھے، جب حضرت عثمانؓ امیر المؤمنین بنے، تو ابتدائی چھ سالوں میں حضرت عمرؓ کی ترتیب ہی کو اختیار فرمایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب کے موافق کرنے لگے۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی، الباب الرابع، الفصل الرابع ۲/ ۱۰)

سب سے پہلے حضرت عثمانؓ نے منبر پر چادر بچھائی، حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے بھی منبروں پر چادر بچھانا منقول ہے۔
(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی، الباب الرابع، الفصل الرابع ۲/ ۱۰)

مسئلہ (۱) سنتِ متوارثہ یہی ہے کہ منبر تین سیڑھیوں والا ہو، جانبِ قبلہ محراب کی داہنی طرف ہو یعنی خطیب مصلیوں کی طرف متوجہ ہو، تو منبر محراب کی بائیں جانب ہو۔ (عمدۃ القاری، باب الخطبۃ علی المنبر: ۵/ ۷۵)

علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں:

من السنة ان يخطب عليه اقتداءا به صلى الله عليه وسلم وان يكون على يسار المحراب ومنبره صلى الله عليه وسلم كان ثلاث درج.

(رد المحتار، کتاب الجمعۃ ۳/ ۳۹)

مسئلہ (۲) جمعہ وعیدین کا خطبہ منبر پر دینا مستحب ہے، اگر منبر موجود نہ ہو، تو کسی بلند جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دے۔ (عمدۃ القاری، المؤذن الواحد یوم الجمعۃ ۵/ ۷۵)

مسئلہ (۳) منبر پر چادر وغیرہ بچھانے کی شرعاً گنجائش ہے۔
(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی، الباب الرابع، الفصل الرابع ۲/ ۱۰)

نئی وضع کے منبر

آج کل مسجدوں میں ایسے منبر بنائے جا رہے ہیں جو زمین سے خاصے اونچے ہوتے ہیں، خطیب محراب میں داخل ہو کر منبر پر نمودار ہوتا ہے، منبر پر محض ایک کرسی ہوتی ہے جس پر خطیب دو خطبوں کے درمیان بیٹھتا ہے، منبر کی یہ صورت خلافِ اولی اور خلافِ سنتِ متوارثہ ہے۔ (جدید فقہی مسائل ۱/ ۱۴۵)

ایک قابل غور بات

منبر کا مقصد یہ ہے کہ مسجد میں موجود ہر شخص منبر پر خطبہ دینے والے شخص کو دیکھ سکے؛ لیکن موجودہ دور میں مساجد میں اہتمام سے محراب بنائے جاتے ہیں، محراب ہی میں منبر بھی بنا دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے مسجد کے ایک جانب (حی علی الفلاح) کے لوگوں کو خطیب صاحب نظر آتے ہیں، دوسری طرف والوں کو نظر نہیں آتے، جس کی وجہ سے منبر کا مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے، لہذا اس سلسلے ذمہ دارانِ مساجد اور علمائے کرام کو توجہ دینی چاہئے؛ تاکہ منبر سنت کے مطابق بنائے جائیں۔

عصا

جمعہ وعیدین کے خطبات کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسا اوقات عصا یا قوس (کمان) کا سہارا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے، بعض مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر عید کا خطبہ ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت حکیم بن حزن کلفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اقمنا بها اياما، شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فقام متوكئا على عصا او قوس، فحمد الله و اثنى عليه.

(رواہ ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب الرجل یخطب علی قوس: ١٠٩٦، ١/١٥٦)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، چند ایام مدینے میں قیام کیا، نمازِ جمعہ میں شریک ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصا یا قوس (کمان) کا سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرمایا، آپ نے حمد و ثنا بیان کی الخ

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم كان يخطب بمخصرة.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والبزار، وفیہ ابن لھیعۃ، وفیہ کلام، مجمع الزوائد باب علی ای شیء یتکی الخطیب: ٣١٤١)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھڑی کے ساتھ خطبہ دیا کرتے تھے۔

حضرت سعدؓ القرظ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم کان اذا خطب فی الجمعة خطب علی عصا.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر، واسنادہ ضعیف، مجمع الزوائد، باب علی ای شیء یتکی الخطیب: ۳۱۴۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کا خطبہ دیا کرتے، تو عصا کا سہارا لیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کان یخطبهم فی السفر متکئا علی قوس.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ ابوشیبة، وھو ضعیف، مجمع الزوائد، باب علی ای شیء یتکی الخطیب: ۳۱۴۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ سفر میں کمان کا سہارا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے۔

حضرت یزید بن براء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم نُوِّوِلَ یوم العید قوسا، فخطب علیه.

(رواہ ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب یخطب علی قوس: ۱۱۴۵، ۱/ ۱۶۲)

عید کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کمان پیش کی گئی، آپ نے کمان کا سہارا لے کر خطبہ دیا۔

ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں:

کان اذا قام اخذ عصا، وھو قائم علی المنبر، ثم کان ابوبکر الصدیق، وعمر بن الخطاب، وعثمان بن عفان رضی اللہ عنھم یفعلون ذالك. (مراسیل ابی داؤد، باب ما جاء فی الجمعة والخطبة ۷، رقم: ۵۵)

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ کے لیے کھڑے ہوتے تھے، تو ہاتھ میں عصا لیا کرتے تھے، پھر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کرتے تھے، یعنی بوقت خطبہ عصا لیا کرتے تھے۔

طلحہ بن یحیٰ فرماتے ہیں:

رأیت عمر بن عبدالعزیز یخطب و بیدہ قضیب.

(رواہ ابن شیبۃ، العصا یتوکأ علیھا: ۵۵۶۳)

میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو دیکھا کہ آپ ہاتھ میں چھڑی لے کر خطبہ دے رہے ہیں۔

مذکورہ بالا روایات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین بوقت خطبہ عصا یا قوس کا سہارا لیا کرتے تھے، بعض مرتبہ نہیں بھی لیا کرتے، لہذا جمعہ وعیدین کے خطبات میں عصا یا قوس کا سہارا لینا مستحب ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

فی روایۃ ابی داؤد انہ صلی اللہ علیہ وسلم قام ای فی الخطبۃ متوکیا علی عصا او قوس، ونقل القھستانی عن المحیط ان اخذ العصا سنۃ کاالقیام. (ردالمحتار، باب الجمعۃ ۳/۴۱)

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے دوران عصا یا قوس کا سہارا لیا کرتے تھے، قہستانیؒ نے محیط سے نقل کیا ہے کہ بوقت خطبہ ہاتھ میں عصا لینا سنت ہے، جس طرح خطبہ کھڑے ہوکر دینا سنت ہے۔

درمختار اور فتاوی عالم گیری میں بوقت خطبہ عصا لینے کو مکروہ قرار دیا ہے، یہ قول احادیث وسنت کی روشنی میں صحیح نہیں ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے بھی ''درمختار'' کی عبارت پر نقد فرمایا ہے۔

نیز فقہائے کرام فرماتے ہیں: جن علاقوں کو قتال کے ذریعے فتح کیا گیا ہے، ان علاقوں میں عصا یا تلوار لے کر خطبہ دینا مستحب ہے اور جن علاقوں کو صلح کے ذریعے فتح کیا گیا ہو، ان علاقوں میں بغیر عصا اور تلوار کے خطبہ دینا مستحب ہے۔

(البحرالرائق، شروط الجمعۃ ۲/۲۵۹)

مذکورہ بالا احادیث اور فقہائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ بوقت خطبہ عصا یا قوس کا سہارا نہ لیا جائے، تو یہ امر بھی مباح ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

بوقت خطبہ عصا، یا قوس لینے پر مداومت و موظبت ثابت نہیں ہے۔

مسجد میں محراب

چند چیزیں مسجد کی مخصوص علامات اور پہچان کی حیثیت سے معروف ہیں، اُن میں سے محراب بھی ہے، مسجد میں قبلے کی سمت امام کے کھڑے ہونے کے لیے جو مخصوص جگہ بنائی جاتی ہے، اس کو محراب کہتے ہیں ، ؛ چوں کہ امام کا ایسی جگہ کھڑا ہونا مستحب ہے جو صف کے درمیان ہو، اس لیے محراب صفوں کے بالکل درمیان میں بنائی جاتی ہے کہ اگر امام وہاں کھڑا ہو، تو صف کی دونوں جانب برابر ہوں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے محراب کا رواج ہے۔

(عمدۃ القاری، کتاب الصلوۃ، باب فضل استقبال القبلۃ ۳/۳۶۱)

صاحب وفاء الوفاؒ اور ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ولید بن عبدالملک کی جانب سے مدینے طیبہ کے عامل تھے، سن اٹھاسی ہجری میں مسجد نبوی کی تجدید و توسیع فرمائی، اُس وقت مسجد نبوی میں محراب کا بھی اضافہ کیا اور اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی میں محراب کی تعمیر کرائی ہے۔ (وفاء الوفاء ۲/۹۸، مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوۃ، باب مواضع الصلوۃ رقم الحدیث: ۷۴۶، ۲/۴۰) اس کے بعد سے مسلمانوں میں محراب بنانے کا رواج سے شروع ہوا۔

محراب کا فائدہ یہ ہے کہ امام کے لیے صف کے درمیانی حصے کی تعیین ہو جاتی ہے، مسافر اور نو وارد شخص کو قبلے کی سمت معلوم ہوتی ہے، مساجد اور عام تعمیرات میں ایک نمایاں فرق بھی معلوم ہوتا ہے، اسی وجہ سے اُس وقت سے مسلمانوں میں مساجد میں محراب بنانے کا رواج ہوا۔

علمائے کرام نے سمت قبلہ معلوم کرنے کے لیے قدیم مساجد کے محراب کو علامت قرار دیا ہے، چناں چہ علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:

جهة الكعبه تعرف بالدليل ،والدليل فى الامصار والقرى المحاريب التى نصبها الصحابة، والتابعون ،فعلينا اتباعهم فى استقبال المحاريب. (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، شروط الصلوۃ ۱/۴۹۶)

قبلے کا رخ کسی علامت سے بھی معلوم ہوتا ہے، شہروں اور آبادیوں میں قبلے کی علامت وہ محراب ہیں جن کو صحابہ وتابعین نے بنائی ہیں۔

فقہائے کرام محراب سے متعلق مسائل کو ذکر کرتے ہیں؛ لیکن محراب بنانے کی کراہیت ذکر نہیں کرتے؛ البتہ محراب بنانے میں اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ مسجد کا محراب یہود، نصاریٰ اور غیر مسلم عبادت خانوں کے محراب کے مشابہ نہ ہو۔

مسئلہ: اگر مسجد میں محراب نہ ہو، تو امام ایسی جگہ کھڑا ہو جو صف کی بالکل درمیان ہو، درمیانی صف میں کھڑے ہونے کے بجائے درمیانی صف کی داہنی، یا بائیں جانب کھڑا ہونا، خلاف اولیٰ اور خلافِ سنت ہے۔

فان وقف فى ميمنة الوسط او فى ميسرته، فقد اساء لمخالفة السنة.

(الہندیۃ، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ ۱/۸۹)

السنة ان يقوم الامام ازاء وسط الصف ،الاترى ان المحاريب مانصبت الا وسط المساجد، وهى عينت لمقام الامام.

(ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ ۲/۳۱۰)

مسجد میں مینار

مسجد کی تعمیر وہیئت اس طرح ہونی چاہئے کہ آنے جانے والے لوگ دور ہی سے مسجد کو پہچان لیں، اس کے لیے مینار کی تعمیر بطور علامت بنائی جاتی ہے، صاحبِ وفاء الوفاء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے مسجدِ نبوی میں مینار کی تعمیر کرائی۔ (وفاء الوفاء: من احدث المحراب والشرفات: ۲/۹۸)

مینار کی تعمیر شرعاً واجب اور ضروری نہیں ہے، نہ اس کی ممانعت ہے، شریعت کی طرف سے مینار کی سلسلے میں کوئی تحدید وتعیین نہیں ہے، لہٰذا مینار کی تعمیر میں فضول خرچی

واسراف سے احتراز کرتے ہوئے بقدر ضرورت بنانا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۴۵۴)

مسجد کے اندرونی حصے میں اذان

اصل مقصود لوگوں تک اذان کی آواز پہنچانا ہے، پہلے زمانے میں یہ مقصد اُسی وقت حاصل ہوتا تھا جب کہ مسجد کے باہر کسی بلند جگہ پر کھڑے ہوکر اذان کہی جاتی تھی، اس لیے فقہاء نے مسجد کے اندر اذان دینے کو خلاف اولیٰ قرار دیا تھا؛ لیکن موجودہ حالات میں داخلِ مسجد ہی لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے کی صورت میں یہ مقصد حاصل ہوجاتا ہے، نیز جمعہ کی اذان ثانی بھی بالاتفاق مسجد ہی میں ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسری اذانوں کے لیے خارجِ مسجد اذان دینے کا مقصد دور دور تک آواز پہنچانا ہے؛ تاکہ لوگ جماعت کی نماز میں شریک ہوسکیں، اس لیے مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینا خلاف اولیٰ نہیں ہے، اس لیے کہ اسپیکر کے ذریعے دور دور تک آواز پہنچ جاتی ہے؛ البتہ فقہاء نے جو خلاف اولیٰ فرمایا ہے، اس سے بچنے کے لیے مسجد کے صحن میں اذان دینے کا نظم کردیا جائے، تو بہتر ہے۔

(اعلاء السنن، باب التاذین عند الخطبۃ ۸/ ۸۷، کتاب النوزل ۱۳/ ۲۳۲)

نیچے دکان، مکان، پارکنگ اور اوپر مسجد

مسجد کے سلسلے میں اصل ضابطہ یہ ہے کہ زمین کا جو حصہ مسجد بن گیا، وہ نیچے تحت الثری تک اور اوپر آسمان تک مسجد ہے، اس لیے مسجد کا حقیقی احترام اور ادب یہی ہے کہ مسجد کے نیچے، یا اس کے اوپر ایسی کوئی عمارت نہ بنائی جائے جس کا مقصد مسجد سے مختلف ہو؛ تاہم فقہائے کرام نے چند شرائط کے ساتھ زیریں وبالائی منزل کو متعلقاتِ مسجد کے لیے استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

واقف یا مسجد کی کمیٹی جو بمنزلہ واقف ہے، اگر شرعی مسجد وجود میں آنے سے پہلے ہی مسجد کے نام سے وقف شدہ، یا خرید ہوئی زمین میں اس طرح نیت کرے اور مسجد کا

نقشہ بنائے کہ بالائی منزلیں برائے نماز اور تحتانی و زیریں منزل میں مدرسے کا قیام، پارکنگ، دکان برائے اخراجاتِ مسجد، یا کسی ایسے مقصد کے لیے جو مسجد کے مصالح سے متعلق اور مسجد ہی کی طرح وقف بھی ہو، تو شرعاً درست ہے، نیز مسجد کے بالائی منزل کو مدرسہ یا مسجد سے متعلق کسی ضروری کام کے لیے کمرے بنائے جائیں، تو اس کی بھی شرعا گنجائش ہے۔

کسی واقف نے مسجد کی نیت کے بغیر چند منزلہ عمارت تعمیر کی، پھر تحتانی منزل کو دیگر ضروریات کے لیے اور فوقانی منزلوں کو نماز کے لیے خاص کرنے کی نیت کی، یہ بھی درست ہے۔ (مستفاد از قاموس الفقہ ۵/ ۹۰، مستفاد از امداد الفتاوی جدید ۶/ ۱۳۴)

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ فرماتے ہیں:

مسجد کی ابتدائی تعمیر کے وقت بانیٔ مسجد نیت کرے کہ مسجد کے نیچے کے حصے میں مسجد کے مفاد کے لیے دکانیں اور اوپر کے حصے میں امام و مؤذن کے لیے کمرے بنانے ہیں، یعنی مسجد کی ابتدائی تعمیر کے وقت اس کے نقشے میں دکان، کمرے بھی شامل ہوں اور مسجد کے مفاد کے لیے وقف ہوں، تو بنا سکتے ہیں اور یہ شرعی مسجد سے خارج رہیں گے، اس جگہ پر حائضہ اور جنبی آدمی جا سکے گا۔

جب ایک بار مسجد بن گئی اور ابتدائی تعمیر کے وقت نیچے دکان اور اوپر کے حصے میں کمرے شامل نہ ہوں، تو مسجد کے اوپر کا حصہ آسمان تک اور نیچے کا حصہ تحت الثری تک مسجد کے تابع اور اسی کے حکم میں ہو چکا، اب اس کا کوئی حصہ مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ (فتاوی رحیمہ ۳/ ۱۶۲)

اگر عملاً شرعی مسجد وجود میں آجائے، پھر ذمہ داران، یا واقف مسجد کی صورت وشکل اور نقشہ بدلنا چاہیں، یا تعمیر جدید میں اس طرح مصالحِ مسجد کو شامل کرنا چاہیں، تو اس کی اجازت نہیں ہے۔

لو جعل تحته حانوتا، وجعله وقفا علی المسجد قیل: لا یستحب ذالك، ولکنه لو جعل فی الابتداء هکذا صار مسجدا، وماتحته

صار وقفا علیه، ویجوز المسجد، والوقف الذی تحته، ولو انه بنی المسجد اولا، ثم اراد ان یجعل حانوتا للمسجد، فهو مردود باطل. (حاشیۃ چلپی علی تبیین الحقائق، کتاب الوقف، فصل فی احکام المسجد، مکتبہ زکریا ۲۷۱/۴)

لو بنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح، اما لو تمت المسجدیة، ثم اراد البناء، منع. (الدر المختار مع رد المحتار ۵۴۸/۶)

فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ بانئ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا تحریر فرماتے ہیں:

مسجد کی تعمیر اور بنا کے وقت اگر بانیانِ مسجد نے یہ طے کرلیا کہ منصوبے کے مطابق نیچے کی منزل ضروریاتِ مسجد، بیت الخلا، وضوخانہ، امام و مؤذن کی رہائش، یا مسجد کے انتظامی اخراجات کے لیے دکانیں جو ذریعۂ آمدنی ہوں، بنائی جائیں گی اور اوپر کی منزل پر مسجد ہوگی، تو ایسا کرنا جائز ہوگا، اعتبار بوقت بنا مسجد کے بانیوں کی نیت کا ہوگا؛ البتہ جب مسجد بن چکی، اس کے بعد مسجد کی کسی منزل میں اس کی حیثیت کو بدلنا درست نہیں ہوگا۔

(فتاوی قاضی مجاہد الاسلام ۱۷۷/۲)

مسجد میں مدرسے کا قیام

مدرسہ کا قیام ملحقاتِ مسجد میں ہو، تو شرعاً اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اگر عین مسجد یا شرعی مسجد میں مدرسے کو قائم کرنا چاہیں، واقف یا مسجد کی کمیٹی اگر شرعی مسجد وجود میں آنے سے پہلے ہی مسجد کے نام سے وقف شدہ، یا خرید ہوئی زمین میں اس طرح نیت کرے اور مسجد کا نقشہ بنائے کہ بالائی منزلیں برائے نماز اور تحتانی و زیریں منزل میں مدرسے کا قیام، یا بالائی منزل میں مدرسے کا قیام اور وہ منزلیں بھی مسجد ہی کی طرح وقف بھی ہوں، تو شرعاً درست ہے، یہ حصہ شرعی مسجد سے خارج ہوگا جس سے احکامِ مسجد متعلق نہیں ہوں گے، اس حصے میں طلبہ کا مستقل قیام، طعام اور رہائش درست ہے۔

اگر ابتدائی تعمیر اور ابتدائی نقشے میں مسجد کی جگہ میں صرف مسجد ہی کی نیت تھی، اب

وہ زمین نیچے تحت الثری تک اور اوپر آسمان تک مسجد ہی رہے گی، اس کی تمام منزلوں میں احکامِ مسجد کو بجالانا ضروری ہے، دنیوی گفتگو، بے ادبی اور بے احترامی درست نہیں ہے، نیز طلبہ کا قیام، طعام اور رہائش بھی درست نہیں۔

فقیہ العصر مولانا رشید احمد صاحبؒ ایک سوال ''مسجد کے اوپر مدرسے کی تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں'' کے جواب میں سابقہ بحث کی فقہی عبارات پیش کر کے مندرجہ ذیل الفاظ میں خلاصۂ کلام تحریر فرماتے ہیں:

''عبارت اولیٰ وثالثہ کا ظاہر عدم جواز پر دال ہے، لان مفهوم الفقهاء حجة بالاتفاق اور روایتِ ثانیہ میں جواز کی تصریح ہے، اس لیے بوقت ضرورتِ شدیدہ گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ مگر یہ اجازت اس صورت میں ہے کہ ابتدا ہی سے مسجد کے اوپر یا نیچے مدرسہ بنانے کا ارادہ ہو، اگر ابتداء اارادہ نہ تھا؛ بلکہ مسجد کی حدود متعین کر کے اس رقبے کے بارے میں زبان سے کہہ دیا کہ یہ مسجد ہے، اس کے بعد اوپر مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا ہو، تو جائز نہیں''۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۴۴۳)

بوقت ضرورتِ شدیدہ مسجد میں تعلیم

فقہائے کرام نے سخت مجبوری کی صورت میں مسجد میں صرف تعلیم دینے کی مشروط اجازت دی ہے۔

حضرت مولانا سید عبدالرحیم لاجپوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد کی بالائی منزل میں مستقلاً مدرسہ جاری کرنا صحیح نہیں؛ البتہ مدرسے میں تنگی ہو، اہل مدرسہ دوسری جگہ کے انتظام کی کوشش میں ہوں اور سرِ دست دوسری جگہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کی تعلیم خراب ہو رہی ہو، تو ایسے بڑے اور سمجھ دار بچوں کی کلاس عارضی طور پر محدود اور مختصر وقت کے لیے جاری کی جاسکتی ہے جو مسجد کا پورا پورا احترام کریں، شور وغل اور دنیوی باتیں نہ کریں، جگہ کا انتظام ہوجانے پر فوراً یہ کلاس اس جگہ منتقل کردی جائے، ایسے چھوٹے بچے جو کپڑے، بدن کی پاکی وناپاکی اور مسجد کے ادب

واحترام کا خیال نہ کرسکیں، ایسے بچوں کی کلاس جاری نہ کی جائے، مسجد میں شور غل اور مسجد کی بے احترامی ہوگی اور تلویثِ مسجد کا بھی خطرہ ہے اور اس کی ذمہ داری مسجد کے منتظمین پر ہوگی۔ (فتاوی رحیمیہ ۹/۲۰۰)

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:

بچوں کی تعلیم کے لیے کسی دوسری جگہ کا انتظام کیا جائے، اگر کوئی دوسری جگہ نہ ہو، تو مجبوراً بچوں کو دینی تعلیم مسجد میں دینا درست ہے؛ مگر اتنے چھوٹے بچے نہ ہوں جن کو پاکی ناپاکی کی تمیز نہ ہو، مثلاً گندے پیر مسجد میں رکھیں، یا پیشاب کردیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ احترامِ مسجد کے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے، مثلاً بچوں کو سخت الفاظ اور کڑک دار آواز سے ڈانٹنا، سزا دینا۔ (فتاوی محمودیہ، ادارہ صدیق ۱۴/۶۰۷)

تنخواہ لے کر مسجد میں تعلیم دینا

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد میں مستقلاً تنخواہ لے کر تعلیم دینا مکروہ ہے، خاص کر ایسی حالت میں جب کہ مسجد کے قریب کمرہ بھی ہے، جس میں تعلیم دی جاسکتی ہے، چھوٹے بچے جو پاکی اور ناپاکی کی تمیز نہیں رکھتے؛ بلکہ ان سے اندیشہ ہو کر مسجد کو ناپاک کردیں گے، ایسے بچوں کو مسجد میں لانا ہی منع ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۴/۶۰۵)

حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو، مسجد میں (تنخواہ دار مدرس کا) پڑھانا بشرائط ذیل جائز ہے۔

(۱) مدرس تنخواہ کی ہوس کی بجائے گزر اوقات کے لیے بقدر ضرورت وظیفے پر اکتفا کرے۔

(۲) نماز، ذکر، تلاوتِ قرآن اور عبادات میں مخل نہ ہو۔

(۳) مسجد کی طہارت ونظافت اور ادب واحترام کا پورا خیال رکھا جائے۔

(۴) کمسن اور ناسمجھ بچوں کو مسجد میں نہ لایا جائے۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۴۵۸)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قیام وطعام کے مدارس کے طلبہ ہوں، یا مکاتب کے طلبہ ان کی تعلیم کے لیے عینِ مسجد اور شرعی مسجد کی حدود سے باہر درس گاہوں کا انتظام کرنا چاہئے، اسی صورت میں مسجد کا ادب، احترام اور اساتذہ کے لیے بھی احتیاط کا پہلو ملحوظ رہے گا، سخت قسم کی مجبوری ہو، تو متبادل جگہ کے انتظام کی کوشش کے ساتھ مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے شرعی مسجد میں تعلیم کی اجازت ہوگی۔

* * *

باجماعت نماز اور متعلقہ احکام ومسائل

باجماعت نماز کی اہمیت

نماز اسلام کی نہایت اہم عبادت اور اللہ کی بندگی و نیاز مندی کا مظہر ہے، باجماعت نماز اسلام کی پہچان اور ایمان کی روشن دلیل ہے، نماز باجماعت عظیم الشان اسلامی شعار، اسلام اور اہل اسلام کی شان وشوکت بڑھانے والی، انھیں بلند وبالا مقام اور درجہء کمال پر پہنچانے والی عبادت ہے، باجماعت نماز سے بے شمار دینی وملی مصلحتیں وابستہ ہیں، باجماعت نماز انفرادی نماز سے کئی درجے افضل، لائق قبول اور بے شمار برکتوں کا ذریعہ ہے، مساجد کو باجماعت نماز ہی کے لیے قائم کیا جاتا ہے، پنج وقتہ اذان باجماعت نماز ہی کے لیے دی جاتی ہے۔

باجماعت نماز کی برکت سے اجر میں زیادتی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: صلوۃ الجماعۃ تفضل صلوۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ. (رواہ البخاری، باب فضل صلاۃ الجماعۃ: ٦۴۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باجماعت نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے کی بنسبت ستائیس درجے افضل ہے۔

جماعت کی نیت پر جماعت کا ثواب

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من توضأ، فاحسن وضوءہ، ثم راح، فوجد الناس قد صلوا، اعطاہ اللہ مثل اجر من صلاھا، وحضرھا، لا ینقص ذالک من اجورھم شیئا. (ابوداؤد، باب فی من خرج یرید الصلوۃ، فسبق بھا: ۵٦۴)

جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا، پھر وہ جماعت میں شرکت کی نیت سے مسجد کی طرف گیا، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ جماعت ہو چکی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو بھی ان لوگوں کے برابر ثواب عطا فرمائیں گے جنہوں نے باجماعت نماز ادا کی ہے اور یہ چیز ان لوگوں کے اجر میں کمی کا باعث نہیں ہوگی۔

باجماعت نماز کی برکت سے شیطان سے حفاظت

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مامن ثلثة فی قریة ولا بدو لاتقام فیهم الصلوة الاقداستحوذ علیهم الشیطان، فعلیك بالجماعة، فانمایا کل الذئب القاصیة. (ابوداؤد، باب فی التشدید فی ترک الجماعۃ: ۵۴۷)

کسی بستی یا بادیہ (جنگل وغیرہ میں عارضی قیام گاہ) میں تین آدمی ہوں اور وہ باجماعت نماز نہیں پڑھتے ہیں، تو یقیناً ان پر شیطان قابو پالے گا، لہٰذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کر لو؛ کیوں کہ بھیڑیا اسی بھیڑ کو اپنا لقمہ بناتا ہے جو گلہ سے الگ دور رہتی ہے۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ باجماعت نماز کا اہتمام کرنے والا شیطان کے تسلط سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔

جماعت کی برکت سے نفاق و جہنم سے براءت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من صلی للہ اربعین یوما فی جماعة یدرك التکبیرة الاولی، کتب له براء تان، براء ة من النار، وبراء ة من النفاق. (رواہ الترمذی، باب فی فضل التکبیرۃ الاولی: ۲۴۱، مسند احمد: ۱۲۵۸۳)

جو شخص چالیس دن تک ہر فرض نماز تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ ادا کرے، اس کے لیے دو براءتیں لکھی جاتی ہیں، ایک جہنم کی آگ سے چھٹکارے کی براءت، دوسری نفاق سے

براءت۔

چالیس دن باجماعت نماز تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ ادا کرنا اللہ کے نزدیک اتنا محبوب ومقبول عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس عمل کی برکت سے اس کے لیے دو براءتوں کا فیصلہ فرمادیتے ہیں، ایک براءت یہ ہے کہ اس کا دل نفاق سے پاک ہوگا، دوسری براءت یہ ہے کہ وہ جہنم سے بری ہوگا۔

مسلمانوں کا باجماعت نماز کا اہتمام

حضرات صحابہ باجماعت نماز کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر بیمار آدمی بھی کسی طرح جماعت میں شریک ہوسکتا تھا، تو ضرور شریک ہوجاتا تھا، کوئی مؤمنِ مخلص باجماعت نماز سے پیچھے نہیں رہتا تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض الوفات میں مرض کی شدت کی وجہ سے بار بار غشی طاری ہوتی تھی، کئی دفعہ وضو کا پانی بھی طلب فرمایا، آخر ایک مرتبہ وضو فرما کر حضرت عباسؓ اور دیگر صحابہ کے سہارے باجماعت نماز کے لیے مسجد میں اس حال میں تشریف لے گئے کہ زمین پر پاؤں مبارک اچھی طرح جمتا بھی نہیں تھا۔

(رواہ البخاری عن عائشۃ فی حدیث طویل، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ: ٦٨٧)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

قال لقد رأيتنا ومايتخلف عن الصلوة الامنافق، قدعلم نفاقه اومريض، ان كان المريض ليمشي بين رجلين حتى ياتي الصلوة، وقال: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا سنن الهدى، وان من سنن الهدى الصلوة في المسجد الذي يؤذن فيه، وفي رواية شرع لنبيكم سنن الهدى، وانهن (اي الصلوات حيث ينادى بهن) من سنن الهدى، ولو انكم صليتم في بيوتكم كمايصلي هذاالمتخلف في بيته، لتركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم.

(رواہ مسلم، باب صلوۃ الجماعۃ من سنن الهدی: ۲۵٦، ۲۵۷)

ہم نے اپنے آپ کو (مسلمانوں کو) اس حال میں دیکھا ہے کہ نماز باجماعت میں

شریک نہ ہونے والا، یا تو کوئی منافق ہوتا تھا جس کی منافقت ڈھکی چھپی نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ عام طور سے لوگوں کو اس کی منافقت کا علم ہوتا تھا، یا کوئی بے چارہ مریض ہوتا تھا (جو بیماری کی وجہ سے نہیں آسکتا تھا) بعض مریض دو آدمیوں کے سہارے چل کر آتے اور جماعت کی نماز میں شریک ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنن ہدی کی تعلیم دی ہے (یعنی دین وشریعت کی ایسی باتیں بتلائی ہیں جن سے ہماری ہدایت وسعادت وابستہ ہے اور اللہ سے مقامِ قرب اور رضا تک پہنچانے اعمال والے ہیں) انھیں سننِ ہدی میں سے ایسی مسجد میں نماز ادا کرنا بھی شامل ہے جہاں اذان ہوتی ہو۔

ایک دوسری روایت میں ہے: حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: اے مسلمانو! اللہ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سنن ہدی مقرر فرمائیں ہیں، پنج وقتہ نمازیں باجماعت مسجد میں ادا کرنا بھی سنن ہدی میں سے ہے، اگر تم اپنے گھر ہی میں نماز پڑھنے لگو، جیسے یہ شخص اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے (اپنے زمانے کے کسی خاص شخص کی طرف اشارہ ہے) تو اپنے پیغمبر کا طریقہ چھوڑ دوگے، جب تم اپنے پیغمبر کا طریقہ چھوڑ دوگے، تو یقین جانو کہ تم راہِ ہدایت سے ہٹ جاؤ گے اور گمراہی کے غار میں جا گروگے۔

ترکِ جماعت پر شدید وعید

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

> **قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لیس صلوۃ اثقل علی المنافقین من الفجر، والعشاء، لو یعلمون مافیھما، لاتوھما، ولو حبوا، لقد ھممت ان امر المؤذن، فیقیم، ثم امر رجلا یؤم الناس، ثم اخذ شعلا من نار، فاحرق علی من لایخرج الی الصلوۃ بعد.**
>
> (رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ، باب فضل العشاء فی الجماعۃ: ۶۵۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اعتقادی اور عملی دونوں قسم کے) منافقوں پر فجر وعشاء کی (باجماعت) نماز سے زیادہ بھاری کوئی نماز نہیں ہے، اگر وہ جانتے کہ ان

دونوں نمازوں (کو باجماعت ادا کرنے) میں کیا اجر وثواب اور کیا برکتیں ہیں، تو وہ ان نمازوں (کی جماعت) میں حاضر ہوا کرتے، اگرچہ ان کو گھٹنوں کے بل آنا پڑے، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ (کسی دن) میں مؤذن کو حکم دوں کہ وہ جماعت کے لیے اقامت کہے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں جو میری جگہ لوگوں کی امامت کرے اور میں خود آگ کے فتیلے ہاتھ میں لے کر ان لوگوں کے گھروں پر جاؤں جو گھروں میں موجود ہیں، اذان سننے کے باجود جماعت کی نماز میں شریک نہیں ہوئے ہیں، انہیں آگ لگادوں (؛ مگر آپ کو عورتوں اور بچوں کا خیال آیا، تو آپ نے اس کو عملی جامہ نہیں پہنایا)۔

باجماعت نماز کا حکم

بعض احناف نے باجماعت نماز کو واجب قرار دیا ہے اور بعض نے سنت مؤکدہ قریب من الواجب قرار دیا ہے، یہی قول راجح ہے، بلا عذر شرعی جماعت ترک کرنا جائز نہیں اور بلا عذر شرعی تارکِ جماعت کی تعزیر کی جائے گی، باجماعت نماز میں شرکت اُن عاقل بالغ مردوں پر واجب ہے جو بلا کسی مشقت جماعت میں حاضر ہوسکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے اُس شخص کو جو بلا عذر شرعی جماعت سے نماز نہیں پڑھتا، اس کو گنہگار، فاسق اور مردود الشہادہ قرار دیا ہے۔

> **الجماعة سنة مؤكدة للرجال ، قال الزاهدى : ارادو بالتاكيد الوجوب ، وقيل واجبة ، وعليه العامة ... على الرجال العقلاء البالغين القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج (الدر المختار) قال ابن عابدين : والاحكام تدل على الوجوب من ان تاركها بلاعذر يعزر وترد شهادته ، وياثم الجيران بالسكوت عنه الخ .** (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، ۲/ ۲۸۷، فتاوی محمودیہ، ادارہ صدیق ۶/ ۴۰۷)
>
> **قال ابن نجيم : ان تارك الجماعة يستوجب اساءة ، ولاتقبل شهادته**

اذاترکھا استخفافا بذالك ،وفی منحة الخالق اذاترکھا استخفافا ای تھاونا وتکاسلا ،ولیس المرادحقیقة الاستخفاف الذی ھو الاحتقار، فانه کفر. (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ۱/ ۶۰۳)

مردوں کے لیے باجماعت نماز سنت مؤکدہ ہے، زاہدی نے فرمایا: سنت مؤکدہ سے مراد وجوب ہے، بعض نے فرمایا: باجماعت نماز واجب ہے۔۔۔ عام فقہاء کا یہی قول ہے، عاقل، بالغ اور آزاد مردوں پر جو بغیر مشقت کے باجماعت نماز ادا کرسکیں۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

احکام باجماعت نماز کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں یعنی بغیر عذر جماعت کو ترک کرنے والے کی تعزیر کی جائے گی، اس کی گواہی رد کردی جائے گی، اس کے پڑوسی خاموشی اختیار کرنے پر گنہگار رہوں گے وغیرہ احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ باجماعت نماز واجب ہے۔

ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

جماعت کی نماز ترک کرنے والا اساءت و مذمت کا مستحق ہے، نماز باجماعت کو ہلکا سمجھ کر ترک کرتا ہے، تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، ''منحۃ الخالق'' میں ہے کہ ہلکا سمجھنے سے مراد یہ ہے کہ سستی و کاہلی کی وجہ سے ترک کرے، باجماعت نماز کی حقارت مراد نہیں ہے، اگر کوئی باجماعت نماز کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، تو وہ کفر ہے۔

مسجد کی جماعت ترک کرنے کی رخصت

جن لوگوں پر باجماعت نماز لازم ہے، اگر وہ شرعاً معذور ہیں، تو ان کے لیے شرعاً مسجد کی جماعت ترک کرنے کی رخصت ہے، ترکِ جماعت کی وجہ سے وہ لوگ گنہگار نہیں ہوں گے، جیسے

(۱) کوئی شخص بیمار ہو۔

(۲) بہت عمر دراز ہو۔

(۳) ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں، یا پاؤں کٹا ہوا ہو۔
(۴) ایسا مفلوج جو چل نہ سکے۔
(۵) نابینا ہو۔
(۶) بارش ہو رہی ہو۔
(۷) سخت ٹھنڈک اور برف باری ہو رہی ہو۔
(۸) راستے میں کیچڑ ہو۔
(۹) بہت تاریک رات ہو اور روشنی کا انتظام نہ ہو۔
(۱۰) اندھیری رات ہو اور تیز ہوا چل رہی ہو۔
(۱۱) کسی مریض کا تیماردار ہو۔
(۱۲) سفر کا ارادہ ہو اور جماعت میں شرکت کی صورت میں قافلہ (بس یا ٹرین یا ہوائی جہاز وغیرہ) چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو۔
(۱۳) یا مال ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو۔
(۱۴) پیشاب، پائخانہ کا شدید تقاضا ہو۔
(۱۵) یا سخت بھوک لگی ہو اور کھانا سامنے ہو۔

ان تمام صورتوں میں جماعت ترک کرنے کی اجازت ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار ۲/ ۲۹۲، قاموس الفقہ ۳/ ۱۱۶)

مسجد اور باجماعت نماز سے روکنا

جو شخص پیاز، لہسن، تمباکو وغیرہ بدبودار چیز کھائے، اس کو مسجد آنے سے روک دیا جائے گا؛ چوں کہ مسجد سے روکنے کی علت فرشتوں اور مسلمانوں کی ایذا رسانی ہے، اس وجہ سے علماء نے ان تمام افراد کو مسجد آنے سے روک دیا ہے جن سے فرشتوں یا مسلمانوں کو اذیت و تکلیف پہنچتی ہے، مثلاً جس شخص کے منہ میں بدبو ہو، یا کوئی ایسا زخم ہو جس سے بدبو نکلتی ہو اور لوگوں کی اذیت کا سبب بنتی ہو، اس کو بھی مسجد آنے سے روک دیا جائے گا، اسی طرح قصاب، مچھلی فروش (جو بدن و کپڑوں کی خوب صفائی و ستھرائی کے

بغیر آجاتا ہو) اس کو بھی روک دیا جائے گا۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

مذکورہ لوگوں کے ساتھ جذامی اور کوڑھی شخص کو بھی بدرجہء اولیٰ شامل کیا جائے گا، اس لیے کہ ان لوگوں کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے، لہذا حدیث (جو پیاز اور لہسن کھائے، وہ ہمارے مسجدوں کو نہ آئے) کے مصداق میں وہ تمام افراد داخل ہوں گے جن سے لوگوں کو اذیت پہنچتی ہو، خواہ زبانی تکلیف پہنچے، حضرت ابن عمرؓ نے یہی فتوی دیا ہے، حضرت ابن عمرؓ کا فتوی اصل وضابطہ کلیہ ہے ہر ایسے شخص کو مسجد آنے سے روکنے کے لیے جن سے فرشتوں اور مسلمانوں کو تکلیف، اذیت اور گھن محسوس ہوتی ہو۔

قال الحصكفی: اكل نحو ثوم، يمنع منه، وكذا كل مؤذ، ولو بلسانه. (الدر المختار) قلت: علة النهی اذى الملائكة واذى المسلمين ـــ كذالك الحق بعضهم بذالك من بفيه بخر، او به جرح له رائحة، وكذالك القصاب، والسماك، والمجذوم والا برص، اولى بالالحاق ـــ والحق بالحديث كل من آذى الناس بلسانه، وبه افتى ابن عمر، وهو اصل فی نفی كل من يتاذى به.

(ردالمحتار، باب مایفسد الصلوۃ وما یکرہ فیھا، مطلب فی الغرس فی المسجد ۲/ ۴۳۵)

علامہ حصکفی فرماتے ہیں: لہسن وغیرہ کھانے کی وجہ سے مسجد سے روک دیا جائے گا، اسی طرح ہر اُس شخص کو مسجد سے روک دیا جائے گا جو اپنی زبان سے تکلیف دینے والا ہو۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

روکنے کی علت فرشتوں اور مسلمانوں کو اذیت وتکلیف پہنچانا ہے، بعض فقہاء نے اس مسئلے کے ساتھ اُس شخص کو ملحق کیا ہے جس کے منہ میں بو ہو، یا کوئی ایسا زخم ہو جس سے بو آتی ہو، نیز قصاب مچھلی فروش، جذامی اور کوڑھی شخص کو مسجد سے روک دیا جائے گا، حدیث کے ساتھ ہر اس شخص کو ملحق کیا جائے گا جو اپنی زبان سے تکلیف پہنچائے، ابن عمرؓ نے اسی کا فتوی دیا ہے، یہ فتوی ضابطہ ہے ہر اس شخص کو مسجد سے روکنے کے لیے جس سے

لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

وبائی اور متعدی امراض میں مبتلا افراد کے لیے ترکِ جماعت

فقہائے کرام نے جذامی اور کوڑھی کو مسجد آنے سے روک دیا ہے، اس لیے کہ اطباء ان امراض کو متعدی مانتے ہیں، امراض متعدی ہوں، یا نہ ہوں، عقیدے کا فساد ضرور ہے، خدانخواستہ اگر کوئی شخص اس بیماری میں مبتلا ہو جائے، تو وہ سمجھتا ہے کہ ان مریضوں کے ساتھ ملنے جلنے ہی سے میں بیمار ہوا ہوں، یہ عقیدے کا فساد ہے۔

نیز یہ مریض مسلمانوں کی اذیت اور تکلیف کا سبب بھی ہوتے ہیں، لہٰذا جو بھی مہلک، متعدی اور وبائی امراض میں مبتلا ہوں، لوگوں کے اختلاط و ازدحام کی بنا پر لوگ ان امراض میں مبتلا ہو سکتے ہوں، تو اس طرح کے مریضوں کو مسجد آنے سے شرعاً روکا جا سکتا ہے، مذکورہ بالا تفصیلات سے ''کرونا وائرس'' اور وبائی امراض کے شکار مریضوں کو مسجد سے روکنے کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا۔

وبائی امراض کے ایام میں عام لوگوں کو مسجد سے روکنا

ترکِ جماعت کے اعذار میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بعض صورتوں میں جماعت میں شرکت کے لیے سخت قسم کی مشقت، جیسے سخت تاریکی، بھوک کی شدت، بعض صورتوں میں مرض میں مبتلا ہونے کا اندیشہ، جیسے برف باری، سخت قسم کی سردی، تیمارداری اور بعض صورتوں میں مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ بھی ترک جماعت کے اعذار میں شامل ہے۔

لہٰذا وبائی امراض کے زمانے میں تندرست وصحت مند افراد کو بھی مسجد آنے سے روکنا؛ تاکہ ان کے عقیدے اور جسمانی صحت کی حفاظت ہو سکے، ترکِ جماعت کے معقول شرعی عذر کی بنا پر درست ہوگا، اس لیے کہ لوگوں سے اختلاط اور لوگوں کے ساتھ میل جول امراض کے متعدی ہونے کا سبب بن سکتا ہے، جو مسلمانوں کی اذیت، تکلیف اور امراض میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔

مریض و مسافر کو جماعت کے فوت ہونے پر اجر

مذکورہ دونوں صورتوں میں مریض اور اسبابِ مرض سے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے والے، اگر اس طرح کے حالات پیدا نہ ہوتے، تو ضرور مسجد کی جماعت میں شرکت کرتے اور جماعت کی نماز میں شرکت کی نیت بھی ہے؛ لیکن حالات کی مجبوری سے گھر ہی پر نماز ادا کر رہے ہیں، تو ان کے لیے شرعاً ترکِ جماعت کی رخصت ہے، ان شاء اللہ جماعت میں شرکت کرنے والوں کے برابر اجر بھی ملے گا۔

جو شخص مسجد کی جماعت کا پابند ہو، کسی عذرِ شرعی کی بنا پر باجماعت نماز میں شریک نہیں ہوسکتا ہو؛ لیکن اس کی عادت و نیت ہے کہ اگر بالفرض جماعت کی نماز میں شرکت سے معذور نہ ہوتا، تو ضرور مسجد کی جماعت میں شریک ہوجاتا، تو ایسے شخص کے لیے جماعت میں شرکت کے بغیر بھی جماعت کا ثواب ملے گا۔

حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں:

> **سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مرۃ ولا مرتین یقول: اذا کان العبد الصالح یعمل عملا صالحا، فشغلہ عنہ مرض او سفر، کتب لہ کصالح ما کان یعمل وھو صحیح مقیم.**
>
> (رواہ البخاری مختصرًا، ورواہ ابوداؤد اذا کان العبد الصالح یعمل عملا صالحا الخ: ۳۰۹۱)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے شمار مرتبہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب کوئی نیک بندہ کسی نیک عمل کا پابند ہو، پھر بیماری یا سفر کی وجہ سے اُس عمل کو کر نہ سکے، تو اس بندے کے لیے تندرستی اور حالتِ اقامت میں جو نیک اعمال کرتا تھا، اسی کے بقدر ثواب لکھا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں:

> **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان العبد اذا کان علی طریقۃ حسنۃ من العبادۃ، ثم مرض، قیل: للملك المؤکل بہ: اکتب لہ مثل عملہ اذا کان طلیقا حتی اطلقہ او اکفتہ الی.**
>
> (رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ واحمد: ۶۸۹۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ کسی عبادت کا پابند ہو، پھر بیمار ہوجائے، تو اُس فرشتے سے کہا جاتا ہے جو اس پر مقرر ہے، تندرستی کی حالت میں وہ بندہ جو عمل کیا کرتا تھا، اسی کے بقدر اجر لکھ دیا کرو؛ یہاں تک کہ میں اس کو تندرستی عطا کروں، یا اپنے پاس بلالوں۔

ملاعلی قاریؒ حضرت ابوموسی اشعریؓ کی روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **فيه رد على قول الشافعية :ان من ترك صلاة الجماعة لايكتب لها ثوابها.** (مرقاۃ المفاتیح: ۱۵۴۴)

اگرکوئی بندہ باجماعت نماز کا پابند ہے، بیماری کی وجہ سے اس کی جماعت فوت ہو جائے، تو اس کو جماعت میں شرکت کا ثواب ملے گا، اس لیے کہ روایت کے الفاظ عام ہیں، جس کے عموم میں باجماعت نماز کی پابندی بھی شامل ہے، بعض شافعیہ نے کہا کہ عذر کی بنا پر جماعت کے فوت ہونے پر جماعت کا ثواب نہیں ملے گا، اس روایت میں صاف طور سے اس قول کی تردید موجود ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

> **اذاانقطع عن الجماعة لعذرمن اعذارها ،وكانت نيته حضورها لولا العذريحصل له ثوابها،والظاهر ان المرادبه العذرالمانع كالمرض والشيخوخة،والفلج.**
>
> (کتاب الصلوۃ، باب لامامۃ، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد ۲/۲۹۱)

شرعی عذر کی بنار پر کسی شخص کی جماعت فوت ہوجائے، اگر وہ معذور نہ ہوتا، تو ضرور جماعت میں شرکت کرتا، تو اس کے لیے جماعت کا ثواب ملے گا۔

مذکورہ احادیث شریفہ، محدثین اور فقہائے کرام کی تشریحات وتصریحات سے معلوم ہوا کہ اگر شرعی اعذار (بشمول وبائی امراض) کی بنا پر مسجد کی جماعت فوت ہوتی ہے، یا شرکت نہیں کرسکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل وکرم سے معذوری سے پہلے کی حالت کا لحاظ کرتے ہوئے جماعت کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

باجماعت نماز کے لیے عورتوں کا مسجد جانا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں مسجد نبوی میں نماز کے لیے جاتی تھیں، واضح رہے کہ وہ زمانہ خیر القرون کا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ ولم بنفس نفیس موجود تھے، وحی کا نزول ہوتا تھا، اسلامی احکام نازل ہو رہے تھے اور عورتوں کے لیے علم دین اور شریعت کے احکام کو سیکھنا ضروری تھا، اس وقت بھی انہیں یہی حکم تھا کہ عمدہ لباس، زیوارت اور خوشبو لگا کر نہ آئیں، خوب چادر لپیٹ کر آئیں، نماز سے فراغت کے بعد فوراً واپس بھی ہو جائیں۔

ان پابندیوں کے ساتھ عورتوں کو مسجد آنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا؛ لیکن پسند بھی نہیں فرمایا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو ترغیب دی کہ عورتوں کا گھر میں، گھر میں بھی اندرونی کمرے میں نماز پڑھنا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

حضرت ام سلمۃ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر مساجد النساء قعر بیتوھن. (رواہ احمد: ۲۶۵۴۲ و، ابن خزیمۃ، والحاکم والبیھقی فی سننہ)

عورتوں کے لیے بہترین مسجد ان کے گھروں کا اندرونی حصہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صلوۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا، و صلاتھا فی مخدعھا افضل من صلاتھا فی بیتھا.

(ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد: ۵۷۰)

اندرونی ہال میں عورت کا نماز پڑھنا گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اندرونی کمرے میں عورت کا نماز پڑھنا گھر کے ہال میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

حضرت ام حمیدؓ فرماتی ہیں: رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: میں

جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو؛ مگر تمہاری وہ نماز جو گھر کی اندورنی کمرے میں ہو، وہ بیرونی کمرے کی نماز سے بہتر ہے، بیرونی کمرے کی نماز گھر کے صحن کے نماز سے بہتر ہے، گھر کے صحن کی نماز محلے کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور محلے کی مسجد کی نماز میری مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔

چناں چہ ام حمیدؓ نے اپنے گھر والوں سے کہا: میرے لیے گھر کے ایک اندرونی کمرے میں جو نہایت تاریک ہو، نماز کی جگہ بنائی جائے، چناں چہ ان کی خواہش کی موافق نماز کی جگہ تیار کی گئی، اُسی تاریک اور اندرونی کمرے میں نماز پڑھتی رہیں؛ یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملیں۔ (مسند احمد: ۲۷۰۹۰، وابن خزیمۃ وابن حبان)

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کا جماعت کی نماز کے لیے حاضر ہونا محض اباحت، رخصت اور اجازت کی بنا پر تھا، تاکید، فضیلت، سنت یا استحباب کی وجہ سے نہیں تھا، اس رخصت اور اباحت سے عورتوں کو فائدہ اٹھانے کا پورا حق تھا، اس وجہ سے جو خاوند اپنی عورتوں کو مسجد جانے سے روکتے تھے، آپ انھیں منع فرماتے؛ تاکہ ان کا حق زائل نہ ہو، اس رخصت، اباحت اور خاوند پر نکیر کے باجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے اور فضیلت بیان فرماتے تھے۔

کس قدر افسوس اور حیرت ہے ان لوگوں کے حال پر جو عورتوں کو مسجد میں بلاتے اور جماعت کی نماز میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں، غضب یہ ہے کہ عورتوں کے مسجد جانے کو سنت بتاتے ہیں اور اپنے فعل کو احیائے سنت سمجھتے ہیں۔

خوفِ فتنہ اور فساد زمانے کی بنا پر عورتوں کا مسجد جانا مکروہ

رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے وصال، اسلامی احکام کی تکمیل اور تعلیم کا مقصد پورا ہو گیا، فتنوں کا دور شروع ہوا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

لو ادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما احدث النساء، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل. (بخاری: ۸۶۹)

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ حالت دیکھتے جو اس وقت عورتوں نے پیدا کر دی ہے، تو عورتوں کو مسجد آنے سے ضرور منع فرما دیتے۔

ان وجوہات کی بنا پر فقہائے کرام نے فتوی دیا کہ عورتوں کو پنج وقتہ نمازوں کے لیے مسجد جانا مکروہ ہے۔

حرمین شریفین میں عورتوں کی حاضری

عورتوں کا جمعہ، عیدین اور پنج وقتہ نمازوں کے لیے مسجد جانا فی نفسہ جائز ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں مسجد نبوی میں عیدین اور پنج وقتہ نمازوں کے لیے حاضر ہوتی تھیں، مدینے منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مسجدیں اور بھی تھیں؛ مگر عورتیں صرف مسجد نبوی میں آتی تھیں، دیگر مساجد میں شاذ و نادر ہی جاتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

> **ماصلت امرأة خيرلهامن قعربيتهاالاان يكون المسجدالحرام اومسجدالنبی صلی اللہ عليه وسلم الاامرأة تخرج فی منقليها يعنی خفيها.** (رواہ الطبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد: ۲۱۱۳، اعلاء السنن ۴/ ۲۴۴)

کسی عورت کے لیے اپنے گھر کے اندورنی کمرے سے بہتر جگہ نماز کے لیے نہیں ہے، الا کہ مسجد حرام ہو، یا مسجد رسول اللہ ہو، الا کہ کوئی نہایت بوڑھی عورت ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں تین مقاصد کے لیے مسجد آتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت، مسجد نبوی کی برکت اور دین و شریعت کے حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتی تھی، مسجد حرام میں طواف، مسجد اور جگہ کی برکت حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتی تھیں۔

دین کامل و مکمل ہو چکا ہے، اب دین و شریعت کا علم حاصل کرنے کے لیے مسجد کے علاوہ بھی دیگر ذرائع موجود ہیں، حرمین میں عورتوں کی حاضری کے بقیہ مقاصد اب بھی موجود ہیں، لہٰذا حرمین شریفین عورتیں جا سکتی ہیں؛ بلکہ جانا چاہئے کہ اس طرح کے قیمتی

اوقات بہت کم نصیب ہوتے ہیں، لہذا حرمین شریفین کا حکم عام مساجد کے حکم سے مختلف ہوگا۔ (مستفاد از تحفۃ الالمعی ۲/ ۴۱۶)

ایک ضروری وضاحت اور ضرورت

عورتوں کا فی نفسہ مسجد جانا جائز ہے؛ بلکہ فرض نماز کی ادائیگی کی ضرورت ہو اور کوئی مناسب جگہ میسر نہ ہو، تو مسجد جا کر کسی کونے میں نماز ادا کرنی چاہئے، عورتیں حالتِ سفر، یا کسی ضرورت کے پیش نظر عوامی مقامات: ایر پورٹ، ریلوے اسٹیشن، بس اسٹیشن اور کاروباری علاقوں میں ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے، تو مرد حضرات مساجد میں، یا مصلوں میں وقت پر نماز ادا کر لیتے ہیں؛ لیکن عورتیں نماز قضا کر دیتی ہیں، محض اس وجہ سے کہ مسجد، یا مصلوں میں عورتوں کے لیے جانا جائز نہیں ہے؛ حالاں کہ مسئلہ ایسا نہیں ہے، بلاضرورتِ شدیدہ عمداً نماز کی قضا کرنے کی شریعت میں بالکل گنجائش نہیں ہے، لہذا عوامی مقامات: ایر پورٹ، ریلوے اسٹیشن، بس اسٹیشن اور کاروباری علاقوں میں مصلی النسا، یا مساجد میں عورتوں کے لیے مخصوص دروازہ، وضوخانہ اور الگ کمرے کا انتظام نہ ہو، تو ان کی نمازیں قضا ہو جائیں گی، لہذا عوامی مقامات اور مسجدِ طریق میں عورتوں کے لیے نماز کا انتظام ہونا چاہئے، اگر مستقل مصلی النسا نہ ہو، تو عورتیں مسجد ہی میں کسی کنارے اپنی نماز ادا کر لیں، قضا ہرگز نہ کریں۔

* * *

صفوں کی درستگی، فضیلت، اہمیت اور متعلقہ مسائل

صفِ اول کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگوں کو اذان دینے اور صفِ اول میں شرکت کی فضیلت کا علم ہوجائے (کہ اس میں کیا خیر و برکت ہے؟) پھر لوگوں کو اذان دینے اور صفِ اول میں شرکت کا موقع نہ ملے اور اس کے لیے قرعہ اندازی کی نوبت پیش آئے، تو لوگ اس کے لیے بھی تیار ہوجائیں گے (اور اس فضیلت کو حاصل کرنے کی ضرور کوشش کریں گے) (رواہ مسلم عن ابی ھریرۃؓ، باب تسویۃ الصفوف: ۴۳۷، ۱/ ۱۸۲، ترمذی ۱/ ۵۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اگلی صف والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں اور ملائکہ اُن کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔

(رواہ النسائی عن البراء بن عازب، کتاب الامامۃ، باب کیف یقوم الامام الصفوف: ۸۱۱، ۱/ ۹۳)

حضرت عرباض بن ساریہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی صف والوں کے لیے تین مرتبہ دعا فرمائی اور بعد کی صف والوں کے لیے ایک مرتبہ دعا فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیلنی منکم اولو الاحلام والنهی، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم الخ.

باجماعت نماز میں دانش منداور سمجھ دار قسم کے لوگوں کو چاہئے کہ مجھ سے قریب کھڑے ہوں، پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو سمجھ داری اور عقل مندی میں ان سے قریب ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے قریب ہیں الخ۔ (رواہ الترمذی: ۸۲۲، ۱/ ۵۵)

سمجھ دار اور عقل مند حضرات امام کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز سیکھیں اور یاد رکھیں، اگر نماز کے دروان خلیفہ بنانے کی ضرورت پیش آئے، تو مناسب آدمی مل سکے، یا بھول چوک پیش آنے کی صورت میں صحیح لقمہ دے سکیں، اس لیے علماء، حفاظ اور دینی سمجھ رکھنے

والوں کو امام سے قریب کھڑے ہونا چاہئے۔

نوٹ: صفِ اول سے مراد کامل صف ہے جو ایک جانب سے دوسری جانب تک ہو، امام کے ساتھ، یا بڑے محراب میں چند لوگ صف بنالیں، تو وہ پہلی صف کی مصداق نہیں ہے۔ (معارف السنن عن البحر الرائق، ردالمحتار ۲/ ۲۹۴)

لہٰذا اللہ کی رحمت، رسول اللہ کی مکرر دعا اور ملائکہ کی دعا کی برکت حاصل کرنے کے لیے صف اول میں شرکت کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے۔

نماز کی صفوں کا اختلاف مسلمانوں کے آپسی اختلاف کا سبب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لتسون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوھکم.

(رواہ البخاری عن النعمان بن بشیر: ۷۱۷، ۱/ ۱۰۰، والترمذی ۱/ ۵۵، ۲۲۲:)

صفوں کو بالکل درست اور ٹھیک رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کے درمیان مخالفت پیدا فرمادیں گے۔

علمائے کرام نے اس حدیث کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں، پہلا مطلب: اگر باجماعت نمازوں میں صفوں کو درست نہیں رکھو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو مسخ (بگاڑ) کردیں گے، اس مطلب کی تائید مسند احمد کی روایت سے ہوتی ہے جس میں لفظ طمس آیا ہے جس کا معنی چہروں کو بگاڑ دینا ہے، یعنی چہرے کی ہیئت، شکل اور صورت بگاڑ دی جائے گی۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ صفوں کو درست رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو مخالف بنادیں گے، یعنی تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض وعداوت اور نفرت وکدورت پیدا فرمادیں گے کہ ہر شخص دوسرے کو دیکھ کر منہ موڑ کر دوسری طرف نکل جائے گا۔

شارح مسلم علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

حدیث کا دوسرا مطلب مراد لینا ہی بہتر ہے، مطلب یہ ہوا کہ اگر نماز کی صفیں درست نہ ہوں، تو سماج ومعاشرے میں بغض وعدوات، نفرت وکدورت، اختلاف اور

انتشار پیدا ہوگا، محبت و بھائی چارگی، اتحاد و اتفاق ختم ہو جائے گا، با جماعت نماز میں مقتدیوں کا ظاہر چوں کہ مختلف اور یکساں نہیں ہے، اس ظاہری اختلاف کی وجہ سے باطن اور اندرون بھی اختلاف و انتشار، فتنے اور فسادات شکار ہوگا۔

(مستفاد از: درس ترمذی ۱/۴۸۶)

حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے کندھوں پر ہاتھ رکھتے تھے اور فرمایا تے:

استووا، ولا تختلفوا، فتختلف قلوبکم، لیلینی منکم۔۔۔ قال ابو مسعود: فانتم اشد اختلافا. (رواہ مسلم، باب تسویۃ الصفوف: ۴۳۲، ۱/۱۸۲)

صفوں کو درست رکھو، آگے پیچھے مت ہونا، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔۔۔ حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں: تم لوگوں میں (صفوں کے درست نہ ہونے کی وجہ سے) سب سے زیادہ اختلاف اور انتشار ہے۔

صفوں کو درست کرنے کی اہمیت

صفوں کو سیدھی اور درست کرنا نماز کی سنتوں میں سب سے زیادہ مؤکد سنت ہے، صفوں کی درستگی کمال نماز کا اہم حصہ ہے، جمہور علماء کے نزدیک صفوں کی درستگی اگرچہ شرائطِ نماز میں داخل نہیں ہے، اس کے بغیر بھی نماز درست ہو جائے گی؛ لیکن نماز کامل و مکمل نہیں ہوگی۔

صفیں سیدھی کرنا امام کی ذمہ داری ہے، اگر امام اس کا اہتمام نہ کرے اور صفیں سیدھی نہ ہوں، تو قیامت میں امام ماخوذ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو تیر کو طرح سیدھی کرنے کا اہتمام فرماتے تھے؛ یہاں تک کہ آپ نے سمجھا کہ ہم (حضرات صحابہ) صفیں درست کرنا سیکھ چکے ہیں، ایک دن دیکھا کہ ایک شخص کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صفوں کو بالکل درست و ٹھیک رکھو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کے درمیان مخالفت پیدا فرما دیں گے۔

(رواہ مسلم، باب تسویۃ الصفوف ۴۳۶، ۱/۱۸۲، والنسائی ۸۱۰، ۱/۹۳)

براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کے درمیان کندھوں اور سینوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے (صفوں کو ٹھیک کرتے ہوئے) ایک جانب سے دوسری جانب نکل جاتے تھے اور فرماتے کہ صفوں میں آگے پیچھے مت کھڑے ہو، ورنہ تمہارے دل آگے پیچھے ہو جائیں گے۔ (دلوں میں نفرتیں، دشمنیاں اور اختلافات پیدا ہو جائیں گے)۔ (نسائی ۸۱۱، ۱/ ۹۳)

متعدد روایات میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم: بار بار فرمایا کرتے تھے **استووا، استووا، اقیموا صفوفکم.**

سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور صفوں کو درست کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند حضرات کو ذمہ داری دی تھی کہ وہ صفوں کو سیدھی کیا کریں، جب وہ حضرات صفوں کے درست ہونے کی اطلاع دیتے تھے، تب حضرت عمر ؓ تکبیر تحریمہ کہتے۔ (ترمذی ۱/ ۵۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتدیوں کا نام لے لے کر ان کو آگے پیچھے، دائیں اور بائیں جانب ہونے کا حکم فرماتے۔ (ترمذی ۱/ ۵۵)

معلوم ہوا کہ صفوں کو درست اور سیدھی کرنے کی ذمہ داری امام کی ہے، موجودہ زمانے میں ائمہ حضرات صفوں کو درست کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، بعض حضرات صرف اعلان کرنے کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ دیتے ہیں، بعض ہندوستانی ائمہ عربی زبان میں اعلان کرتے ہیں، یہ عجیب وغریب تماشوں سے صفیں درست نہیں ہوسکتیں؛ بلکہ اس کا اہتمام کرنے سے ہوتی ہیں، بطور خاص عارضی مقامات میں صفوں کی درستگی کا خوب اہتمام ہونا چاہئے۔

صفوں کو درست کرنے کا طریقہ

الف: اگلی صفوں کی تکمیل

صفوں کو درست اور ٹھیک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً اگلی صفیں بالترتیب مکمل کی جائیں اور درمیانی جگہوں کو پر کیا جائے، جب اگلی صفیں بالترتیب مکمل ہو جائیں اور درمیان میں جگہ خالی بھی نہ ہو، تو پھر نئی صف بنائی جائے، اسی ترتیب سے بقیہ صفیں بنائی جائیں۔

حضرت جابر بن سمرۃؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور فرمایا:

الاتصفون کماتصف الملائکة عندربهم ؟ قالوا :وکیف تصف الملائکة عندربهم ؟قال یتمون الصف الاول ،تم یتراصون فی الصف. (رواہ النسائی، باب الامامۃ، باب حث الامام علی رص الصفوف: ۸۱۶، ۱؍۹۳)

کیا تم ایسی صف نہیں بناؤ گے؟ جیسی صف ملائکہ اپنے رب کے پاس بناتے ہیں، ہم نے عرض کیا: ملائکہ کس طرح صف بناتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صفِ اول کو مکمل کرتے ہیں، پھر ایک دوسرے سے لگ لگ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتموا الصف الاول، ثم الذی یلیه، وان کان نقص، فلیکن فی الصف المؤخر. (رواہ النسائی، باب الامامۃ، الصّف المؤخر: ۸۱۸، ۱؍۹۳)

صف اول کو مکمل کرو، پھر اس سے ملی ہوئی صف کو مکمل کرو، اگر صف ناقص ہو، تو وہ آخر صف ہونی چاہئے۔ (یعنی اگلی تمام صفیں مکمل ہونی چاہئے، آخری صف مقتدیوں کی کمی کی وجہ سے ناقص رہ سکتی ہے)

ب: درمیانی خلا پر کرنا

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

راصوا صفوفکم ،وقاربوا صفوفکم بینها ،وحاذوا بالاعناق ، فوالذی نفس محمد بیده انی لاری الشیاطین تدخل من خلل

الصف کانها الحذف.

(رواہ النسائی، باب الامامۃ، حث الامام علی رص الصفوف: ۸۱۵، ۱/ ۹۳)

صفوں میں لگ لگ کر قریب قریب ہو کر کھڑے ہو جاؤ، کندھے کو کندھے کے برابر رکھو، اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، میں شیاطین کو صفوں کے درمیان داخل ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں گویا کہ وہ بکری کا بچہ ہے (کہ تھوڑی جگہ میں بھی داخل ہو جاتا ہے)۔ لہٰذا صفوں میں خالی جگہ ہرگز نہیں چھوڑنی چاہئے۔

صف کی تکمیل اور خالی جگہوں کو پر کرنے کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من وصل صفا، وصله اللّٰه، ومن قطع صفا، قطعه اللّٰه عز وجل.

(رواہ النسائی، کتاب الامامۃ، من وصل صفا: ۸۱۹، ۱/ ۹۳)

جو شخص صف کو جوڑے (صف میں خالی جگہ پر کرے، یا اگلی صف کو مکمل کرے)، اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی رحمت سے) جوڑتے ہیں، جو شخص صف کو کاٹے (صف میں خالی جگہ چھوڑ دے، یا صف کو پُر نہ کرے، یا ادھوری صف کو مکمل نہ کرے) اس کو اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) کاٹتے ہیں۔

ج: مقتدیوں کی ایڑیاں اور ٹخنے ایک سیدھ میں ہوں

سب مقتدیوں کی ایڑیاں اور ٹخنے ایک سیدھ میں ہوں، پیر قد و قامت کے اعتبار سے چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں، اس لیے ایڑیاں اور ٹخنے ایک سیدھ میں ہوں، تو ان شاء اللہ صف ایک ہی سیدھ میں ہو جائے گی۔ (البحر الرائق، باب الامامۃ ۱/ ۶۱۷)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقیموا صفوفکم، فانی اراکم من وراء ظهری، وکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه.

(رواہ البخاری، باب الزاق المنکب بالمنکب: ۷۱۷، ۱/ ۱۰۰)

اپنی صفیں ٹھیک رکھو، اس لیے کہ میں اپنی پیچھے کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ہم لوگ کندھے سے کندھا ملا کر اور قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہوتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

المراد بذالك المبالغة فی تعديل الصف، و سد خلله.

(فتح الباری ۲/ ۲۶۲)

مذکورہ عبارت سے صفوں کی تعدیل میں مبالغہ مراد ہے کہ حضراتِ صحابہ تعدیلِ صفوف کا نہایت اہتمام فرماتے تھے، الفاظ کے ظاہر سے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا کرنا کھڑا ہونا سمجھ میں آتا ہے، یہ مطلب مراد نہیں ہے، اس لیے کہ یہ طریقہ عملاً دشوار ہے؛ بلکہ مقصود تعدیلِ صفوف ہے۔

مذکورہ حدیث کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے کھڑے ہو کر صفوں کو ایک سمت اور ایک سیدھ پر کرنے کے لیے اس طرح کھڑے ہوتے تھے: تاکہ صف بالکل سیدھی ہو جائے، نماز کی ابتدا سے آخر تک اسی حالت میں کھڑے ہوتے تھے، یہ مطلب ہرگز مراد نہیں ہے، اس لیے کہ اس طریقے میں تکلف بھی ہے اور تکلیف بھی۔ (اعلاء السنن ۴/ ۳۳۶)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

غیر مقلدین بخاری شریف کی مذکورہ روایت کا سہارا لے کر صفوں میں انتشار پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، صف میں اپنے پیر کو دوسرے کے پیر سے، اپنے کندھے کو دوسرے کے کندھے سے تکلف، تکلیف اور نہایت غلط ہیئت کے ساتھ ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ حقیقۃً کندھے سے کندھا ملانا اور پیر سے پیر ملانا ناممکن ہے، اس لیے کہ مقتدی حضرات کا قد مختلف ہوتا ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہوگا؟ مقصد کندھے کے برابر کندھا رکھنا، پیر کے برابر پیر رکھنا ہے؛ تاکہ ایک سیدھ میں ہو جائیں؛ لیکن یہ حضرات ظاہری الفاظِ حدیث کا سہارا لے کر مسلمانوں کی صفوں میں اختلاف اور انتشا پیدا کرتے ہیں، غیر مقلد محدثین نے مذکورہ حدیث کی کیا تشریح کی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی شارح ابی داوٗد حضرت ابن عمرؓ کی روایت کی تشریح

میں لکھتے ہیں:

> **حاذاو بالمناكب اى اجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد من المصلين موازيا لمنكب الآخر ومسامتاله، فتكون المناكب، والاعناق، والاقدام على سمت واحد.**
>
> (عون المعبود ۲/۲۵۸)

کندھے کو کندھے کے برابر میں رکھو، اس طور پر کہ ہر مصلی کا کندھا دوسرے مصلی کے کندھے کے برابر ہو، غرض یہ کہ تمام مقتدیوں کی گردن، کندھے اور پیر سب ایک ہی سمت اور ایک ہی لیول پر ہوں۔

سعودیہ کے مفتی محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ کا فتوی

صفوں کی درستگی میں ٹخنوں کو ٹخنوں کے برابر رکھنا مراد ہے، ایک آدمی کی انگلیاں دوسرے آدمی کی انگلیوں کے برابر رکھنے کا اعتبار نہیں ہے، اس لیے کہ بدن ٹخنوں پر کھڑا ہوتا ہے، انگلیاں پیروں کے چھوٹے اور بڑے ہونے کے اعتبار سے آگے پیچھے ہوں گی، لہٰذا صف کو انگلیوں کے اعتبار سے ٹھیک کرنا ممکن نہیں۔

> **اما الصاق الكعبين بعضهما ببعض، فلاشك انه وارد عن الصحابة، رضی اللہ عنہ فانهم كانوا يسوون الصفوف بالصاق الكعبين بعضهما ببعض، ان كل واحد منهم يصلق كعبه بكعب جاره لتحقق المحاذاة وتسوية الصف، فهو ليس مقصود لذاته، لكنه مقصود لغيره كماذكر ذالك اهل العلم، ولذالك اذاتمت الصفوف، وقام الناس ينبغي لكل واحد ان يلصق كعبه بكعب صاحبه لتحقق المساواة، وليس معنى ذالك ان يلازم هذا الالصاق، ويبقى ملازماله في جميع الصلوة.**
>
> **ومن الغلو فى هذه المسئلة مايفعله بعض الناس من كونه يلصق كعبه بكعب صاحبه، ويفتح قدميه فيما بينهما حتى يكون بينه وبين جاره فى المناكب فرجة، فيخالف السنة فى ذالك، والمقصود ان**

المناکب و الا کعب تتساوی. (مجموع فتاوی ابن عثیمین فتوی: ۴۲۸)

خلاصہء جواب: صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے یقیناً مروی ہے کہ وہ حضرات صف میں اپنا ٹخنہ دوسرے کے ٹخنہ سے ملا کر کھڑے ہوتے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اس طرح کھڑے ہو کر صفوں کو ایک سمت اور ایک سیدھ پر کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے؛ تاکہ صف بالکل سیدھی ہو جائے، نماز کی ابتدا سے آخر تک اسی حالت میں کھڑے ہوتے تھے، یہ مطلب ہرگز مراد نہیں ہے۔

بعض جاہل ونادان لوگ بہت زیادہ غلو سے کام لیتے ہوئے نماز میں پیروں کو پھیلا کر اپنے ٹخنوں کو دوسرے کے ٹخنوں سے لگا کر رکھتے ہیں، اپنے اور پڑوسی کے کندھوں کے درمیان خلا چھوڑتے ہیں؛ حالاں کہ خالی جگہ چھوڑے بغیر کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا ہونا سنت ہے، صفوں کی یہ شکل خلافِ سنت ہے، صفوں کے درست کرنے میں مقصود یہ ہے کہ کندھے اور ٹخنے برابر اور ایک لیول پر ہوں۔

صفوں کی ترتیب سے متعلق مسائل

مسئلہ: اگر ایک مقتدی ہو، تو، بالاجماع وہ مقتدی امام کی داہنی جانب کھڑا ہوگا؛ البتہ کھڑے ہونے کے طریقے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں برابر کھڑے ہوں گے، کوئی آگے پیچھے نہیں ہوگا۔

امام محمدؒ کے نزدیک مقتدی اپنا قدم امام کی ایڑیوں کے برابر رکھے گا، فقہائے حنفیہ نے فرمایا کہ اگرچہ دلیل کے اعتبار سے شیخین کا قول راجح ہے؛ لیکن تعامل امام محمدؒ کے قول کے مطابق ہے اور یہ قول احوط بھی ہے، اس لیے کہ برابر کھڑے ہونے میں غیر شعوری طور پر آگے بڑھ جانے کا اندیشہ ہے، جب کہ امام محمدؒ کا قول اختیار کرنے کی صورت میں یہ خطرہ نہیں ہے، اسی لیے فتوی بھی امام محمدؒ ہی کے قول پر ہے۔ (معارف السنن ۲/ ۲۱۳)

مسئلہ: اگر کوئی شخص صف میں تنہا ہو، کسی کے آنے کی امید ہو، تو رکوع تک انتظار کرے، اگر رکوع میں جانے تک کوئی نہ آئے، تو اگلی صف سے کسی شخص کو کھینچ کر

اپنے ساتھ کھڑا کرلے، اگر کسی کی ایذارسانی کا اندیشہ ہو، یا لوگ مسئلے سے ناواقف ہوں، یا کسی فتنے وانتشار کا خوف ہو، تو تنہا صف میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرلے، نماز ہو جائے گی؛ البتہ مذکورہ احکام کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے کراہت ہوگی۔

(معارف السنن ۲/۳۰۷، درس ترمذی ۱/۴۸۸)

مسئلہ: اگر دو مقتدی ہوں، تو امام کے پیچھے مستقل صف بنائیں گے۔

(رواہ الترمذی عن سمرۃ بن جندب ۱/۵۵)

ضرورت کے پیش نظر امام کی داہنی اور بائیں جانب بھی کھڑے ہو سکتے ہیں۔

(رواہ الترمذی اثر ابن مسعود ۱/۵۵)

مسئلہ: اگر مستورات امام کی اقتدا کریں، تو وہ مستقل صف بنائیں گی، اگر ایک خاتون ہو، تو وہ بھی مستقل صف میں کھڑی ہوگی۔ (رواہ الترمذی عن انس ۱/۵۵)

مسئلہ: اگر کوئی شخص دیکھے کہ اگلی صف میں جگہ خالی ہے، تو وہ شخص اگلی صف کو پر کرنے کے لیے نمازیوں کے سامنے سے گزر سکتا ہے، نیز گردن پھاند کر جانے کی بھی گنجائش ہے، ان صورتوں میں گناہ لازم نہیں آئے گا۔ (معارف السنن نقلا عن البحر ورد المحتار ۲/۳۰۰)

مسئلہ: اگر صف کے درمیان ستون حائل ہو، اس صف میں باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے، ستونوں کے درمیان منفرد شخص بلا کراہت نماز پڑھ سکتا ہے، نیز نماز پڑھنے کی جگہ تنگ ہو اور مصلیوں کے لیے ناکافی ہے، تو بھی بلا کراہت باجماعت نماز بھی ہو جائے گی۔ (معارف السنن ۲/۳۰۶)

* * *

سُترے کا اہتمام اور اس سے متعلق مسائل

نمازی اللہ سے سرگوشی کرتا ہے، جب نماز شروع کرتا ہے، تو اس کے اور اللہ کے درمیان ایک قسم کا تعلق اور ربط قائم ہوجاتا ہے، جب مصلی کے سامنے سے کوئی انسان، کوئی جاندار شیء گذرتی ہے، تو مصلی کی نگاہ بکھرتی ہے، ذہن منتشر ہوجاتا ہے، جو توجہ اور استحضارِ قلب نماز میں نمازی کو حاصل تھا، وہ ختم ہوجاتا ہے، دوبارہ قائم نہیں ہوسکتا، اس لیے شریعت نے نمازی سے کہا کہ جب نماز پڑھو، تو ایسی جگہ نماز پڑھو جہاں سے کسی کے گذرنے کا امکان نہ ہو، اگر کسی کے گذرنے کا امکان ہو، تو کسی ستون، کجاوہ کی لکڑی اور جو چیز سترے کے قابل ہو، اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھو۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذاصلی احدکم، فلیصل الی سترۃ، ولیَدْنُ منھا. (رواہ ابوداؤد ۱/۱۰۱:۶۹۵)

جب کوئی شخص نماز پڑھے، تو سترہ قائم کرے اور اس سے قریب ہوکر پڑھے۔

اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا:

المصلون احق بالسواری من المتحدثین الیھا.

(رواہ البخاری تعلیقا، باب الصلوٰۃ الی الاسطوانۃ:۹۵، ۱/ ۷۲)

بات چیت کرنے والوں کی بنسبت ستونوں کے زیادہ مستحق نمازی ہیں، یعنی بات چیت کرنے والا ستون کا سہارا لیتا ہے؛ لیکن مصلی ستون کو سترہ بناتا ہے؛ تاکہ نماز میں کسی کے گذرنے کی وجہ سے ذہنی انتشار سے محفوظ رہے، گذرنے والوں کے لیے گناہ اور زحمت کا سبب بھی نہ بنے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، حضرت ابن عمرؓ نے اس شخص کو ایک ستون کے سامنے کھڑا کردیا (تاکہ مصلی کے سامنے سے کوئی نہ گذرے)۔ (رواہ البخاری تعلیقا، باب الصلوۃ الی الاسطوانۃ:۹۵، ۱/ ۷۲)

سترہ قائم کرنے کے باوجود کوئی شخص مصلی کے سامنے سے گذرتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گذرنے والا شیطان ہے، جہاں تک ہوسکے اس کو (تسبیح وغیرہ کی آواز یا ہاتھ کے اشارے سے) روکنے کی کوشش کرو۔ (ردالمحتار، باب مایفسد الصلوۃ ۲/ ۴۰۱)

جمعہ کے دن ایک سترے کی آڑ میں حضرت ابوسعید خدریؓ نماز پڑھ رہے تھے، ایک نوجوان آپ کے سامنے سے گذرنے لگا، اس کے لیے کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا، حضرت ابوسعید خدریؓ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کو روکا، دوبارہ گذرنا چاہا، حضرت ابوسعید خدریؓ نے پہلے سے زیادہ سختی سے اس کو دھکا دیا، اس نے مدینے کے حاکم مروان بن حکم کے پاس شکایت کردی، جس پر حضرت ابوسعید خدریؓ نے مذکورہ حدیث سنائی۔ (رواہ البخاری، باب یرد المصلی من مر بین یدیہ: ۵۰۹، ۱/ ۷۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من استطاع منکم ان لا یحول بینه و بین قبلته احد، فلیفعل.

(رواہ ابوداؤد عن ابی سعید، باب ما یومر المصلی ان یدرأ: ۶۹۹، ۱/ ۱۰۱)

تم میں سے کوئی شخص (دورانِ نماز) اپنے اور قبلے کے درمیان کسی کو حائل ہونے سے روک سکتا ہے، تو ضرور روکے۔

شریعت نے ایک طرف نمازی کو سترے کا اہتمام کرنے کا حکم دیا ہے، تو دوسری طرف نمازی کے سامنے سے گذرنے والوں کو بہت سخت وعید سنائی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیه؟ لکان ان یقف اربعین خیر له من ان یمر بین یدیه، قال ابو النضر: لا ادری اربعین یوما، او شهرا او سنة. (رواہ البخاری، باب اثم المار بین یدی المصلی: ۵۱۰، ۱/ ۷۳)

و روی البزار من طریق ابن عیینة لکان ان یقف اربعین خریفا.

(من مسند زید بن خالد: ۳۹۸۲ واخرجہ الھیثمی فی مجمع الزوائد، وقال رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح، فارتفع الشک، معارف السنن ۳/ ۳۵۷)

نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو پتہ چل جائے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے پر کیا وبال اور عذاب نازل ہوگا، تو گذرنے والا چالیس سال (دوسری روایت میں سوسال، بروایۃ ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃؓ: ۹۴۶) کھڑے ہو کر انتظار کر لے گا؛ لیکن نمازی کے سامنے سے گذرنا گوارا نہیں کرے گا (؛ تا کہ اُس عظیم وبال اور سزا سے بچ جائے)۔

یزید بن نمرانؓ فرماتے ہیں: میں تبوک میں ایک اپاہج شخص کو دیکھا (اُس شخص سے اپاہج ہونے کی وجہ دریافت کی) اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور میں گدھے پر سوار ہو کر آپ کے سامنے سے گذر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بددعا کر دی:

اللھم اقطع اثرہ.

اے اللہ! اس کے (پیر کے) نشانات کو ختم فرما دے، (اس کو پیروں سے معذور کر دے)۔

اس واقعے کے بعد میں پیروں سے معذور ہو گیا اور اپنے پیروں سے چل نہیں سکا۔

(رواہ ابوداؤد، باب ما یقطع الصلوۃ: ۷۰۵، ۱/ ۱۰۲)

علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

اس واقعے سے اندازہ لگائیے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا کس قدر بری بات ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر ناراض ہیں! آپ کی عادت مبارکہ کسی کے لیے بددعا کرنے کی نہیں تھی، اس کے باوجود آپ نے اُس گذرنے والے کے لیے بددعا کر دی اور اس کے پیر شل ہو گئے۔ (العرف الشذی مع الجامع الترمذی ۱/ ۸۳)

سترے سے متعلق مسائل

مسئلہ: کھلے میدان، یا ایسی جگہ جہاں لوگوں کے گذرنے کا احتمال ہو، نماز پڑھنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے سامنے سترہ (کوئی آڑ) قائم کرے، جو کم از کم انگلی

کے بقدر موٹی ہو اور ایک ہاتھ کے بقدر لمبی چیز ہو۔ (معارف السنن ۳/۳۴۹، ردالمحتار، باب مایفسد الصلوۃ ۲/۴۰۱)

مسئلہ: امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہوجائے گا۔ (ردالمحتار، باب مایفسد الصلوۃ ۲/۴۰۱)

مسئلہ: طواف کرنے والا نمازی کے سامنے سے گذر سکتا ہے۔
(معارف السنن ۳/۳۴۹)

مسئلہ: نمازی کے سامنے سے گذر کر اگلی صف پوری کی جاسکتی ہے۔
(معارف السنن ۲/۳۰۰ ردالمحتار، باب مایفسد الصلوۃ ۲/۴۰۱)

مسئلہ: کوئی شخص کھلی جگہ، یا بڑی مسجد میں سترے کے بغیر نماز پڑھ رہا ہو، تو ایسی جگہ سے گذرنا جائز ہے جہاں تک نمازی کی نگاہ نہیں پہنچتی، اگر وہ خشوع وخضوع کے ساتھ سجدے کی جگہ نگاہ جما کر نماز پڑھے، اگر مسجد چھوٹی ہے، تو نمازی کے سامنے سے گذرنا بالکل جائز نہیں ہے۔ (ردالمحتار، باب مایفسد الصلوۃ ۲/۳۹۸)

گذارش: مندرجہ بالا سطور میں نمازی اور نمازی کے سامنے سے گذرنے والوں سے متعلق شرعی احکام کو ذکر کیا گیا، مساجد کی انتظامیہ سے گذارش ہے کہ وہ مسجد میں لکڑی اور لوہے کے سترے بنا کر مناسب جگہوں پر رکھے؛ تاکہ نماز پڑھنے والے اطمینان وسکون سے نماز پڑھ سکیں، مسجد سے باہر جانے والے نمازوں کو خراب کئے بغیر اور نمازی کے سامنے سے گذر کر گناہ کا ارتکاب کئے بغیر نکل جائیں۔

* * *

مساجد میں غیر مسلموں کا داخلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غیر مسلم مسجدوں میں آتے رہے ہیں؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم وفود کو مسجد نبوی میں قیام کراتے تھے، اس لیے دعوتی مقصد کے پیش نظر غیر مسلم بھائیوں کو مسجد لے آنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے بشرطیہ کہ ان کے جسم پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''نجد'' کی جانب ایک گھوڑ سوار جماعت روانہ فرمائی، وہ حضرات بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر کے لے آئے اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا: ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اے محمد! میرے پاس خیر ہے (یعنی مجھے آپ کی کریم ذات سے خیر کی امید ہے)، مزید عرض کیا: اگر آپ مجھے قتل کر دیں، تو ایک واجب القتل شخص کو قتل کرنے والے ہوں گے (اس لیے کہ ہم نے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچائی ہیں) اگر آپ احسان فرمائیں گے (قتل کیے بغیر چھوڑ دیں گے) تو ایک احسان مند انسان پر احسان کریں گے (میں آپ کے احسان کو یاد رکھوں گا) اگر آپ مال چاہتے ہیں؟ تو جتنا مال آپ چاہیں گے، ہم اُتنا مال ادا کریں گے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلے گئے۔

پھر دوسرے دن تشریف لا کر یہی سوالات کیے، ثمامہ بن اثال ؓ نے ان ہی جوابات کو دہرایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوابات سن کر خاموش ہو گئے،، تیسرے دن آپ نے فرمایا: ثمامہ کو کھول دو، ثمامہ ؓ کھجور کے قریبی باغ میں گئے، غسل کیا، پھر مسجد میں داخل ہوئے، کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام قبول کر لیا، عرض کیا، خدا کی قسم روئے زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی مبغوض چہرہ نہیں تھا، اب آپ کا چہرہ انور سب سے زیادہ محبوب

ہو گیا ہے، روئے زمین پر آپ کے دین سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی دین نہیں تھا، اب آپ کا دین سب سے زیادہ پیارا ہو گیا ہے، آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند کوئی شہر نہیں تھا، اب آپ کا شہر تمام شہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔

پھر انھوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں عمرے کے ارادے سے "مکہ مکرمہ" جا رہا تھا، آپ کے ساتھیوں نے مجھے گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے، اب میں عمرے کے سلسلے میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمرہ ادا کرلو، چناں چہ انھوں نے مکہ مکرمہ حاضر ہو کر عمرہ کیا الخ۔

(رواہ البخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفۃ وحدیث ثمامۃ: ۲/ ۷۴۳، ۲/ ۶۲۷)

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ایک باب "باب دخول المشرک المسجد" کے نام سے قائم فرمایا ہے، اس باب میں اس روایت کو پیش فرما کر ثابت کیا ہے کہ غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا صحیح ہے۔

نیز شارحین حدیث نے فرمایا ہے: اسلام کا تعارف اور اس کی دعوت، غلط فہمیوں کا ازالہ اور مسجد کا ماحول، مسلمانوں کے اجتماعی اور انفرادی اعمال کو دکھانے کی غرض سے غیر مسلم بھائیوں کو مسجد لے جانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، بسا اوقات غیر مسلم مسجد کے اعمال، ماحول اور اخلاق سے متاثر ہوتے ہیں، ان کے شکوک وشبہات زائل ہوتے ہیں، اسلام سے قریب ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ اسلام قبول بھی کر لیتے ہیں، جیسے کہ حضرت ثمامہ بن اثال کو اسی مقصد کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تین دن قیام کروایا تھا؛ تاکہ مسجد کا ماحول اور مسلمانوں کے اجتماعی وانفرادی اعمال، اخلاق، ان کی عبادت، عبدیت اور اجتماعیت کا نظارہ کریں، وہ بھی قبولِ اسلام کی طرف راغب ہو جائیں۔

حسن بصریؒ سے منقول ہے بنو ثقیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ان کے لیے مسجد کے پچھلے حصے میں خیمہ لگایا گیا؛ تاکہ وہ لوگ مسلمانوں کی نماز کو دیکھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، یارسول اللہ! آپ نے

مشرکین کو مسجد میں ٹھہرایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمین ناپاک نہیں ہوتی، انسان ناپاک ہوتا ہے، (کفر کی ناپاکی دخول مسجد کے لیے مانع نہیں ہے)۔

(مراسیل ابی داؤد، باب ماجاء فی الصلوۃ :۱۷)

عثمان بن ابی العاصؓ فرماتے ہیں:

بنوثقیف کے وفد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ٹھہرایا؛ تاکہ ان کے دل (مسلمانوں کی عبادت، عبدیت اور مسجد کے ماحول سے) نرم ہوں۔

(ابوداؤد، کتاب الخراج والامارۃ، باب ماجاء فی خبر الطائف:۳۰۲۶، ۲/۴۲۸)

مولانا شبیر احمد صاحب قاسمی مفتی شاہی مراد آباد حضرت تھانویؒ کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

غیر مسلم ظاہری نجاست سے حفاظت کا اہتمام نہیں کرتا؛ لیکن اس کے بدن پر ظاہری نجاست نہیں ہے اور اس کے داخل ہونے سے مسجد کے نجس ہونے کا خطرہ نہیں ہے، تو غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ (امداد الفتاوی جدید ۶/۲۵۶)

ولا یدخل الذی علی بدنہ نجاسۃ المسجد.

(ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، سنن الغسل ۲/۴۲۸ الفتاوی الہندیۃ ۵/۳۲۱)

ایک ضروری تنبیہ

الحمد للہ بعض علاقوں میں غیر مسلم برادرانِ وطن کے سامنے اسلام کا تعارف پیش کرنے، ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے، اخوت اور بھائی چارگی کا شعور پیدا کرنے اور ان کو مسلمانوں سے جو دوریاں، نفرتیں اور غلط فہمیاں پیدا کی گئیں ہیں، یا ہو جاتی ہیں، ان کے ازالے کے لیے مساجد میں مفید پروگرام منعقد کیے جا رہے ہیں، ان پروگراموں میں شرکت سے پہلے مسجد میں داخل ہونے کے آداب بتائے جاتے ہیں، مسجد سے متعلقہ امور کا تعارف کرایا جاتا ہے اور باجماعت نماز و دعا کا نظارہ کرایا جاتا ہے، یہ نہایت خوش آئند اور قابلِ مبارک باد کوشش ہے۔

ان پروگراموں میں اس بات کا خاص اہتمام ولحاظ ہونا چاہئے کہ غیر مسلم

بھائی مسجد میں مسلمانوں کی طرح آداب واحترام کے ساتھ داخل ہوں، فوٹوگرافی اور ویڈیوگرافی نہ کی جائے کہ تصویر کشی خارجِ مسجد بھی حرام ہے، مسجد میں دوگنی حرمت ہوگی، ہندوستان میں جو تاریخی مساجد ہیں، غیر مسلم بھائی ان کی سیر وتفریح کے لیے جاتے ہیں؛ لیکن عموماً بے پردگی، بے حیائی اور نیم عریانیت کے ساتھ مساجد میں داخل ہوتے ہیں، یہ کیفیت اور طریقہ ناجائز، اسلامی اور اخلاقی غیرت کے سراسر خلاف ہے۔

* * *

مساجد کے لیے غیر مسلم بھائیوں کا تعاون

بنیادی طور پر مسجد کی تعمیر، اس کی ضروریات کی تکمیل مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور یہ کام ان ہی کی شایانِ شان ہے، غیر مسلم سے مساجد اور دینی کاموں کے لیے تعاون لینا بہت ہی بے غیرتی کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ. (التوبۃ:۱۸)

بے ایمانوں کے لیے لائق نہیں ہے کہ وہ مساجد کی تعمیر کریں۔

اسی لیے بعض فقہاء کے نزدیک تعمیرِ مسجد میں غیر مسلم کا تعاون لینا درست نہیں ہے، بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، مذکورہ آیت کو تعمیر معنوی پر محمول کیا ہے۔

علامہ شامیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ غیر مسلم کا ایسا وقف قبول کرنا جائز ہے، جس کو وہ بھی قربت و نیکی خیال کرتے ہوں اور ہمارے نزدیک بھی وہ کارِ قربت ہو۔

(مستفاد: قاموس الفقہ ۵/ ۹۲)

خلاصہ ءکلام یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر، یا دیگر ضروریات، یا دینی کاموں کے لیے غیر مسلم تعاون کریں، تو حتی الوسع ان کا تعاون قبول کرنے سے احتیاط کرنی چاہئے، اگر کسی مصلحت، یا ضرورت کی بنا پر ان کے تعاون سے استفادہ کرنا ہی پڑے، تو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ قبول کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: جدید فقہی مسائل ۱/ ۱۵۶)

دینی کاموں میں غیر مسلم بھائیوں سے تعاون کی شرائط

(۱) مسجد کے تعاون کو اپنے مذہب کے مطابق قربت سمجھتا ہو اور مذہبِ اسلام کے مطابق بھی وہ کام قربت و نیکی ہو۔

(۲) حلال آمدنی سے تعاون کرے، مخلوط آمدنی ہو؛ لیکن حلال غالب ہو، تو بھی درست ہے۔

(۳) مستقبل میں مسلمانوں پر احسان جتلانے، یا حقِ ملکیت کا دعوی، دخل اندازی، یا کسی اور فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ (فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۱۳۸)

(۴) غیر مسلم کے تعاون سے متاثر ہوکر ان کے مذہبی شعائر میں مسلمانوں کی شرکت، یا اسلامی شعائر واحکام میں مداہنت کا اندیشہ نہ ہو۔

صح وقف الذمی بشرط کونه قربة عندنا، وعندهم، کمالو وقف علی اولاده او علی الفقراء۔۔۔لو وقف علی مسجد بیت المقدس، فانه صحیح لانه قربة عندنا وعندهم.

(البحر الرائق، شروط الوقف، الحادی عشر ان یکون للواقف ملة ۵/ ۳۱۶)

ذمی کے وقف کے لیے شرط یہ ہے کہ جس چیز کے لیے وہ وقف کر رہا ہے، وہ وقف اس کے مذہب اور مذہبِ اسلام کے مطابق بھی قربت کا ذریعہ ہو۔

لو انفق فی ذالك مالا خبیثا، و مالا سببه الخبیث و الطیب، فیکره لان الله لا یقبل الا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله.

(ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب ما یفسد الصلوۃ، فروع احکام المسجد ۲/ ۴۳۱)

اگر کوئی شخص حرام، یا حرام وحلال مخلوط مال سے مسجد کا تعاون کرنا چاہے، تو مکروہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ (حلال) مال ہی کو قبول کرتے ہیں، لہٰذا اس کے گھر کے لیے ایسا مال استعمال نہیں کیا جائے گا جس کو وہ پسند نہیں کرتا۔

فتاوی بزازیہ میں مذکور ہے:

غالب مال المُهْدی ان کان حلالا، لا باس بقبول هدیته، و اکل ماله، مالم یتعین انه من حرام، و ان غلب ماله الحرام، لا یقبلها، و لا یاکل الا اذا قال: انه حلال ورثه او استقرضه.

(البزازیہ علی هامش الهندیہ، کتاب الکراهیة ۶/ ۳۶۰، فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۱۱۴)

ہدیہ دینے والے کا اکثر مال حلال ہو، تو اس کے ہدیہ کو قبول کرنے اور استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ جب تک کہ ہدیہ کا حرام مال میں سے ہونا متعین نہ

ہو جائے، اگر اس کی اکثر آمدنی حرام ہو ہو، تو اس کو قبول کرنا اور اس کو استعمال کرنا درست نہیں ہے، الا یہ کہ ہدیہ دینے والا صراحت کرے کہ یہ حلال مال کا ہدیہ ہے جو اس کو میراث میں ملا ہے، یا کسی سے اس نے قرض لیا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہلِ اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہلِ اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت، یا ان کی خاطر اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے، اس شرط سے قبول کر لینا جائز ہے۔ (امداد الفتاوی جدید ۶/ ۱۵۷)

احمد بن مصطفی المراغیؒ تحریر فرماتے ہیں:

> **للمسلمين ان يقبلوا من الكافر مسجدا بناه كافر، او اوصى ببناءه، اوترميمه اذالم يكن فى ذالك ضرر دينى اوسياسى ---لانهم يطعمون فى الاستيلاء على هذاالمسجد ،فربما جعلوا ذالك ذريعة لادعاحق لهم فيه.** (تفسیر المراغی، سورۃ التوبۃ ۱۰/ ۷۴)

مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ غیر مسلم کی تعمیر کی ہوئی مسجد کو قبول کریں، یا غیر مسلم نے مسجد کی تعمیر، یا اس کی مرمت کرنے کی وصیت کی ہے، تو اس کو قبول کرنا درست ہے بشرط یہ کہ کوئی دینی، یا سیاسی نقصان کا اندیشہ نہ، اگر دینی وسیاسی اعتبار سے نقصان کا اندیشہ ہو، تو قبول کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ بے ایمان مسجد ومدارس پر مال خرچ کریں گے، پھر ان پر قبضہ وتسلط جمانے کی کوشش کریں گے، یا ملکیت کا دعوی کریں گے۔

یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں ہمارے اکابر نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے مساجد کے لیے سرکاری امداد نیز مدرسہ بورڈ کو قبول کرنے سے منع کرتے رہے ہیں، آج سرکاری امداد کریں گے، کل مساجد ومدارس کی ملکیت، نظام وغیرہ کے سلسلے میں دخل اندازی کریں گے، یا ان کو معطل اور ویران کر کے رکھ دیں گے، جیسا کہ ہندوستان کے بعض صوبوں میں اس طرح کی دخل اندازی، انہدامی کارروائی وغیرہ کی شروعات ہو چکی ہے۔

تیسرا باب:

مسجد کے آداب، پاکی صفائی
مسجد اور نمازیوں کی ضروریات

آداب المساجد

مسجد کے آداب کی اہمیت

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ ۔ (النور:۳۶)

وہ ایسے گھروں میں ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ (بیان القرآن)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: رفعِ مساجد سے مراد مساجد کی تعظیم، تکریم، ادب واحترام، ان کو نجاستوں اور گندی چیزوں سے پاک وصاف رکھنا ہے۔

(معارف القرآن ۶/ ۴۱۴)

وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ ۔ (الحج:۳۲)

جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے، تو اس کی یہ تعظیم دل کے ساتھ خدا سے ڈرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ (معارف القرآن)

مساجد دین کے شعائر، اللہ کی عبادت کی جگہیں اور نزولِ رحمت کے مقامات ہیں؛ جہاں فرشتوں کی آمد ورفت ہوتی رہتی ہے اور مساجد تمام روئے زمین پر سب سے بہتر جگہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور تعظیم واکرام اپنا گھر قرار دیا ہے، لہذا ان کی تعظیم وتکریم ہم پر واجب، ان کی بے ادبی وگستاخی ہمارے لیے ممنوع اور ان کی توہین واہانت موجبِ وبال ہے، لہذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مسجد کے احترام وتعظیم کو ملحوظ رکھیں۔

آداب کا بیان

(۱) مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پیر رکھ کر داخل ہو، پھر بسم اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

اللھم افتح لی ابواب رحمتك.

اے اللہ اپنی رحمت کے دروازے میرے لیے کھول دے۔

جب مسجد سے باہر نکلے، تو بایاں پیر رکھ کر داخل ہو، پھر بسم اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

اللهم انی اسئلك من فضلك.

اے اللہ میں تیرے فضل کو مانگتا ہوں۔

(مسلم ۱/۲۴۸ عن ابی اسید، بخاری ۱/۶۱، وزاد ابن ماجہ فلیسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲) مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرے، بشرط یہ کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگ نماز، درس اور ذکر میں وغیرہ میں مشغول نہ ہوں۔

اگر کوئی شخص مسجد میں نہ ہو، تو سلام کے الفاظ اس طرح کہے:

السلام علینا، وعلی عباده الله الصالحین.

(رواه عبدالرزاق عن ابن عباس موقوفا، باب مایقول اذا دخل المسجد: ۱۶۶۸، ورواه الحاکم علی شرط الشیخین واقره الذهبی، سورة النور: ۳۵۱۴)

(۳) بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے۔ (بخاری ۱/۶۳ عن ابی قتادة، مسلم ۱/۲۴۸)

(۴) مسجد میں کثرت سے اللہ کا ذکر کرے۔

(۵) مسجد میں کوئی چیز نہ خریدے اور نہ ہی فروخت کرے۔

(ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو ۵۴ رقم: ۷۴۸)

(۶) مسجد میں تلوار، یا کوئی ہتھیار بغیر نیام کے نہ لے جائے کہ اس سے لوگوں میں وحشت پیدا ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو ۵۴، رقم: ۷۴۸)

(۷) مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان نہ کرے۔ (ابوداؤد عن ابی هریرة ۱/۶۸ رقم: ۱۰۷۹)

(۸) دنیاوی گفتگو نہ کی جائے۔

(۹) آگے بڑھنے کے لیے لوگوں کی گردنوں کو نہ پھاندے۔

(۱۰) جگہ کے لیے کسی مصلی سے جھگڑا نہ کرے۔

(۱۱) صف میں کسی کے لیے جگہ تنگ نہ کرے، یعنی جگہ تنگ ہونے کی صورت میں کسی کو تکلیف پہنچا کر اپنے لیے جگہ نہ بنائے۔

(۱۲) نمازی کے سامنے سے نہ گذرے۔ (بخاری ۱/ ۷۳ عن ابی جہم)

(۱۳) مسجد میں نہ تھوکے۔ (بخاری ۱/ ۶۱ عن ابی سعید وابی ھریرۃ)

(۱۴) انگلیاں نہ چٹخائے۔ (ترمذی ۱/ ۸۸ رقم: ۳۸۶)

(۱۵) گندگی، بے شعور بچوں اور پاگلوں سے مسجد کو بچایا جائے۔

(ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو ۵۴ رقم: ۷۴۸، ۲، تا ۱۵ فتاوی ہندیہ: ۵/ ۳۲۱ وذکر القرطبی مفصلا فی سورۃ النور)

(۱۶) پیاز، لہسن وغیرہ بدبودار چیزیں کھا کر مسجد میں نہ جائے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی اس بدبودار درخت (پیاز ولہسن) میں سے کھائے، وہ ہماری مسجدوں میں نہ آئے، اس لیے کہ فرشتے اُن چیزوں سے تکلیف محسوس کرتے ہیں، جن چیزوں سے انسان تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

(رواہ مسلم عن جابر ۱/ ۲۰۹، رقم: ۵۶۴)

صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:

اے لوگو! تم دو بدبودار درختوں کی سبزیوں کو کھاتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جس شخص کے منہ سے لہسن یا پیاز کی بدبو محسوس فرماتے تھے، اس کو مسجد سے نکال کر بقیع میں بھیج دیتے تھے اور فرماتے جس شخص کو کھانا ہی ہو، تو وہ اس کو اچھی طرح پکا کر کھائے کہ ان کی بدبو ماری جائے۔ (مسلم ۱/ ۲۰۹: ۵۶۷)

بیڑی، سگریٹ، حقہ، پان پراگ اور اس کی تمام اقسام کھا کر مسجد جانا بھی منع ہے؛ کیوں کہ سگریٹ اور ان جیسی چیزوں کی بو لہسن اور پیاز کی بو سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

(مستفاد از معارف القرآن ۶/ ۴۱۴)

(۱۷) مسجد میں شور وشغب نہ کرے۔

حضرت سائب بن یزیدؒ فرماتے ہیں:

حضرت عمرؓ نے مجھے بھیج کر دو شخصوں کو بلایا، آپؓ نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے ہو؟ انہوں نے کہا ''طائف'' سے حاضر ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تم مدینے کے

ہوتے، تو میں تم کو تکلیف دہ سزا دیتا

”لو کنتما من اهل البلد، لأوجعتكما“.

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آواز بلند کرتے ہو؟۔

(بخاری ۱/ ۶۷ رقم: ۴۷۰)

(۱۸) مسجد کو گذرگاہ (راستہ) نہ بنایا جائے۔ (رواہ ابن ماجہ عن ابن عمرؓ رقم ۵۴ رقم: ۷۴۸)

(۱۹) مسجد میں ہوا خارج نہ کی جائے۔

(یکرہ عندنا تحریما اخراج الریح من الدبر، معارف السنن ۳/ ۳۱۱)

(۲۰) مسجد میں حالتِ جنابت اور حالتِ حیض میں داخل نہ ہوں۔

(رواہ ابوداؤد عن عائشۃ ۱/ ۳۰ رقم: ۲۳۲)

مسجد کے آداب سے متعلق مسائل

(۱) مسئلہ: مسجد میں پاک صاف جوتا چپل پہننا جائز ہے؛ لیکن احترامِ مسجد کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (فتاوی ہندیۃ ۵/ ۳۲۱)

(۲) مسئلہ: موبائل فون میں سادہ گھنٹی لگانی چاہئے، نہ کہ میوزک والی، یہ کراہت سے خالی نہیں (مسجد میں اس کی بالکل گنجائش ہی نہیں ہے) اسلام میں موسیقی کو پسند نہیں کیا گیا ہے، اس لیے مسجد میں داخل ہوتے ہوئے موبائل کو بند کردینا چاہئے۔

(مستفاد از کتاب الفتاویٰ ۴/ ۲۵۴)

(۳) مسئلہ: مسجد میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ اور مسجد کے باہر کرنا خلافِ سنت تو نہیں ہے؛ لیکن مستحب طریقہ یہی ہے کہ مسجد میں نکاح کیا جائے۔

اعلنوا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدف.

(رواہ الترمذی عن عائشۃ ۱/ ۲۰ رقم: ۱۰۸۹)

نکاح کا اعلان کرو، مسجد میں نکاح کرو اور نکاح پر دف بجایا کرو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

يستحب أن يعقد في المسجد.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہؓ مسجد میں نکاح کرنے کا اہتمام فرماتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک جماعت کو دیکھا اور فرمایا: یہ کیسا اجتماع ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: نکاح ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحسین فرمائی۔

اس لیے مسجد میں مجلسِ نکاح منعقد کرنا مستحب ہے اور اس کو رواج دینے کی ضرورت ہے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ گانا، بجانا اور اس طرح کی لغویات سے از خود بچ جائیں گے اور احترامِ مسجد کے پیش نظر ایسی باتوں سے گریز بھی کریں گے۔ (مستفاد از کتاب الفتاویٰ ۴/ ۲۷۳)

* * *

مسجد کی پا کی صفائی

مسجد کی پا کی صفائی کی اہمیت وفضیلت

مساجد اللہ کے گھر ہیں، جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت، بندگی، تلاوت ذکر وغیرہ کیا جاتا ہے اور عبادت کرنے والے بندے مسجد میں عبادت کے لیے حاضر ہوتے ہیں، فرشتے ان کے ہم نشین ہوتے ہیں، لہٰذا مسجدوں کو ظاہری و باطنی گندگیوں سے پاک وصاف کرنا ہر ایمان والے کی ذمہ داری ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۲۶ . (الحج:۲۶)

میرے گھر کو طواف کرنے والوں، نماز میں قیام، کوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے (ظاہری و باطنی نجاستوں سے) پاک رکھو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی قبلے والی دیوار میں ناک کی رطوبت دیکھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بہت ناگواری ہوئی اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بذات خود اپنے دستِ مبارک سے اس رطوبت کو صاف فرمایا۔

(بخاری، باب حک البزاق بالید من المسجد: ۴۰۵، ۱/ ۸۵)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صاف کرنے کے بعد فرمایا: میرے پاس عبیر لے آؤ، ایک نوجوان دوڑا ہوا اپنے گھر گیا اور اپنے ہاتھ میں تھوڑا سا خلوق (ایک قسم کی خوشبو جس میں زعفران ملا ہوا ہوتا ہے) لے آیا، آپ علیہ السلام نے اُس کو رطوبت کی جگہ لگایا۔ (مسلم ۲/ ۴۱۶: ۳۰۰۸)

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ مسجد کو ہر قسم کی گندگی سے پاک صاف

رکھنا چاہئے، دوسری بات یہ کہ ہر مسلمان کو ذاتی اعتبار سے مسجد کو پاک صاف کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناک کی رطوبت کو اپنے ہاتھوں سے صاف فرمایا، مسجد کی صفائی میں معمولی خدمت کو بھی اپنی سعادت سمجھے اور خود اپنی ذات سے مسجد کو کسی بھی طریقے سے گندی کرنے کی کوشش نہ کرے۔

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد قبا تشریف لے گئے، مسجد میں غبار دیکھا، تو کھجور کی ایک چھڑی منگوائی اور اُس چھڑی سے اپنے کپڑے کو باندھ کر جھاڑو کی طرح بنالیا اور بذات خود اس لکڑی سے مسجد کی صفائی فرمائی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من أخرج اذى من المسجد، بنى الله له بيتا فى الجنة.

(ابن ماجہ: ۷۵۷، باب تطہیر المساجد: ۵۵)

جو آدمی مسجد سے کسی تکلیف دہ چیز (گندگی، کوڑا کرکٹ وغیرہ) کو دور کرے، اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں ایک گھر بناتے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عُرِضتُ على أجور أمتى حتى القذاة يخرجها الرجل من المسجد، وفى رواية ابن عبدالرزاق او البعرة. (ابوداؤد، ترمذی، مصنف عبدالرزاق: ۵۹۷۷)

میری امت کے (اعمال کے) اجروثواب کو میرے سامنے پیش کیا گیا، اس (دفترِ اعمال) میں (ایک عمل) کوڑا کرکٹ، یا مینگی جس کو کوئی آدمی مسجد سے باہر پھینکتا ہے، اس کا اجر بھی لکھا ہوا تھا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

امر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المساجد فى الدور، وأن تنظف، وتطيب. (رواہ الترمذی وغیرہ: ۵۹۸، ۱/۱۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلے محلے میں مساجد بنانے، ان کو پاک صاف کرنے

اور انھیں معطر و خوشبودار کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس روایت میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے، پہلا حکم یہ ہے کہ محلہ محلہ مسجدیں بنائی جائیں یعنی مسجد اتنی قریب ہو کہ تمام لوگ آسانی کے ساتھ جماعت کی نماز میں شریک ہوسکیں، دوسرا حکم یہ ہے کہ مسجدیں صاف ستھری اور معطر رکھی جائیں۔

ہم لوگ اللہ کے فضل و کرم سے مسجدیں صاف ستھری رکھتے ہیں؛ مگر ان کو خوشبودار کرنے کا رواج ہمارے علاقوں میں نہیں ہے، آج بھی عرب حضرات مساجد کی صفائی کا اہتمام کرتے ہیں اور ان کو عود کی دھونی سے خوشبودار بھی کرتے ہیں۔

مسجد کی صفائی میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ

(۱) مساجد کو وقتاً فوقتاً معطر و خوشبودار کرنا چاہئے۔

حضرت عمرؓ ہر جمعہ مسجد نبوی میں عود کی دھونی دیا کرتے تھے۔ (رواہ ابویعلیٰ وغیرہ :۱۹۰) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ خانہ ٔ کعبہ کو ہر دن اور بطور خاص جمعہ کے دن عود کی دھونی دیا کرتے تھے۔ (اخبار مکۃ للازرقی ۱/ ۲۵۷)

(۲) مسجد کے فرش اور صحن میں جھاڑو دیا کرے، اگر فرش پر قالین بچھائی گئی ہو، تو مشین سے قالین کو صاف کرے۔

(۳) صحنِ مسجد یا مسجد میں کسی بھی جگہ کاغذ کے ٹکڑے، یا کوڑا کرکٹ گرا ہوا ہو، تو اس کو فوراً اٹھا کر باہر پھینک دے۔

(۴) مسجد کی دیوار، الماری، روشن دان، چھت، کھڑکیوں، برقی پنکھے وغیرہ پر گرد وغبار مکڑی کا جالا جمع ہوجاتا ہے، لہٰذا اس کا خیال رکھا جائے اور وقتاً فوقتاً ان کو صاف کیا جائے۔

(۵) مسجد کے دروازوں اور کھڑکیوں میں اگر شیشہ لگا ہوا ہو، تو اس کا بھی خیال رکھے؛ تاکہ اس پر غبار جمع ہو کر بدنما محسوس نہ ہو اور کبھی کبھی شیشہ صاف کرنے والی لکویڈ سے مسجد کے شیشوں کی صفائی کرے۔

(۶) رمضان المبارک میں بعض روزہ دار شرعی مسجد، یا صحنِ مسجد میں افطاری کرتے

ہیں، مسجد میں افطاری کرنے والوں کو پاکی صفائی کی تاکید کرنی چاہئے کہ اعتکاف کی نیت سے مسجد میں دستر خوان بچھا کر افطار کریں اور افطاری سے فارغ ہونے کے بعد دستر خوان صاف کر کے کوڑا کرکٹ ڈز بن Dust bin میں ڈال کر مسجد کو پاک وصاف کر دیں، افطار کرنے والوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے مسجد کا فرش، صفیں یا صحن میں پانی، میوجات کے چھلکے، وغیرہ گرا دیتے ہیں، لہذا افطار کے فوراً بعد مسجد کی صفائی کرنی چاہئے۔

(۷) مسجد کی الماریوں میں جو قرآن شریف، پارے، اوراد و وظائف کی کتابیں اور دیگر دینی کتب ہوں، تو ان کو ترتیب اور سلیقے سے رکھے اور ان سے گرد و غبار صاف کرتے رہنا چاہئے۔

(۸) مسجد میں مصاحف اور پاروں کی تعداد زیادہ ہو جائے، تو وقف کرنے والوں سے گزارش کی جائے کہ کوئی ضرورت مند مسجد ہو، تو وہاں پہنچا دیا جائے؛ تاکہ آپ کا مقصد پورا ہو اور قرآن پاک کا حق بھی ادا ہو۔

(۹) مسجد میں بے شعور بچوں اور دیوانوں کو آنے نہ دیا جائے، اس لیے کہ یہ لوگ بے شعوری کی وجہ سے مسجد کو آلودہ کرتے ہیں، شور شرابے سے نماز میں خلل پیدا کرتے ہیں۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضؓ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

جنبوا المساجد صبیانکم و مجانینکم.

(رواہ ابن ماجہ: ۷۵۰، ورواہ عبد الرزاق عن ابی ھریرۃ ومعاذ بن جبل رضؓ: ۱۷۲۸)

بے شعور بچوں اور دیوانوں کو مسجد سے دور رکھو۔

(۱۰) مسجد میں جمعہ اور عیدین میں استعمال کی جانے والی اشیاء مثلاً زائد حصیریں، قالین، قرآن شریف پڑھنے کی تپائیاں وغیرہ صحیح اور مناسب جگہ سلیقے سے رکھی جائیں۔

(۱۱) مسجد کے در و دیوار میں وقتاً فوقتاً چونا رنگ و روغن کرنا چاہئے؛ تاکہ مسجد خوب صورت اور پاک و صاف نظر آئے۔

وضوخانہ، غسل خانہ اور بیت الخلا کی صفائی

(۱) وضوخانے سے مسجد تک لمبی ٹاٹ (میٹ) بچھائی جائے؛ اس لیے کہ وضو سے فارغ ہوکر آنے والا شخص جب مسجد کی طرف آئے گا، تو پیر گیلے ہونے کی وجہ سے راستے کا گرد وغبار پیروں میں لگ جائے گا، اسی گرد وغبار کے ساتھ جب آدمی مسجد کے اندرونی حصے میں داخل ہوگا، تو گیلے پیروں سے اندر آنے کی وجہ سے قالین، حصیر میلے کچیلے ہوجائیں گے اور اس ٹاٹ اور میٹ کو گرد وغبار سے صاف رکھنے کا اہتمام ہونا چاہئے۔

(۲) شرعی مسجد میں تھوکنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے، صحن مسجد میں بھی اگرچہ زمین کچی ہو، بلغم، پان کی پیک تھوکنا اور ناک کی رطوبت وغیرہ زمین پر گرانا ادب کے خلاف ہے، اگر تھوکنے کی ضرورت پیش آجائے، تو مسجد کے باہر تھوکے، یا وضوخانے کی نالی میں تھوک کر پانی بہادے، اگر جلد بازی میں صحن مسجد میں کوئی تھوک دے، تو اس پر فوراً مٹی ڈال دے، اگر فرش پختہ ہے، بھول چوک سے پان کی پیک، یا ناک کی رطوبت وغیرہ گرجائے، تو فوراً اس کو صاف کرے۔

(۳) مسجد کے وضوخانے کی صفائی نہایت ضروری ہے، پانی کے استعمال میں اسراف نہ کرے، بے موقع مسواک نہ رکھے، وضو کرنے کے لیے جو سیٹیں بنائی جاتی ہیں، ان پر پیر نہ رکھے اور ان کو گیلا نہ کرے۔

وضو کے دوان بلغم، یا پان کی پیک وغیرہ نالی میں تھوک کر پانی بہائے؛ تاکہ کسی کو اس کی وجہ سے گھن، یا تھوکنے والے سے نفرت پیدا نہ ہو، اگر کسی نے غفلت، یا نادانی کی وجہ سے پانی نہ بہایا ہو، تو دیکھنے والا پانی بہا کر اجر حاصل کرے، نیز پانی کی نالی میں بعض اوقات کاغذات، کوڑا کرکٹ تنکے وغیرہ گرنے کی وجہ سے پانی جمع ہوجاتا ہے، لہذا نالیوں کی صفائی کرتے رہنا چاہئے اور وقتاً فوقتاً صفائی کے بعد (Phenyl) کا استعمال بھی کرنا چاہئے۔

(۴) جو شخص مسجد کے استنجا خانوں اور غسل خانوں کا استعمال کرے، ان کی صفائی کا خیال رکھے، استنجے سے فارغ ہونے کے بعد اچھی طرح پانی بہائے، اگر اس کی وجہ سے فرش گندہ ہوگیا ہو، تو اس کو بھی صاف کرکے جائے، استنجا خانے میں سگریٹ نوشی نہ

کرے، پان اور پان پر اگ نہ تھوکے کہ اس سے استنجا خانوں کی بدبو میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور مسجد میں آنے والے نمازیوں کو تکلیف بھی ہوتی ہے، نیز اگر استنجے کے لیے ڈھیلا، یا ٹشو کاغذ استعمال کرے، تو اس میں رکھے ہوئے کوڑا دان میں ڈالے، یا باہر پھینک دے، اگر استنجا خانے میں کوڑا دان نہ ہو، تو وہاں نہ ڈالے، مسجد کے غسل خانوں میں صابون کے کاغذات، بال، بلیڈ وغیرہ نہ ڈالے۔

مسجد کے ذمہ دار حضرات نے جس شخص کو وضوخانہ، غسل خانہ اور استنجا خانوں کی پاکی صفائی لیے مقرر کیا ہو، اُس شخص کے لیے ان تمام باتوں کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے، وقتاً فوقتاً آسیڈ Acid کا استعمال کرے اور صفائی کے بعد فنائل (Phenyl) کا بھی استعمال کرے۔

(۵) جوتے اور چپل کے لیے جو جگہ متعین کی گئی ہے، اسی جگہ جوتے اور چپل اتار دے، اس لیے کہ بعض اوقات صحن مسجد میں چپل پہننے کی ممانعت ہوتی، عموماً لوگ اس جگہ چپل کا استعمال نہیں کرتے، اگر کوئی اس جگہ پر چپل کے ساتھ چلا جائے، تو چپل کی نجاست وگندگی صحنِ مسجد میں گرے گی اور صحن مسجد میں خالی پیر چلنے والے مصلی کے پیر اور مسجد کا فرش وغیرہ خراب ہوگا۔

پاکی صفائی سے متعلق مسائل

(۱) مسجد میں معتکف کے علاوہ کسی کے لیے بلا ضرورتِ شدیدہ سونا درست نہیں ہے، ضرورت کی وجہ سے سونے والا موٹا کپڑا اچھا کر سوئے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

(۱) حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک لکڑی تھے، آپ ﷺ نے ہمیں اس سے متنبہ کیا، فرمایا اٹھ جاؤ اور مسجد میں نہ سوؤ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء فی المسجد: ۱۶۵۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

مسجد کو نہ رات میں سونے کی جگہ بناؤ نہ دن میں آرام کرنے کی جگہ۔

لا یتخذہ مبیتاً وّ لا مقیلاً. (ترمذی ۱/ ۳۹:۳۲۱)

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نیند میں احتلام یا خروجِ ریح کا اندیشہ ہوتا ہے اور اس سے مسجد آلودہ ہو جائے گی۔ (مستفاد: کتاب الفتاویٰ ۴/ ۲۶۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:

وہ نوجوان اور کنوارے تھے، کوئی مکان میسر نہیں تھا، چناں چہ مسجد ہی میں سویا کرتے تھے اور رات بھی وہیں گذرتی تھی۔

یہ روایت بخاری شریف کے علاوہ دیگر کتابوں میں بھی منقول ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے وقتی طور پر قیام کی گنجائش ہے، ہاں، بلا ضرورت مسجد میں سونا، کھانا، پینا وغیرہ مکروہ ہے، اسی لیے فقہاء نے اعتکاف کرنے والے شخص کے لیے کھانے پینے کی اجازت دی ہے، اس لیے اہل محلہ کو تو مسجد میں کسی دینی مصلحت، یا کسی ضرورت کے بغیر قیام کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور مسافر کے لیے بہتر ہے کہ جب مسجد میں مقیم ہو، تو اعتکاف کی نیت کر لے۔

چناں چہ فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

> **ویکرہ النوم والاکل فیہ أی المسجد لغیر المعتکف، وإذا أراد أن یفعل ذلك ینبغی أن ینوی الاعتکاف فیہ، ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی، ولا بأس للغریب، ولصاحب الدار أن ینام فی المسجد فی الصحیح فی المذهب، والأحسن أن یتورع، فلاینام.**

(الفتاویٰ الھندیۃ ۵/ ۳۲۱، ردالمختار ۳/ ۴۴۰)

غیر معتکف کے لیے مسجد میں سونا اور کھانا مکروہ ہے، جب ایسا کرنا چاہے، تو مناسب ہے کہ اعتکاف کی نیت کر لے، جتنی دیر کی نیت کی ہے، اتنی دیر اللہ کے ذکر میں مشغول رہے، نیز مسافر اور اہل محلہ جن کے لیے گھر ہیں، ان کے لیے مسجد میں سونے میں حرج نہیں، احتیاط بہتر ہے۔

(۲) شرعی مسجد کے باہر پکوان کرنا اور بال کاٹنا جائز ہے؛ لیکن ضرورت پوری ہونے

کے بعد اس جگہ کو صاف کر دینا بھی ضروری ہے۔

اگر مسجد کے غسل خانے میں غسل کیا جائے اور جو جگہ نماز کے لیے مخصوص ہے، اس جگہ سے ہٹ کر مسجد کے صحن میں پکوان کیا جائے، تو اس میں مسجد کی بے ادبی نہیں ہے؛ کیوں کہ اصل شرعی مسجد وہ حصہ ہے جو نماز پڑھنے کے لیے مخصوص ہے، داڑھی کے بال بھی مسجد کے اندر کاٹنا کراہت سے خالی نہیں ہے کہ یہ مسجد میں گندگی پھیلانا ہے؛ بلکہ بعض فقہاء کے یہاں تو کٹا ہوا بال بھی ناپاک ہے، اس لیے بال، ناخن وغیرہ نماز کے لیے مخصوص جگہ سے باہر ہی کاٹے۔ (کتاب الفتاویٰ ۴/ ۲۶۵)

* * *

مسجد اور نمازیوں کی ضروریات

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَاؕ. (البقرۃ: ۱۱۴)

اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکے اور اس کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی صورتیں ہیں، وہ سب ناجائز و حرام ہیں، ان میں سے ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے، یا وہاں نماز اور تلاوت سے صراحۃً روکا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور و شغب کرکے، یا اس کے قرب و جوار میں باجے گاجے بجا کر لوگوں کی نماز و ذکر وغیرہ میں خلل ڈالے، یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

اسی طرح اوقاتِ نماز میں جب لوگ اپنی نوافل، یا تسبیح و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں، مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت، یا ذکر بالجہر کرنے لگے، تو یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ایک حیثیت سے ذکر اللہ سے روکنے کی صورت ہوگی۔

اسی لیے حضراتِ فقہاء نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے، ہاں جب مسجد عام نمازیوں سے خالی ہو، اس وقت ذکر، یا تلاوت جہراً مضائقہ نہیں، اسی سے معلوم ہوگیا کہ جس وقت لوگ نماز و تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں، مسجد میں اپنے لیے سوال کرنا، یا کسی دینی کام کے لیے چندہ کرنا بھی ایسے وقت ممنوع ہے۔ (معارف القرآن ۱/۲۹۰)

نمازیوں کے لیے کن چیزوں کا انتظام ہو

(۱) نماز کے اوقات میں رات کے وقت روشنی اور گرمی کے ایام میں برقی پنکھے چلانے کا اہتمام ہونا چاہئے، بعض مساجد میں جماعت کھڑی ہونے کے وقت چلایا جاتا ہے، جماعت کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فوراً بند کر دیا جاتا ہے، یہ مناسب نہیں ہے، لوگ

مسجد کا تعاون مسجد کی آبادی اور مصلیوں کی سہولت ہی کے لیے کرتے ہیں اور مسجد کی آبادی بھی مصلیوں کی آمد ہی سے ہوتی ہے، اس لیے مصلیوں کی سہولت اور راحت کا پورا خیال رکھنا چاہیے ،لہٰذا وقت کی قید کے بغیر ضرورت کے بقدر روشنی اور برقی پنکھے چلانے کا انتظام ہونا چاہیے۔

(۲) مساجد میں مصاحف، پارے، ان کے لیے رحل اور تپائیاں، تسبیحات، اذکار ومسنون دعاؤں کی کتابیں اور معتبر علمائے کرام کے مختصر کتبِ فضائل اور آسان فقہی رسائل مہیا کرنا چاہیے؛ تاکہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں، نیز نماز کے علاوہ دین کے سیکھنے اوسکھانے کا انتظام بھی ہو۔

(۳) وقت کی پہچان کے لیے گھڑی، اوقات الصلاۃ کا کیلنڈر، اوقاتِ اذان واقامت کا بورڈ مناسب جگہ آویزاں کیا جانا چاہیے؛ تاکہ نو وارد اور مسافر کو اذان واقامت کے وقت کا صحیح پتہ چل سکے، کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

(۴) رات کے وقت مچھر پتی کا انتظام کیا جانا چاہیے؛ تاکہ لوگوں کو مچھروں کی تکلیف سے راحت میسر ہو اور یکسوئی کے ساتھ عبادات میں مشغول رہ سکیں، اس کے لیے AllOut بہتر ہے، اس میں بدبو نہیں ہوتی ہے۔

(۵) پینے کے لیے میٹھا پانی، گرمی کے موسم میں ٹھنڈے پانی کی فراہمی، سردی کے ایام میں وضو کے لیے گرم پانی کا نظم بھی حسبِ استطاعت ہونا چاہیے۔

(۶) اگر مسجد کی جگہ وسیع ہو، تو سواریوں کے لیے پارکنگ کا انتظام بھی ہونا چاہیے ؛ تاکہ سواریوں کے ساتھ آنے والے مصلیوں کے لیے سہولت ہو اور سواری پارکنگ میں کھڑا کرنے کے بعد اطمینان سے اپنی عبادت میں مصروف رہ سکیں۔

(۷) مسجد میں جاتے ہی موبائیل بند کر دینا چاہیے ،موبائیل آن ہونے کی صورت میں کال، یا پیغامات کی گھنٹیاں بجنے کی وجہ سے اپنی اور دیگر نمازیوں کی عبادات خراب ہوتی اور بہت زیادہ انتشار وخلل پیدا ہوتا ہے۔ (مستفاد از کتاب الفتاویٰ ۴/ ۲۵۴)

(۸) شہروں کی مساجد اور اوقاف کی زمینیں وسیع ہوں، تو سواریوں کے لیے پارکنگ

کی ضرورت ہو، تو پارکنگ کا نظم کرنا چاہئے۔

(۹) اگر مسجد بڑی ہو، تو سترے کا نظم بھی ہونا چاہئے؛ تاکہ نماز سے جلد فارغ ہونے والے احباب باہر نکلنا چاہیں، تو مصلی کے سامنے سے گذرے بغیر نکل جائیں اور گناہ کا ارتکاب لازم نہ آئے۔

نوٹ: منتظمینِ مساجد کو ان تمام چیزوں کا انتظام کرنا چاہئے؛ تاکہ نمازیوں کے لیے کسی چیز کی کمی کی شکایت نہ ہو۔

تاخیر سے آنے والے مصلیوں کی سہولت

(۱) مسجد کا سامان اگر محفوظ ہو، تو خادمینِ مسجد کو چاہئے کہ نماز کے اوقات کے علاوہ بھی مسجد کو مصلیوں کے لیے کھلی رکھیں؛ تاکہ مسجد میں حاضر ہوکر مختلف عبادتیں کرسکیں، نیز مسافر، راستہ چلنے والے، نوافل ادا کرنے والے، یا جن لوگوں کی جماعت چھوٹ گئی ہو، وہ لوگ مسجد پہنچ کر نماز ادا کرنا چاہیں، تو آسانی سے نماز ادا کرسکیں، بالخصوص راستے کے کنارے واقع مساجد میں ضرور اس کا اہتمام ہونا چاہئے۔

(۲) اگر مسجد کا سامان محفوظ نہ ہو، تو باجماعت نماز سے فارغ ہونے کے بعد کچھ وقت مسجد کو کھلا رکھنے کا انتظام ہونا چاہئے؛ تاکہ دیر سے آنے والے اور جن لوگوں کی جماعت چھوٹ گئی ہو، وہ حضرات اپنی نماز ادا کرسکیں، کچھ دیر بعد اندورنی مسجد کے دروازے پر تالا لگادیا جائے؛ البتہ رات میں اپنے محلے وبستی کے ماحول کے اعتبار سے جب تک لوگوں کے مسجد آنے کا امکان ہو؛ اُس وقت تک کچھ پانی کے نل اور ایک دو بیت الخلا، بقدرِ ضرورت لائٹ جلا کر صحنِ مسجد کو کھلا رکھنا چاہئے۔

(۳) سامانِ مسجد غیر محفوظ ہونے کی صورت میں مسجد کو تالا لگا سکتے ہیں؛ لیکن اگر کوئی نماز، تلاوت، ذکر اور دعا وغیرہ میں مشغول ہو، تو اس پر سختی کرنا اور بد اخلاقی سے پیش آنا بالکل مناسب نہیں ہے، جیسا کہ بعض نادان خادمینِ مسجد کرتے ہیں؛ بلکہ اس کی نماز مکمل ہونے کا انتظار کرے؛ تاکہ قرآن کریم کی مذکورہ آیت کی وعید میں شامل نہ ہو۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دن ورات کسی بھی وقت میں کسی بھی شخص کو جو بیت اللہ کا طواف کرنا چاہے، یا اس میں نماز پڑھنا چاہے، اس کو منع مت کرو (یہی حکم دیگر مساجد کا بھی ہے)

حضرت فضل بن عباس ؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد بنوعبد مناف کو (جو خانہ ٔکعبہ کے متولی تھے) مخاطب کر کے فرمایا۔ (ابوداؤد: ۱۸۹۴، ۱/ ۲۶۰) اس لیے کہ مساجد اللہ تعالیٰ کی عبادات ہی کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں، لہذا عبادت کرنے والوں کو کسی بھی موقع پر منع نہیں کرنا چاہئے، اسی وجہ سے حرمین شریفین دن ورات کھلے رکھے جاتے ہیں۔

دنیوی تقاضوں کے لیے مسجد آنا بہت بری بات

نوٹ: مسجد میں مذکورہ تمام بشری ضروریات کی سہولت کا انتظام محض عبادت کی نسبت سے کیا جاتا ہے؛ تاکہ عبادت کرنے والے پوری یکسوئی اور طمانیت سے عبادات کر سکیں، لہذا مسجد کو محض اپنی دنیاوی حاجتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے آنا بہت ہی بری بات ہے، مسجد کو ان ضروریات کو پوری کرنے کے لیے نہیں بنایا جاتا ہے؛ بلکہ اللہ کی عبادات کے لیے بنایا جاتا ہے۔

قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ کوئی شخص مسجد میں آئے گا (اپنی دنیوی ضرورت کی وجہ سے) اور نماز پڑھے بغیر گزر جائے گا۔

(رواہ ابن خزیمہ عن ابن مسعود، کتاب الصلوۃ: ۱۳۲۶، مصنف عبدالرزاق: ۱۶۷۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من اشراط الساعۃأن یمر الرجل فی طول المسجد، وعرضہ لا یصلی فیہ رکتعین. (مجمع الزوائد: ۲۰۳۶)

قیامت کی علامتوں سے ایک علامت یہ ہے کہ آدمی مسجد کی لمبائی اور چوڑائی میں چکر لگا کر گزر جائے گا؛ لیکن دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھے گا۔

لہٰذا ہمیں صرف استنجا، کسی سے ملاقات اور دیگر ضرورتوں ہی کے لیے مسجد جانے سے پرہیز کرنا چاہئے، ان ضرورتوں کو کسی اور جگہ پر پوری کرنی چاہئے۔

مسجد میں اعلانات

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد، فلیقل: لا ردالله علیك، فان المساجد لم تبن لهذا. (مسلم، باب النھی عن انشاء الضالۃ فی المسجد ۱/ ۲۱۰: ۵۶۸)

جس آدمی کو دیکھو کہ مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کر رہا ہے، تو کہو: اللہ تم کو وہ چیز واپس نہ کرے، مسجدیں اِس (گم شدہ چیزوں کے اعلان) کے لیے بنائی نہیں گئی ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

گم شدہ چیز کے اعلان کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ مسجد میں کوئی چیز گم ہوجائے اور مسجد میں اس کا اعلان کیا جائے، یہ صورت مکروہ ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد کے باہر کوئی چیز گم ہوجائے اور مسجد میں اس کا اعلان کیا جائے، یہ صورت بہت ہی بری ہے۔ (معارف السنن ۳/ ۳۱۳)

مسجد میں اعلانات سے متعلق مسائل

مسئلہ (۱) مسجد میں گم شہ چیز کی تلاش کے لیے اعلان کرنا جائز نہیں، حدیث شریف میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔

مسئلہ (۲) گم شدہ بچہ کا اعلان انسانی جان کی اہمیت کے پیش نظر جائز ہے۔

مسئلہ (۳) جو چیز مسجد میں ملی ہو، جیسے کسی کی گھڑی ملی، اس کا اعلان (کراہت کے ساتھ) جائز ہے کہ فلاں چیز مسجد میں ملی ہے، جس کی ہو، وہ لے لے۔

مسئلہ (۴) نماز جنازہ کا اعلان بھی جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۱۴۴)

مسئلہ (۵) مسجد کے لاؤڈ اسپیکر میں وہ تمام اعلانات جو مسجد کے آداب کے خلاف ہوں، ناجائز ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۱۵۱)

مسئلہ (۶) مسجد میں دینی، فلاحی اور رفاہی کاموں کے لیے چندہ کی اپیل کرنا

جائز ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک وغیرہ کے مواقع پر دینی، فلاحی اور رفاہی کاموں کے لیے چندے کی ترغیب دی ہے۔

مسئلہ (۷) تنگ دستی وفاقہ کی وجہ سے مسجد میں سوال کرنا؛ یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہوجائے کراہت کے ساتھ جائز ہے، بشرط یہ کہ مسجد میں شور نہ کرے، مصلیوں سے اصرار نہ کرے، گردنوں کو پھاندتا ہوا نہ آگے جائے نہ پیچھے آئے۔
(شرح ابی داؤد للعینی ۶/ ۴۲۲، ردالمحتار باب الجمعہ ۳/ ۴۲)

بہتر ہے کہ ایسے تنگ دست آدمی کے لیے چند معتبر افراد کی تصدیق کے ساتھ ذمہ دارانِ مسجد تعاون کی اپیل کریں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کے لیے ان کی تنگ دستی وپریشان حالی کی وجہ سے جمعہ کے دن لوگوں کو ان کا تعاون کرنے کی اپیل کی۔ (سنن نسائی، کتاب الجمعہ، باب حث الامام علی الصدقۃ ۱/ ۱۵۸: ۱۴۰۸)

> **نوٹ:** مذکورہ مسائل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ مسجد میں مدارس، مساجد اور آسمانی آفتوں کے شکار، مفلوک الحال اور پریشان لوگوں کے لیے تعاون کی اپیل کرنا جائز ہے۔

* * *

چوتھا باب:

مسجد سے متعلق بعض اہم اور ضروری موضوعات:

مسجد میں جماعت ثانیہ، مسجد میں نمازِ جنازہ
فرض نمازوں کے بعد دعا کی اہمیت،
حیثیت اور طریقۂ کار
بیمار کی نماز اور کرسی پر نماز

مسجد میں جماعتِ ثانیہ

جمہور علماء شرع مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہتِ تحریمی پر متفق ہیں، اصحابِ ظواہر اور غیر مقلدین مطلقاً جواز کے قائل ہیں، اس بنا پر غیر مقلدین حضرات ہر مسجد میں جماعت فوت ہونے کی صورت میں جماعتِ ثانیہ پر اصرار کرتے ہیں، مساجد کی انتظامیہ سے الجھتے ہیں اور امت میں ایک قسم کا انتشار پیدا کرتے ہیں، دوسری طرف حنفی، شافعی حضرات کا عمل یہ بتاتا ہے کہ جماعتِ ثانیہ مطلقاً ناجائز ہے، اس وجہ سے زیر بحث مسئلہ افراط وتفریط کا شکار ہو گیا ہے۔

غیر مقلدین حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وعادت، حضرات صحابہ اور تابعین کے طریقے کے خلاف ایک نئے طریقے کو اختیار کرتے ہوئے ہر جگہ جماعت ثانیہ کرتے رہتے ہیں، دوسری طرف جن مقامات میں جن اشخاص کے لیے اور جن شرائط کے ساتھ جماعت ثانیہ کی شرعاً رخصت وگنجائش موجود ہے، عمومی طور پر ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ زیر بحث مسئلے کے تمام دلائل، اس کی تمام صورتوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کی سنت کو مدِ نظر رکھ کر افراط وتفریط، بے جا اصرار، غیر مناسب رویہ اور سختی سے احتراز کرتے ہوئے راہِ اعتدال کو اختیار کیا جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں اتباعِ سنت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

اختلافِ مذاہب

امام احمدؒ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک جب کسی مسجد میں ایک مرتبہ باجماعت نماز ہو گئی ہو، پھر بھی دوسری جماعت بنانا مطلقاً جائز ہے، غیر مقلدین کا مذہب بھی یہی ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور علماء کے نزدیک جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر ہوں، اس مسجد میں ایک مرتبہ اہل محلہ نماز پڑھ چکے ہوں، تو وہاں تکرارِ جماعت مکروہ تحریمی ہے؛ البتہ

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسی صورت میں، ہیئت بدل کر جماعتِ ثانیہ کی جائے، تو کراہت تنزیہی کے ساتھ جائز ہے۔ (اعلاء السنن ۴/۲۶۱، درس ترمذی ۱/۴۸۳)

> **لو دخل جماعة المسجد بعد ماصلی اهله فيه، فانهم يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية ---عن ابی حنيفة لو كانت الجماعة اكثر من ثلاثة يكره التكرار، والا فلا، وعن ابی يوسف: اذا لم تكن علی الهيئة الاولی لاتكره، والاتكره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة.** (ردالمحتار، باب الاذان ۲/۶۴ ومثلہ فی باب الامامۃ: ۲/۲۸۸)

اہل محلہ کے نماز پڑھ لینے کے بعد کوئی جماعت مسجد میں داخل ہوئی، تو وہ حضرات انفرادی طور سے نماز ادا کریں گے، یہی ظاہر روایت ہے، امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ اگر تین افراد سے زیادہ ہوں، تو جماعت مکروہ ہے، ورنہ نہیں، امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ جماعتِ ثانیہ پہلی جماعت سے ہیئت بدل کی جائے، تو مکروہ نہیں ہے، اگر ہیئت اولیٰ پر جماعت ثانیہ قائم کی جائے، تو مکروہ ہے، یہی صحیح قول ہے، محراب سے ہٹ کر جماعت بنانے سے بھی ہیئت بدل جائے گی۔

امام احمدؒ کے دلائل

> **عن ابی سعيد قال جاء رجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ عليه وسلم فقال: ايكم يتجر علی هذا؟ فقام رجل، فصلی معه.**

(ترمذی، ابواب الصلوۃ، باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ: ۲۲۰، ۱/۵۳، سنن بیہقی: ۵۵۰)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نماز سے فارغ ہوکر (اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد نبوی میں) تشریف فرما تھے کہ ایک صاحب داخل ہوئے، (جنھوں نے نماز نہیں پڑھی تھی، جب انھوں نے نماز پڑھنے کا ارادہ کیا، تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا: تم میں سے کون ان کے ساتھ تجارت کرے گا (تجارت میں بائع اور مشتری دونوں کا نفع ہوتا ہے، یہاں آنے والے کا

نفع یہ ہے کہ اس کو جماعت کا ثواب مل جائے گا، جو اس کے ساتھ جماعت میں شامل ہوگا، اس کا نفع یہ ہے کہ اس کو نفل کا ثواب ملے گا) حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر ان کے ساتھ نماز ادا فرمائی، یعنی باجماعت نماز ہوئی۔ (سنن کبری للبیہقی: ۵۵۰)

امام احمدؒ نے اس روایت سے مسجد میں جماعت ثانیہ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

جاء انس بن مالك الى مسجد قدصلى فيه ،فاذن ،واقام، وصلى جماعة. (رواہ البخاری فی باب فضل الجماعۃ تعلیقا ۱/ ۸۹)

حضرت انسؓ اپنے رفقاء کے ساتھ ایک ایسی مسجد میں پہنچے جہاں جماعت ہو چکی تھی، انھوں نے اذان واقامت کہی، پھر باجماعت نماز پڑھی۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ مساجد باجماعت نماز پڑھنے ہی کے لیے بنائی جاتی ہیں، لہذا ان میں بار بار جماعت کرنے کی گنجائش ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۱/ ۵۴۵)

غیر مقلدین حضرات امام احمدؒ کے مذکورہ مستدلات کا سہارا لے کر ہر جگہ جماعت ثانیہ کرتے رہتے ہیں اور امت میں انتشار اور اختلافات کو فروغ دیتے رہتے ہیں۔

جمہور کے دلائل

پہلی دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذى نفسى بيده لقدهممت ان آمر بحطب ،فيحطب ،ثم آمر بالصلوة ،فيؤذن لها ،ثم آمر رجلا ،فيؤم الناس ،ثم اخالف الى رجال ،فاحرق عليهم بيوتهم.

(رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ: ۶۴۴، ۱/ ۸۹)

قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں خدام کو سوختہ (ایندھن) جمع کرنے کا حکم دوں، پھر میں نماز کا حکم دوں، پھر کسی شخص کو امامت کے لیے مقرر کروں، پھر میں اُن لوگوں کی طرف جاؤں جو نماز میں

حاضر نہیں ہوئے اور ان کو ان کے گھروں میں جلادوں (پھر عورتوں اور بچوں کا خیال آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنایا۔

فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت میں شرکت نہ کرنے والوں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا، اگر مکرر جماعت کی گنجائش ہوتی، شرکت نہ کرنے والوں کے پاس معقول عذر ہوتا کہ ہم دوسری، تیسری جماعت میں شریک ہوجائیں گے، پس ان کو سزا دینے کا کوئی جواز نہیں ہے، جلانے کی معقول وجہ اسی صورت میں درست ہوگی جب کہ جماعت ثانیہ کا جواز نہ ہو۔ (تحفۃ الالمعی ۱/ ۵۴۰)

دوسری دلیل

حضرت ابوبکرہؓ کی روایت ہے

ان رسول اللہ ﷺ اقبل من نواحی المدینة یریدالصلوة، فوجد الناس قدصلوا، فمال الی منزله، فجمع اهله، فصلی بهم.

(قال الھیثمی: رواہ الطبرانی رجالہ ثقات، باب فی من جاء الی المسجد، فوجد الناس قد صلوا: ۷/ ۲۱۷)

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں کسی جگہ سے مسجد نبوی میں نماز کے ارادے سے تشریف لے آئے، (آپ کو واپس آنے میں دیر ہوگئی، جب آپ واپس ہوئے، تو) جماعت ہوچکی تھی، گھر کی عورتوں کو جمع کیا اور باجماعت نماز پڑھی۔

فائدہ: اگر جماعت ثانیہ مستحب، یا جائز ہوتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی کی فضیلت نہ چھوڑتے، آپ کا گھر میں نماز پڑھنا جماعت ثانیہ کی کراہت کی واضح دلیل ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۱/ ۵۴۵)

تیسری دلیل

مسجد نبوی میں جماعت ثانیہ کا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری دس سالہ زندگی میں پیش نہیں آیا؛ حالاں کہ اس عرصے میں یقیناً سیکڑوں مسلمان جماعت سے پیچھے رہے ہوں گے، گویا جماعتِ ثانیہ کے نہ ہونے پر مواظبت تامہ ہے اور مواظبتِ تامہ

سے جس طرح جانبِ فعل میں وجوب ثابت ہوتا ہے، جانبِ ترک میں کراہتِ تحریمی ثابت ہوتی ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۱/ ۵۴۵)

مذہبِ جمہور کی وجہ ترجیح

مولانا محمد یوسف صاحبؒ بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

مسجد طریق اور شاہ راہوں کی مساجد کے علاوہ دیگر مقامات میں جو حضرات جماعت ثانیت کی کراہیت کے قائل ہیں، ان کا مذہب شریعت کے مصالح، نظامِ ملت کے موافق ہے، باجماعت نماز ملت کے درمیان الفت ومحبت کا ذریعہ اور مسلم معاشرے کی اجتماعیت کی روح ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

ہمیں یاد ہے کہ چند لوگوں (صحابہ) کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھوٹ گئی، انھوں نے انفرادی طور پر نماز ادا کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا، نیز یہ حضرات چاہتے، تو جماعت ثانیہ بھی بنا سکتے تھے۔

(اعلاء السنن، باب الامامۃ نقلا عن ''الام'' ۴/ ۲۶۵)

میرا خیال ہے کہ جن لوگوں نے تکرار جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے، ان کے پیش نظر یہ بات ہے کہ تکرارِ جماعت سے ملت کا شیرازہ بکھرے گا اور امت میں اختلاف پیدا ہوگا، بعض لوگ ایک امام کے پیچھے کسی وجہ سے نماز پڑھنا نہیں چاہتے، اس لیے وہ لوگ مسجد کی جماعت ہو جانے کے بعد آئیں گے اور دوسری جماعت بنائیں گے، اس طرح اختلافات جنم لیں گے۔ (انتھی کلام الشافعی)

علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں:

باجماعت نماز کی مشروعیت کی خاص حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن میں سے ایک مصلحت یہ ہے کہ محلہ اور مسجد سے متعلق افراد کے مابین الفت ومحبت، یگانت اور یکجہتی پیدا ہو، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلہ محلہ مساجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہے کہ یہ کلمہ (دین محمدی) سب سے بلند و بالا ہو، روئے زمین پر اس سے کوئی دین فائق نہ ہو، یہ اسی وقت متصور ہے جب کہ خواص، عوام، شہری، دیہاتی اور بچے اور بڑے سب باجماعت نماز میں شریک ہوں جو شعائرِ اسلام میں سے ہے اور یکٹھے نماز ادا کریں (اور تکرارِ جماعت کی اجازت سے یہ مصلحت فوت ہو جاتی ہے)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شریعت کے اسرار و رموز سے واقف علماء و فقہاء نے باجماعت نماز کی جو حکمتیں بیان کیں ہے، وہ مذہبِ جمہور کی تائید کرتی ہیں۔ (معارف السنن ۲/ ۲۸۹)

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

تکرار جماعت کی اجازت سے مسجد کی جماعت کا مطلوبہ وقار باقی نہیں رہتا، تجربہ ہے کہ جہاں تکرارِ جماعت کا رواج ہوتا ہے، وہاں لوگ پہلی جماعت میں شریک ہونے میں بہت سست ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ مسجد میں ہر وقت جماعت ہوتی رہتی ہے۔

(درس ترمذی ۱/ ۴۸۵)

امام احمدؒ کی دلیل کا جواب

الف: حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں جماعت کل دو آدمیوں پر مشتمل تھی اور تداعی کے بغیر تھی، تداعی کے بغیر جمہور کے نزدیک بھی جائز ہے بشرط یہ کہ احیاناً کی جائے، فقہاء کے نزدیک تداعی یہ ہے کہ امام کے علاوہ چار آدمی ہوں۔

(درس ترمذی ۱/ ۴۸۵)

ب: مذکورہ روایت کا جماعت ثانیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ کیوں کہ عرف میں جماعت ثانیہ اُس جماعت کو کہتے ہیں جس میں امام اور مقتدی سب فرض پڑھنے والے ہوں، اس واقعے میں مقتدی متنفل ہے۔

ج: جب اباحت اور کراہیت میں تعارض ہوتا ہے، تو کراہیت کو ترجیح ہوتی ہے، لہٰذا ممانعت والی روایات پر عمل کیا جائے گا، اگر حدیث ابوسعید خدریؓ عام ہوتی، تو حضرات صحابہ کا عمل اس کے مطابق ہوتا؛ حالاں کہ کسی صحابی سے یہ ثابت نہیں کہ وہ

جماعت ثانیہ کا اہتمام کرتے ہوں۔ (درس ترمذی ۱/ ۴۸۵)

دوسری دلیل کا جواب

الف: حضرت انسؓ نے جس مسجد میں جماعت ثانیہ کی ہے، ممکن ہے کہ وہ مسجدِ طریق ہو، مسجدِ طریق میں تمام علماء کے نزدیک جماعت ثانیہ جائز ہے، اس تخصیص کی پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ ہی سے مروی ہے کہ جب صحابہؓ کی جماعت فوت ہوجاتی، تو وہ تنہا نماز پڑھتے تھے۔

ان اصحاب رسول الله ﷺ كانوا اذا فاتهم الجماعة، صلوا فى المسجد فرادى. (معارف السنن ۲/ ۲۸۸ بحولہ بدائع الصنائع، ردالمحتار، باب الاذان ۲/ ۶۴)

حضرات صحابہ کی جماعت فوت ہوجاتی، تو مسجد میں انفرادی طور سے نماز پڑھتے تھے۔

عن الحسن قال كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخلوا المسجد وقد صلى فيه، صلوا فرادى.

(المصنف لابن شیبۃ، کتاب الصلوۃ، باب من قال یصلون فرادی: ۷۱۱۱)

حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ حضرات صحابہ جب مسجد میں جماعت ہوجانے کے بعد داخل ہوتے، تو انفرادی طور سے نماز ادا کرتے تھے۔

یہ قول جماعت ثانیہ کی نفی پر صریح دلیل ہے۔

ب: دوسری دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی ہے جب کہ محلے کی مسجد میں بار بار اذان و اقامت کا کوئی قائل نہیں، پس وہ لامحالہ وہ مسجد طریق ہوگی۔ (تحفۃ الالمعی ۱/ ۵۴۶)

ایک ضروری وضاحت

فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ جماعت ثانیہ کی کراہیت صرف شرعی مسجد کے حدود میں ہے، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ اپنی مسجد میں جماعت فوت ہونے والوں کو مسجد کے صحن اور متصل کمروں میں بھی جماعت ثانیہ سے منع فرماتے

تھے، آپ بطور دلیل فرماتے کہ شرعی مسجد میں جماعت ثانیہ کی ممانعت کی علت تقلیلِ جماعت ہے، یہ علت مسجد کے صحن اور اس سے متصل کمروں میں بھی پائی جاتی ہے، اگر اس کی اجازت دی جائے، تو مسجد کی جماعت متاثر ہوگی۔ (مستفاد از فتاوی قاسمیہ ۶/ ۲۲۸)

جماعت ثانیہ کن صورتوں میں جائز؟

(۱) مسجدِ طریق یعنی ایسی مسجد جس میں کوئی امام، یا مؤذن مقرر نہ ہو جیسے غیر آباد اور شاہ راہوں کی مساجد، وہاں اذان واقامت کے ساتھ بھی جماعت مکرر کی جاسکتی ہے۔

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

مالیس له امام ومؤذن راتب، فلایکره التکرار فیه باذان واقامة، بل هو الافضل. (ردالمحتار، باب الاذان ۲/ ۶۴)

جس مسجد میں امام مؤذن مقرر نہ ہوں، اُس مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ افضل ہے۔

(۲) اگر دوسری جماعت میں تین سے زیادہ افراد نہ ہوں، تب بھی مکروہ نہیں ہے۔

لو کانت الجماعة الثانية اکثر من ثلاثة، یکره التکرار والا، فلا.

(ردالمحتار، باب الاذان ۲/ ۶۴)

اگر جماعت ثانیہ میں تین سے زائد افراد شریک ہوں، تو جماعتِ ثانیہ مکروہ ہوگی، ورنہ نہیں۔

(۳) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اذان واقامت کے بغیر جماعتِ ثانیہ پہلی جماعت کے اعتبار سے ہیئت وصورت بدل کی جائے، تو کراہت تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، ہیئت بدلنے کے لیے امام کی جگہ بدل جانا کافی ہے۔

(ردالمحتار ۲/ ۶۴، مستفاد از احسن الفتاوی ۳/ ۳۲۲، فتاوی قاسمیہ ۶/ ۲۱۸)

یعنی پہلی جماعت میں جس جگہ امام نے امامت کی ہے، اس سے تھوڑا سا ہٹ کر جماعت ثانیہ کی جائے، تو جائز ہوجائے گی۔

عن ابی یوسف: اذاتکن علی الهیئة الاولی لاتکره، والاتکره

وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة.

(ردالمحتار، باب الاذان ۲/ ۶۴)

جماعتِ ثانیہ پہلی جماعت کی ہیئت سے بدل کر ادا کی جائے، تو مکروہ نہیں ہے، اگر پہلی جماعت کی ہیئت پر ادا کی جائے، تو مکروہ ہے۔

(۴) اگر محلے کے بعض افراد نے چپکے سے اذان دے کر نماز ادا کی ہے جس کی اطلاع محلے کے دیگر افراد کو نہیں ہو سکی ہے، اُن افراد کے لیے بھی جماعت ثانیہ جائز ہے۔

(۵) اگر کسی مسجد میں غیر اہل محلہ نے آ کر جماعت کر لی ہو، تو اہل محلہ کو دوبارہ جماعت کرنے کا حق ہے۔

يكره تكرار الجماعة فى مسجد محلة باذان واقامة، الااذا صلى بهما فيه اوّلاً غير اهله او اهل لكن بمخافتة الاذان ---والمراد بمسجد المحلة: ماله امام وجماعة معلومون.

(ردالمحتار، باب الامامۃ ۲/ ۲۸۸، درس ترمذی ۱/ ۴۸۳)

(۶) نیز مسافر کے لیے بھی جماعت ثانیہ جائز ہے، اس لیے کہ دور دراز اور غیر مقامی لوگوں کی جماعت کی وجہ سے مسجد کی اصل جماعت متاثر نہیں ہوتی ہے اور جماعت ثانیہ کی ممانعت کی علت اصل جماعت کا متاثر ہونا ہے، اس لیے مقامی لوگوں کے لیے بہر حال مکروہ ہے، غیر مقامی اور مسافر کے لیے جائز ہے۔

(مستفاد از: کفایت المفتی ۳/ ۹۲، فتاوی قاسمیہ ۶/ ۲۱۲)

علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

تقليل الجماعة مكروه، بخلاف المساجد التى على قوارع الطرق، لانها ليست لها اهل معروفون، فاداء الجماعة فيها مرة بعد اخرى لايؤدى الى تقليل الجماعات، وبخلاف ما اذا صلى فيه غير اهله لايؤدى الى تقليل الجماعة، لان اهل المسجد ينتظرون اذان المؤذن المعروف فيحضرون.

(بدائع الصنائع، کتاب الصلوۃ، فصل فی بیان محل وجوب الاذان ۱/ ۳۸۰)

جماعت کو کم کرنا مکروہ ہے، برخلاف اُن مساجد کے جو سڑک کے کنارے واقع ہوں، اس لیے کہ ان کے مصلی متعین نہیں ہوتے، تو مسجد طریق میں یکے بعد دیگر جماعت بنانے سے جماعت کی تقلیل لازم نہیں آتی، نیز جب غیر اہل محلہ کے نماز ادا کرنے سے بھی جماعت کم نہیں ہوگی، اس لیے کہ اہل محلہ اذانِ معروف کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

جس شخص کی جماعت فوت ہوجائے، وہ کیا کرے

جس شخص کی جماعت فوت ہوجائے، اس کو تین باتوں کا اختیار ہے یا تو وہ باجماعت نماز کے لیے دوسری مسجد جائے جہاں ابھی جماعت نہیں ہوئی ہے، یا اہل خانہ کے ساتھ جماعت بنائے، یا انفرادی طور سے نماز پڑھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک واقعے میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنا ثابت ہے۔ (مجمع الزوائد: ۲۱۷۷)

حضرت اسودؒ کی جماعت فوت ہوجاتی، تو ایسی مسجد کا رخ کرتے جہاں ابھی جماعت نہیں ہوئی ہے، اُس مسجد میں جا کر جماعت میں شرکت فرماتے۔

(رواہ لبخاری تعلیقا فی باب فضل الجماعۃ ۱/۸۹)

تیسری صورت یہ ہے کہ انفرادی طور سے نماز پڑھ لے، تینوں صورتیں جائز ہیں؛ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کے عمل سے آخری صورت کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک واقعے میں ثابت ہے، حضرات صحابہ جماعت فوت ہوجانے کی صورت میں دوسری جماعت، یا اہل خانہ کے ساتھ جماعت نہیں بناتے تھے؛ بلکہ انفرادی طور سے نماز ادا کرنے کا معمول تھا، گذشتہ سطور میں امام شافعیؒ کا مدلل کلام گذر چکا ہے۔

ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانوا اذافاتھم الجماعۃ، صلوا فی المسجد فرادیٰ. (معارف السنن ۲/۲۸۸)

عن الحسن قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اذا دخلوا المسجد، وقد صلی فیه صلوا افرادی.

(المصنف لابن ابی شیبۃ، کتاب الصلوۃ، باب من قال یصلون فرادی: ۱۱۱/۷)

قال الحصکفی: لو فاته، ندب طلبها ،قال ابن عابدین: فلایجب علیه الطلب فی المسجد بلاخلاف بین اصحابنا ؛بل ان اتی مسجدا للجماعة آخر فحسن ،وان صلی فی مسجد حیه منفردا ، فحسن، وذکر القدوری یجمع باهله ویصلی بهم یعنی وینال ثواب الجماعة کذافی الفتح. (ردالمحتار، باب الامامۃ ۲۹۱/۲)

گھر میں باجماعت نماز

اگر کوئی شخص بیماری وغیرہ عذر کی وجہ سے گھر میں اہل خانہ کے ساتھ جماعت کرے، یا اتفاقاً اس طرح جماعت کر لی جائے اور محلے کی مسجد میں بھی باجماعت نماز ہو جائے ،تو گھر میں باجماعت نماز کی گنجائش ہے، اس کی عادت بنا لینا مکروہ ہے۔

علامہ حلوانیؒ نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔

یکون بدعة ومکروها بلاعذر. (فتح القدیر ۳۰۰/۱)

جماعت ثانیہ سے متعلق ایک ضروری گزارش

مندرجہ بالا سطور کا خلاصہ ءکلام یہ ہے کہ جمہور علماء کا مذہب نہایت قوی، احوط، اقرب الی السنہ اور عملِ صحابہ وتابعین کے موافق ہے، شریعتِ اسلامیہ میں محلے کی باجماعت نماز کی خاص اہمیت ہے، اس سے بے شمار دینی وملی مصلحتیں وابستہ ہیں، جن حضرات نے جماعت ثانیہ کی اجازت دی ہے، انہوں نے مخصوص شرائط وقیود کے ساتھ اجازت دی ہے۔

اس صورتِ حال میں ذمہ داران مساجد اور علمائے کرام کو چاہئے کہ مقامی لوگوں کو محلے کی مسجد اور مسجد سے متصل جگہوں میں جماعت ثانیہ کی بالکل اجازت نہ دیں، اس لیے کہ اس سے مقامی جماعت متاثر ہوگی جو شریعت کی مصلحت کے سراسر خلاف ہے۔

اگر غیر اہل محلہ، یا مسافر مسجد میں، یا مسجد سے متصل صحن اور دیگر مقامات میں جماعت

ثانیہ کرتے ہیں، تو ان کو بھی انفرادی طور سے نماز پڑھنے کی ترغیب دی جائے، اگر وہ قبول نہ کریں، تو جماعت ثانیہ کے سلسلے میں ان پر سختی کرنا اور ان کے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہیں۔

نماز جمعہ میں جماعتِ ثانیہ

جس طرح عام فرائض میں اہل محلہ کے لیے مسجد میں جماعتِ ثانیہ مکروہ تحریمی ہے، یا امام ابو یوسفؒ کے قول مطابق مکروہ تنزیہی ہے، یہی حکم نمازِ جمعہ کا بھی ہے، خواہ ایک ہی وقت میں متعدد جماعتیں ہوں، یا مختلف اوقات میں؛ البتہ شدید عذر کی بنا پر مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ایک ہی مسجد میں اذان و اقامت کے اعادے کے بغیر پہلی جماعت سے ہیئت بدل کر نماز جمعہ کی جماعت ثانیہ کی گنجائش ہے۔

(۱) مصلی حضرات کی تعداد بہت زیادہ ہے کہ ایک ہی وقت ایک ہی مسجد میں تمام لوگ با جماعت نماز جمعہ ادا کر نہیں سکتے۔

(۲) قرب وجوار میں کوئی مسجد، یا اقامتِ جمعہ کی شرائط کے مطابق کوئی متبادل جگہ میسر نہ ہو، جہاں پر وہ حضرات نماز جمعہ ادا کر سکیں جن کی جماعت فوت ہو گئی، اس صورتِ حال میں جماعت ثانیہ کی اجازت نہ دی جائے، تو بے شمار لوگ نمازِ جمعہ کے فریضہ کی ادائیگی سے محروم ہو جائیں گے۔

نمازِ جمعہ فرض ہے جس کے لیے مخصوص شرائط ہیں، مثلاً جماعت، محلِ اقامت جمعہ میں اذنِ عام، خطبہ وغیرہ ایسی شرائط ہیں کہ ہر جگہ پائی نہیں جاتیں، مندرجہ بالا مسئلے میں نمازیوں کی کثرت، جگہ کی قلت اور متبادل جگہ کا نظم نہ ہونے کی وجہ سے جماعت ثانیہ کی اجازت ہوگی، اس لیے کہ جماعت ثانیہ کی ممانعت وکراہیت کی علت تقلیل جماعت ہے جو مذکورہ بالا مسئلے میں مفقود ہے۔

نیز اگر جماعتِ ثانیہ کی اجازت نہ دی جائے، تو بے شمار لوگوں کی نمازِ جمعہ فوت ہو جائے گی، لہٰذا اِن شدید اعذار کی صورت میں مسجد میں نماز جمعہ کے لیے جماعت کی

گنجائش ہوگی؛ لیکن اہل محلہ وعلاقے کے لیے ضروری ہے کہ اگر ممکن ہو، تو مسجد کی توسیع، یا محلے میں دوسری مسجد کی تعمیر، یا اذنِ عام کی شرط کے موافق کوئی متبادل جگہ کا انتظام کریں۔

(مستفاد از فتاوی قاسمیہ ۶/ ۲۰۴، ۲۴۱)

تراویح میں جماعتِ ثانیہ

جس طرح فرائض میں اہل محلہ کے لیے مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ تحریمی ہے، یا امام ابو یوسفؒ کے قول مطابق مکروہ تنزیہی ہے، یہی حکم نمازِ تراویح کا بھی ہوگا، خواہ ایک ہی وقت میں متعدد جماعتیں ہوں، یا مختلف اوقات میں، ایک ہی منزل میں ہو، یا مختلف منزلوں میں۔

نمازِ جمعہ کے لیے مخصوص شرائط کی بنا پر جماعت ثانیہ کی گنجائش نکلتی ہے؛ چوں کہ تراویح کے لیے وہ شرائط نہیں ہیں، اس وجہ سے مسجد میں تراویح کی جماعت ثانیہ کی بالکل گنجائش نہیں ہوگی۔

لو صلی التراویح مرتین فی مسجد واحد یکرہ.

(الہندیہ، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح ۱/ ۱۱۶)

تراویح ایک ہی مسجد میں دو مرتبہ ادا کرنا مکروہ ہے۔

* * *

مسجد میں نمازِ جنازہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک زمانے میں مسجد نبوی سے متصل مشرقی سمت میں ''مصلی الجنائز'' (نماز جنازہ ادا کرنے کی جگہ) قائم فرمایا تھا، اسی جگہ پر تمام جنازوں کی نماز کا اہتمام کیا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص مصلحت، یا ضرورت کی بنا پر صرف حضرت سہیل ابن البیضاؓ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی تھی، سیرت طیبہ میں کسی اور کی نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کرنے کا ثبوت نہیں ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی نمازِ جنازہ بھی کسی ضرورت و مصلحت کی بنا پر مسجد میں ادا کی گئی ہے، ان چند واقعات کے علاوہ عہدِ رسالت اور عہد خلفائے راشدین میں ہزاروں مسلمانوں کا انتقال ہوا ہے؛ لیکن مسجد میں کسی کی نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی۔

چند سالوں سے ہمارے ملک ہندوستان میں مساجد میں نماز جنازہ کا اہتمام کیا جانے لگا ہے، بطور خاص تبلیغی، دعوتی، دینی اور علمی شخصیات کے جنازے مساجد میں محراب کے قریب رکھ کر نماز جنازہ ادا کی جانے لگی ہے؛ حالاں کہ عہدِ نبوت سے آج تک امت میں خارجِ مسجد ہی جنازے کی نماز ادا کرنے کا معمول ہے، جن شخصیات نے ساری زندگی اتباعِ سنت اور اتباعِ سنت کی دعوت میں صرف کی، انہیں کے جنازوں میں خلافِ سنت امور کو انجام دیا جانے لگا ہے، شاید ان خلافِ سنت امور کو میت کی شان اور احترام سمجھا جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل سطور میں اسی مسئلے کی تفصیلات کو جمع کیا گیا ہے؛ تاکہ زیر بحث مسئلے کے تمام پہلو شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں پیش کئے جائیں، اس سلسلے میں شریعت کی رہنما ہدایات واضح ہوں اور دینی حلقوں میں جس غیر مسنون عمل کی ابتدا ہونے لگی ہے، اس کی جانب ہمارے اکابر و علمائے کرام کی توجہ مبذول ہو۔

ائمہ کرام کے مذاہب

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ بلا کراہت درست ہے؛ البتہ اولیٰ وافضل یہ ہے کہ جنازہ مسجد کے باہر پڑھا جائے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے، قاسم بن قطلوبغاؒ کی تخریج کے مطابق مکروہ تحریمی، علامہ ابن ہمامؒ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ اساءت کے درجے کا عمل ہے۔ (یعنی مسجد میں نماز جنازہ بری بات ہے) (العرف الشذی مع الترمذی ۱/۱۹۹)

فقیہ الامت مفتی محمود حسنؒ گنگوہی، مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ اور دیگر مفتیانِ کرام نے مطلقاً مکروہ لکھا ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے دلائل

(۱) جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں) کا انتقال ہوا، تو امہات المؤمنینؓ نے حضرات صحابہ سے کہا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لایا جائے؛ تاکہ وہ بھی نمازِ جنازہ پڑھیں، حضرات صحابہ امہات المؤمنین کے کمروں کے قریب جنازہ لے گئے؛ تاکہ وہ جنازہ پڑھ لیں، پھر جنازے کو باب الجنائز کی طرف سے ''مقاعد'' میں لے جایا گیا (مسجد نبوی کے باہر لوگوں کے بیٹھنے کے لیے ایک جگہ بنائی گئی تھی) پھر امہات المؤمنین کو خبر پہنچی کہ لوگوں نے امہات المؤمنین کی اس درخواست پر (کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے جنازے کو مسجد میں لایا جائے) اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جنازے مسجد میں نہیں لائے جاتے تھے، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

ما اسرع الناس اِلی ان یعیبوا ما لا علم لهم به، عابوا علینا ان یمر بجنازة فی المسجد، وما صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم علی

سهيل ابن البيضاء الافى جوف المسجد.

(رواہ مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الجنازۃ ۱/ ۳۱۳، ۹۷۳)

جس مسئلے کے متعلق لوگوں کو تحقیق نہیں ہے، اس مسئلے کے بارے میں ہم پر اعتراض کرنے میں کس قدر جلد بازی کی ہے، مسجد میں ہمارے پاس جنازہ لائے جانے کے بارے میں ہم پر اعتراض کیا ہے؛ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل ابن بیضا کا جنازہ مسجد ہی میں پڑھا تھا۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد نبوی میں منبر کے مقابل رکھا گیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

(رواہ عبدالرزاق عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد: ۶۶۰۳، ۳/ ۳۴۴، فتح الباری، باب الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ۳/ ۲۴۵، فتح الملہم ۱/ ۴۹۴)

(۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد ہی میں پڑھا گیا، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔

(رواہ عبدالرزاق عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد: ۶۶۰۴، ۳/ ۳۴۴، فتح الملہم ۱/ ۴۹۴)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے دلائل

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی سے متصل مصلی الجنائز بنا ہوا تھا، جنازے وہاں پڑھے جاتے تھے، مسجد میں نماز جنازہ کا معمول نہیں تھا۔

ما كانت الجنائز يدخل بها فى المسجد.

(رواہ مسلم، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الجنازۃ ۱/ ۳۱۳، رقم: ۹۷۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جنازے مسجد میں نہیں لائے جاتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خیبر کے یہود ایک مرد اور ایک عورت کو لے آئے جنھوں نے زنا کیا تھا۔

فرجما قريبا من موضع الجنائز عند المسجد.

ان دونوں کو مسجد کے قریب ''مصلی الجنائز'' میں رجم کیا گیا۔

(بخاری، باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ۱/ ۱۷۷، ۱۳۲۹)

ابن بطالؒ کہتے ہیں: مدینے میں مسجد نبوی سے متصل مشرقی سمت بقیع کی جانب مصلی الجنائز بنایا گیا تھا۔ (فتح الباری، باب الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ۳/ ۲۴۵)

مسجد کے اندر نماز جنازہ جائز ہوتی، یا بلا کراہت جائز ہوتی، تو مسجد کے باہر مصلی الجنائز قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر سے فراغت کے بعد سن ایک ہجری میں مسجد نبوی سے متصل جنازہ پڑھنے کی جگہ بنوائی۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی موضعا للجنائز لاصقا بالمسجد بعد الفراغ من المسجد الشریف فی السنۃ الاولی من الهجرة.

(التعلیق الصبیح کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیها ۲/ ۲۳۹ معزیا الی الطبقات الکبری لابن سعد)

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلی علی جنازة فی المسجد، فلاشیء علیه، وفی روایة فلاشیء له.

(رواہ ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الجنائز فی المسجد ۲/ ۴۵۴، ۳۱۹۱، ورواہ احمد فی مسندہ: ۹۷۳۰، وابن ماجہ فی سننہ ۱۵۱۷ کلھم بلفظ من صلی علی جنازۃ فلاشیء لہ، وقال الخطیب: المحفوظ فلاشیء لہ، فتح الملہم ۱/ ۴۹۵، وعبدالرزاق فی مصنفہ: باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد: ۶۶۰۶، ۳/ ۴۴۴)

جس نے مسجد میں جنازہ پڑھا، اس کے لیے کوئی ثواب نہیں۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے دلائل کے جوابات

الف: مسجد نبوی سے متصل ''مصلی الجنائز'' میں نماز جنازہ پڑھنے کا معمول تھا، اس کے باوجود سہیل ابن البیضا کی نمازِ جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عارض کی وجہ سے مسجد میں ادا فرمائی ہے، عارض آپ اعتکاف میں تھے، یا محض بیانِ جواز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ادا فرمائی ہے۔

(فتح الباری، باب الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ۳/ ۲۴۵، فتح الملہم ۱/ ۴۹۴)

ب: حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی نماز جنازہ بھی مسجد میں ادا کرنا کسی امر عارض

کی بنا پر تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرات ازواجِ مطہرات کی خواہش کہ ہم بھی سعد بن ابی وقاص ؓ کی نماز جنازہ پڑھیں گے، لہٰذا جنازہ مسجد میں لایا جائے، اس درخواست پر حضرات صحابہ نے اعتراض کیا، اعتراض کی وجہ یہی ہے کہ نمازِ جنازہ مسجد میں ادا کرنے کا معمول نہیں تھا، نیز افضل بھی نہیں ہے۔

ج: شاہِ حبشہ اصحمہ نجاشیؒ کی وفات ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مصلی الجنائز'' میں حضرات صحابہ کے ساتھ غائبانہ نمازِ جنازہ ادا فرمائی، غائبانہ نماز جنازہ مسجد میں ادا کرنے سے بظاہر کوئی حرج بھی نہیں تھا، اس کے باوجود آپ ''مصلی الجنائز'' تشریف لے گئے، وہاں نماز جنازہ ادا کی۔ (بخاری، باب الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ۱/ ۱۷۷، رقم: ۱۳۲۹)

اعذار کی وجہ سے مسجد میں نمازِ جنازہ

اعذار کی صورت میں مسجد میں نماز جنازہ درست ہے، مثلاً بارش ہو رہی ہے، مسجد کے علاوہ کوئی متبادل جگہ میسر نہیں ہے، خارجِ مسجد جمع ہونے کی اجازت نہیں ہے، نیز حرمین شریفین کے اندورنی حصے میں جنازہ کی نماز بھی ایک عذر کی وجہ سے ہے کہ فرائض سے فراغت کے بعد لاکھوں کے مجمع کو خارج مسجد جا کر نماز جنازہ پڑھنا دشوار ہے۔

(مستفاد از تحفۃ الالمعی ۲/ ۴۴۰)

خلاصہ کلام

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں بذات خود ''مصلی الجنائز'' قائم فرما کر امت کو تعلیم وتلقین کی ہے کہ نمازِ جنازہ خارج مسجد ادا کرنا افضل واولیٰ ہے؛ البتہ کوئی شرعی عذر ہو، تو کوئی حرج نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین کے مبارک زمانے میں ہزاروں انصار ومہاجر صحابہ کرام کی وفات ہوئی؛ لیکن مذکورتین چار واقعات کے علاوہ کسی کی نمازِ جنازہ مسجد میں میں ادا نہیں کی گئی۔

☆ حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت میں مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنے پر ثواب نہ

ملنے کا ذکر ہے۔

☆امت کا تعامل خارجِ مسجد نماز جنازہ ادا کرنے کا ہے۔

☆امت کا اجماع ہے کہ خارجِ مسجد نماز جنازہ اولیٰ وافضل ہے، ہمارے اکابر، فقہاء اور مفتیانِ کرام نے بالاتفاق داخلِ مسجد نماز جنازہ کو مکروہ قرار دیا ہے۔

> 'ذا بلا عذر شرعی مساجد میں نماز جنازہ ادا کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، بطور خاص اہل علم، مصلحینِ امت، ملت کے خواص اور مقتدائے قوم کے جنازے مسجد میں پڑھنے سے بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ عوام الناس دینی معاملات میں ان ہی حضرات کی اقتدا و اتباع کرتے ہیں، پھر یہی حضرات امت کے لیے ترکِ سنت اور ارتکابِ بدعت کا ذریعہ بنیں گے۔

* * *

فرض نمازوں کے بعد دعا کی اہمیت، حیثیت اور طریقۂ کار

دعا کی اہمیت

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ ؕ. (الغافر:۶۰)

مجھ سے مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ. (البقرۃ:۱۸۶)

جب میرے بندے مجھ سے مانگتے ہیں، تو میں ان سے قریب ہوتا ہوں اور دعا کرنے والوں کی دعا قبول کرتا ہوں۔

یہ دو آیتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں جن میں اللہ جل جلالہ بندوں کو دعا کا حکم دے رہے ہیں اور دعا کی قبولیت کا وعدہ بھی فرما رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من لم یسئل اللہ، یغضب علیه.

(رواہ الترمذی عن ابی ھریرۃ فی کتاب الدعوات: ۳۳۷۳)

جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں۔

مخلوق مانگنے سے ناراض ہوتی ہے، خالق نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدعا مخ العبادة. (رواہ الترمذی عن انس بن مالک، ماجاء فی فضل الدعا: ۳۳۷۱)

دعا عبادت کا مغز اور لبِ لباب ہے۔

انسان عبادت کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے؛ لیکن توجہ و دھیان نہیں ہوتا، جب اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اللہ کے سامنے اپنی عاجزی وانکساری کو ظاہر کرتا ہے، اپنے آپ کو متواضع بنا کر پیش کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ضرور خوش ہوتے ہیں اور اس کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، بندے سراپا محتاج، بندوں کی جملہ ضرویات کی تکمیل اللہ ہی فرماتے ہیں، لہٰذا بندوں کو چاہئے کہ ہر حاجت اللہ ہی سے مانگیں، دعا کے لیے نہ کوئی خاص وقت ہے نہ خاص جگہ، جب چاہیں، اللہ سے مانگ سکتے ہیں، ہر وقت، ہر جگہ اللہ تعالیٰ دعا قبول کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بعض اوقات، مقامات اور احوال کو قبولیتِ دعا میں خصوصی امتیاز عطا فرمایا ہے جن میں خصوصیت سے دعا کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا ہے، ان ہی اوقات میں فرض نمازوں کے بعد کی دعا بھی شامل ہے۔ (تفصیل کے لیے جواہر الفقہ جلد دوم، احکام دعا، مصنفہ مفتی محمد شفیع عثمانیؒ مطالعہ کی جاسکتی ہے)

فرائض کے بعد دعا کی اہمیت وحیثیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو فرائض کے بعد دعا کرنے کی بطور خاص ترغیب دی ہے اور قبولیت کی بشارت بھی سنائی ہے، نیز آپ سے فرائض کے بعد خصوصی اور عمومی دعائیں منقول ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا مانگنے کا نہیں تھا؛ مگر گاہے ماہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی اور جہری دعا بھی مانگی ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام علامہ نوویؒ، صاحب نور الایضاح حسن شرنبلالیؒ وغیرہ نے فرائض کے بعد دعا کو مستحب قرار دیا ہے۔ (مستفاد از معارف السنن ۳/ ۱۲۳)

حافظ ابن لقیمؒ نے ''زاد المعاذ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ فرائض کے بعد امام ومقتدی کے لیے دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین کی سنت سے ثابت نہیں ہے، بقول علامہ قسطلانیؒ حافظ ابن حجرؒ نے ابن قیمؒ کی پرزور ومدلل تردید کی ہے۔

(تحفۃ الاحوذی، باب مایقول بعد ماسلم ۲/ ۱۶۸)

حافظ ابن القیمؒ کی مذکورہ قول کی وجہ سے متاخرین حنابلہ، سلفی اور بعض علمائے غیر مقلدین فرائض کے بعد دعا کو بدعت قرار دیتے ہیں اور عوام میں فتنے برپا کرتے رہتے ہیں، دوسری طرف بعض علاقوں میں احناف نے بھی فرائض کے بعد دعا کو گویا نماز کا جز قرار دے کر اجتماعی اور جہری دعا کو لازم وواجب کا درجہ دے دیا ہے؛ حالاں کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک فرائض کے بعد دعا مستحب ہے۔

اس تحریر میں اسی افراط وتفریط کے درمیانی اور معتدل راہ کو احادیث شریفہ، شراح حدیث اور فقہائے کرام کی تشریحات کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

فرائض کے بعد دعا سے متعلق احادیث

(۱) عن ابی امامۃ ؓ قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ای الدعا افضل؟ قال جوف اللیل الآخر، ودبر الصلوات المکتوبات.

(رواہ الترمذی: ۳۴۹۹، والنسائی: ۹۸۵۶)

قبولیت کے اعتبار سے کونسی دعا افضل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: رات کے آخری حصے میں اور فرض نمازوں کے بعد کی جانے والی دعا قبولیت کے اعتبار سے افضل ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر لیل اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا کو افضل ولائقِ قبول قرار دیا ہے۔

(۲) عن العرباض بن ساریۃ ؓ قال رسول اللہ ﷺ: من صلی فریضۃ، فلہ دعوۃ مستجابۃ، ومن ختم القرآن، فلہ دعوۃ مستجابۃ.

(مجمع الزوائد عن الطبرانی، باب الدعا عند ختم القرآن: ۱۱۷۱۲)

جو شخص فرض نماز ادا کرے، اُس کے لیے ایک مقبول دعا ہے اور جو قرآن پاک ختم کرے، اس کے لیے ایک مقبول دعا ہے۔

(۳) عن أنس ؓ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مامن عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوۃ، یقول اللھم الھی والہ ابراھیم واسحاق ویعقوب، والہ جبرئیل، ومیکائیل، واسرافیل، أسئلك أن تستجیب

دعوتی، فانی مضطر، وتعصمنی فی دینی، فانی مبتلی، وتنالنی برحمتك، فانی مذنب، وتنفی عنی الفقر، فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ أن لا یرد یدیہ خائبتین.

(رواہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ، باب مایقول فی دبر صلاۃ الصبح: ۱۳۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو بندہ نماز کے بعد یوں کہتا ہے: اے میرے معبود! اے ابرہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے معبود! اے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے معبود! میں آپ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ میری دعا قبول فرمائیں، اس لیے کہ میں مجبور ہوں، دین کے معاملے میں میری حفاظت فرما؛ کیوں کہ میں (معاصی میں) مبتلا ہوں، اپنی رحمت نازل فرما کہ میں گنہگار ہوں، مجھ سے فقر و تنگ دستی کو دور فرما کہ میں مسکین ہوں، اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ اس کے ہاتھوں کو ناکام و نامراد واپس نہ کریں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد دعا ضرور قبول ہوتی ہے، کامل و مکمل نماز فرض ہی ہے، لہٰذا فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔

(۴) عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ بعد ما سلم، وہو مستقبل القبلۃ، فقال: اللہم خلص الولید بن الولید، وعیاش بن ابی ربیعۃ، وسلمۃ بن ہشام، وضعفۃ المسلمین الذین لا یستطیعون حیلۃ ولا یہتدون سبیلا من اید الکفار.

(تحفۃ الاحوذی ۲/ ۱۷۰، معارف السنن ۳/ ۱۲۲، تفسیر ابن کثیر، النساء: ۹۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد قبلہ رو ہو کر دعا فرمائی: اے اللہ! ولید بن ولید، عیاش بن ابی ربیعہ، سلمہ بن ہشام اور اُن کمزور مسلمانوں کو کفار کے (ظلم وستم) سے نجات عطا فرما جو ہجرت کے لیے کوئی تدبیر اور راستہ نہیں پا رہے ہیں۔

(۵) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ وابن عمر رضی اللہ عنہ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر، ثم اقبل علی القوم، فقال: اللہم بارك لنا فی مدنا،

وبارك لنافي صاعنا. (رواہ الطبرانی فی الکبیر، رجالہ ثقات، معارف السنن ۳/ ۱۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر سے فارغ ہوئے اور مصلیوں کی طرف رخ فرما کر دعا فرمائی: اے اللہ ہمارے شہر میں برکت عطا فرما اور ہمارے صاع میں برکت عطا فرما۔

احادیثِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز کے بعد ضعفائے مسلمین اور شہر مدینہ کے لیے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی وجہری دعا کی ہے؛ چوں کہ عام معمول فرائض کے بعد اجتماعی وجہری دعا کا نہیں تھا، اس وجہ سے احیاناً وضرورۃً فرائض کے بعد اجتماعی وجہری دعا کا جواز ثابت ہوگا۔

(۶) عن حبيب بن سلمة الفهری رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا يجتمع ملأ، فيدعو بعضهم، ويؤمن سائرهم الا اجابهم الله.

(رواہ الطبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد، باب التامین علی الدعا، رجالہ رجال الصحیح غیر ابن لھیعۃ، وھو حسن الحدیث: ۱۷۳۴۷)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کچھ لوگ جمع ہوں، ان میں سے ایک شخص دعا کرے، بقیہ حضرات اُس کی دعا پر آمین کہیں، تو اللہ پاک ان کی دعا کو ضرور قبول فرماتے ہیں۔

مذکورہ روایت سے عمومی اعتبار سے ہیئتِ اجتماعیہ کے ساتھ جہری دعا کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

فرائض کے بعد اذکار اور انفرادی دعائیں

(۱) عن ثوبان قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا انصرف من صلوته استغفر ثلثا، وقال اللهم انت السلام، ومنك السلام، تبارکت ذاالجلال والاكرام.

(رواہ مسلم، باب استحباب الذکر بعد الصلوۃ: ۵۹۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے، تو تین مرتبہ استغفار فرماتے اور یہ دعا پڑھتے اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت ذا الجلال والاکرام۔

(۲)عن ابی ایوب ﷺ انه قال ماصليت ورائكم نبيكم الا سمعته حين ينصرف من صلاته، يقول :اللهم اغفرلی خطایای، وذنوبی کلها، اللهم انعشنی، واجبرنی، واهدنی لصالح الاعمال ، والا خلاق، انه لایهدی لصالحها، ولایصرف سیئها الا انت.

(رواہ الھیثمی فی مجمع الزوائد، وقال اسنادہ جیدر: ۱۶۹۷۵ وروی الحاکم فی المستدرک بلفظ اللھم انعمنی ، واحینی وارزقنی : مناقب ابی ایوب: ۵۹۴۲)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے جب بھی کوئی نماز تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی ہے، تو میں نے آپ کو ضرور یہ دعا کرتے ہوئے پایا: اے اللہ! میری ساری خطائیں معاف فرما، اے اللہ! مجھے بلند مرتبہ عطاء فرما، میری کمی وکوتاہی کو دور فرما، نیک وصالح اخلاق کی توفیق عطا فرما؛ کیوں کہ تیرے علاوہ کوئی اچھے اخلاق واعمال کی توفیق دے نہیں سکتا، نہ برے اخلاق واعمال سے کوئی بچا سکتا ہے۔

(۳)كان سعد يعلم بنيه هو لاء الكلمات كما يعلم الغلمان الكتابة، ويقول ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتعوذ منهن دبر الصلوة: اللهم انی اعوذبك من الجبن، واعوذبك ان ارد الی ارزل العمر، واعوذبك من فتنة الدنيا ،واعوذبك من عذاب القبر، فحدثت به مصعبا، فصدقه.

(رواہ البخاری عن عمرو بن میمون فی کتاب الجہاد، باب مایتعوذ من الجبن: ۲۸۲۲)

عمرو بن میمون رحمہ اللہ کہتے ہیں:

حضرت سعد رضی اللہ عنہ مندرجہ بالا کلمات اپنے بچوں کو اس طرح سکھاتے تھے جیسے لکھنا، پڑھنا سکھاتے تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان کلمات سے پناہ طلب کرتے تھے، اے اللہ! میں تجھ سے بزدلی، نکمی عمر کی طرف لوٹائے جانے، دنیا کے فتنے اور عذاب قبر سے پناہ طلب کرتا ہوں۔

(۴) عن عائشة رضي الله عنها دخلت علی امرأة من الیهود، فقالت: إن عذاب القبر من البول، فقلت: كذبت، فقالت: بلی، انا لنقرض الجلد، والثوب، فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الصلوة، وقد ارتفعت اصواتنا، فقال ماهذا؟ فاخبرته بما قالت، فقال صدقت، فما صلی بعد یومئذ صلوة الا قال فی دبر الصلوة رب جبرئيل، وميكائيل، واسرافيل، اعذنی من حر النار، وعذاب القبر.

(رواہ النسائی: ۱۳۴۵)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

میرے پاس ایک یہودی عورت آئی، اس نے کہا کہ پیشاب کی بے احتیاطی کی وجہ سے ہمیں عذابِ قبر ہوتا ہے، میں نے کہا: تم جھوٹ کہتی ہو، اس نے کہا: نہیں، ہمارے کپڑے اور کھالوں کو ادھیڑ دیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے نکلے جب کہ ہماری آوازیں بحث ومباحثے کی صورت میں بلند ہو چکی تھیں، آپ نے ارشاد فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے وہ تمام باتیں سنائیں جو ہمارے درمیان ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُس یہودی عورت نے سچ کہا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اُس دن کے بعد سے جو بھی نماز آپ نے ادا فرمائی، اُس نماز کے بعد یوں دعا کرتے: اے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! جہنم کی گرمی اور قبر کے عذاب سے میری حفاظت فرما۔

بطور نمونہ مذکورہ بالا احادیث وآثار فرائض کے بعد اجتماعی وانفرادی دعا کی اصل، ترغیب اور دعا کے استحباب کو ثابت کرنے کے لیے پیش کی گئی ہیں، ورنہ کتبِ احادیث میں بے شمار روایات اس قبیل سے موجود ہیں۔

علامہ فاضل محمد علی بن حسین مکی مالکیؒ نے اس موضوع پر عربی زبان میں ایک رسالہ ''مسلک السادات الی سبیل الدعوات'' تصنیف فرمایا ہے، جس میں علامہ موصوف نے دعا کے احکام بالخصوص فرائض کے بعد دعا کے استحباب کو احادیثِ شریفہ اور عباراتِ فقہیہ سے ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحب ہونے کو ثابت کیا ہے، حضرت اقدس حکیم الامت

اشرف علی تھانویؒ نے ”استحباب الدعوات عقیب الصلوات“ کے نام سے اس رسالے کی تلخیص فرمائی ہے، جو ”امداد الفتاوی جدید“ میں تخریجات کے ساتھ منسلک ہے، جس کا اردو ترجمہ آپ ہی کے حکم سے حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے کیا ہے، جو جواہر الفقہ جلد دوم میں موجود ہے، نیز مفتی صاحب نے ایک جامع رسالہ بنام ”احکامِ دعا“ کا بھی اضافہ کیا ہے جو نہایت مفید ہے۔

فرائض کے بعد دعا کا طریقہ

مذکورہ بالا تمام تفصیلات کے باجود ہر فرض نماز کے بعد اجتماعی اور جہری دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مستمرہ نہیں ہے، امام کے سلام پر نماز مکمل ہو چکی ہے، نماز کا نہ کوئی جز باقی ہے، نہ ہی امام ومقتدی کا کسی قسم کا تعلق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے بعد دعا کی ترغیب دی ہے، قبولیت کی زیادہ امید ہے، اس لیے نماز سے فراغت کے بعد امام ومقتدی سب انفرادی طور سے عجز، تواضع، انکساری اور آہستہ آواز سے اپنی دنیوی واخری حاجات کو اللہ سے مانگیں، کسی خاص موقع پر خاص دعا پوری جماعت سے کرانی مقصود ہو، تو ایسے موقع پر اجتماعی اور جہری دعا کی بھی گنجائش ہے، ایک آدمی کسی قدر بلند آواز سے دعا کرے اور دیگر حضرات آمین کہیں، بشرط یہ کہ دوسروں کی نماز وعبادت میں خلل نہ ہو اور ایسا کرنے کی عادت بھی نہ ہو کہ عوام سمجھنے لگیں کہ دعا کرنے کا طریقہ یہی ہے، دعا کے بغیر نماز ناقص رہے گی، جیسا کہ آج کل عام طور سے ذہن بنا ہوا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

دعا کا اصل ضابطہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۟ۚ. (الاعراف:۵۵)

اپنے رب سے التجا کرو، عاجزی، تضرع اور آہستہ آواز سے، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

اس آیت میں دعا کے دو اہم آداب کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ایک تضرع اور دوسرے آواز کی پستی، دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ جو دعا کے آداب کا لحاظ نہیں کرتے اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں فرماتے۔

دعا کرنے والا امام ہو، یا مقتدی، یا منفرد، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا پسندیدہ طریقہ یہی ہے کہ خشوع، خضوع، تضرع وگریہ زاری اور آہستہ آواز سے دعا کرے، جو اس کے خلاف کرے، وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہوگا، اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، ظاہر ہے کہ جو دعا ناپسندیدہ طریقے پر کی جائے، وہ قبولیت کے لائق نہیں، فضل وکرم کا معاملہ الگ ہے، اسی لیے ائمہ اربعہ کے نزدیک دعا آہستہ اور خفیہ کرنا ہی مستحب اور اولیٰ ہے۔

(جواہر الفقہ ۲/۱۹۹)

مالکیہ اور شافعیہ نے خاص شرائط کے ساتھ بعض حالات میں امام کے لیے جہراً دعا کرنے کی اجازت دی ہے، مثلاً عام مقتدی ناواقف وجاہل ہوں، دعا مانگنے کا طریقہ بھی نہ جانتے ہوں، تو اُن کو سکھانے کے لیے امام جہراً دعا کرے اور مقتدی آمین کہیں، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ امام کے قریب کوئی مسبوق نہ ہو جو اپنی باقی ماندہ رکعات کو پوری کررہا ہو، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک مطلقاً اجازت نہیں ہے، یہ تو مفاسد سے قطع نظر نفس مسئلہ کا حکم ہے۔ (جواہر الفقہ ۲/۱۹۹)

مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ تحریر فرماتے ہیں:

> **قد راج فی کثیر من البلاد الدعا بهیئة اجتماعیة رافعین ایدیهم بعد الصلوات المکتوبة، ولم یثبت ذالك فی عهده صلی الله علیه وسلم وبالاخص بالمواظبة، نعم ثبتت ادعیة کثیرة بالتواتر ومن غیر هیئة اجتماعیة.** (معارف السنن ۳/۴۰۹)

بہت سارے شہروں میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کا رواج ہو گیا ہے، عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا ثبوت نہیں ملتا، خاص کر مواظبت اور پابندی کے ساتھ، ہاں فرض کے بعد بہت سی دعائیں تواتر سے ثابت ہیں؛ بغیر ہاتھ اٹھائے

ہوئے اور انفرادی طریقے پر نہ کہ اجتماعی طریقے پر۔

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں:

غير انه يظهر بعدالبحث و التحقيق انه و ان وقع ذالك احيانا عند حاجات خاصة لم تكن سنة مستمرة له صلى الله عليه و سلم و لا للصحابة و الا لكان ان ينقل متو اترا البتة. (معارف السنن ۳/ ۱۲۴)

بحث و تحقیق کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر چہ کبھی کبھی خصوصی مواقع پر نماز کے بعد دعا کی گئی؛ لیکن یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابہ کی سنت مستمرہ نہیں تھی، اگر ایسا ہوتا، تو یہ بات تواتر کے ساتھ ضرور منقول ہوتی۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

فی زمانہ نمازوں کے بعد دعاؤں کا اہتمام والتزام اس درجے ہے کہ بجائے خود یہ دعائیں نماز کا جز بن گئی ہیں، اگر کوئی امام کبھی دعا نہ کرے، تو اس کی خیر نہیں، اہل علم کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ جو چیز واجب نہ ہو، اس کو واجبات کا درجہ دے دینا اور اس کا اس درجہ اہتمام کرنا جو ثابت نہ ہو، اس کے بدعت ہونے کے لیے کافی ہے، پس ضرورت ہے کہ علماء وائمہ مساجد اس پر توجہ دیں اور اس عمل کو اتنی تقویت نہ دیں کہ ان کا یہ فعل بدعت کے زمرے میں داخل ہو جائے۔ (قاموس الفقہ ۳/ ۴۱۵)

معتدل اور قول فیصل

حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول فرضوں کے بعد اجتماعی دعا مانگنے کا نہیں تھا؛ مگر گاہے ماہے آپ نے فرضوں کے بعد اجتماعی دعا مانگی ہے اور جہری مانگی ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضوں کے بعد دعا مانگنے کی ترغیب دی ہے، یہ تمام باتیں اپنی جگہ ثابت ہیں اور ان کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

دورِ اول کے تمام مسلمان نماز کے اندر دعا مانگتے تھے، وہ اس پر پوری طرح

قادر تھے، عربی ان کی مادری زبان تھی، وہ صحیح عربی بولتے تھے اور آج بھی عرب علماء کو اس پر دسترس حاصل ہے؛ جب اسلام عجمیوں میں پہنچا اور عربوں کا حال بھی یہ ہو گیا کہ اگرچہ وہ عربی بولتے ہیں؛ مگر صحیح عربی نہیں جانتے، بگڑی ہوئی زبان بولتے ہیں، اس لیے اب عام مسلمان دعائے ماثورہ پر اکتفاء کرنے پر مجبور ہیں اور عجمیوں کے لیے تو وہ محض اذکار بن گئے ہیں، دعا کی شان ان میں باقی نہیں رہی، اس لیے علماء نے اس کا متبادل یہ تجویز کیا کہ دبر الصلوات یعنی نمازوں کے بعد دعا مانگی جائے، ہر شخص اپنی زبان میں خوب عاجزی اور انکساری کے ساتھ سمجھ کر دعا کرے۔

اسی لیے کتابوں میں نمازوں کے بعد دعا کرنے کو سنت یا ثابت نہیں کہا؛ بلکہ مستحب لکھا ہے، نیز اس نئے طریقے کو بدعت نہیں کہہ سکتے؛ کیوں کہ اس کی اصل ثابت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضوں کے بعد اجتماعی دعا کی ہے اور آپ نے فرضوں کے بعد دعا کرنے کی ترغیب بھی دی ہے؛ مگر بعد میں اس سلسلے میں چند خرابیاں پیدا ہوگئیں، دعا کو اتنا لازم سمجھ لیا گیا کہ گویا اس کے بغیر نماز ادھوری ہے؛ حالاں کہ مستحب کو لازم کر لینے سے وہ ناجائز ہو جاتا ہے، اسی طرح جہری دعا کا سلسلہ شروع ہو گیا، امام نے چند دعائیں یاد کیا ہوا ہے، وہ ان ہی پڑھتا ہے، نہ لوگ سمجھتے ہیں نہ امام۔

دوسری طرف اس کے ردِعمل میں چند لوگوں نے فرضوں کے بعد دعا کرنے کو بدعت کہنا شروع کر دیا؛ حالاں کہ اس کی اصل موجود ہے،، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی فرضوں کے بعد اجتماعی دعا کی ہے اور فرضوں کے بعد دعا کرنے کی ترغیب دی ہے، پس یہ بدعت کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ لوگ کہتے ہیں: اب دعا کا التزام شروع ہو گیا ہے، لہذا دعا چھوڑ دینی چاہئے؛ مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ غلطی کی اصلاح نہیں، دعا بند کر دینے سے تو بندوں کا رب العلمین سے دعا کا تعلق منقطع ہو جائے گا۔

اس لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن فرضوں کے بعد سنن ہیں، ان میں سلام کے بعد صرف مختصر اذکار پڑھے جائیں، پھر سنن ونوافل سے فارغ ہو کر الباقیات الصالحات یعنی ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھے، پھر عاجزی اور

انکساری کے ساتھ خوب جم کر انفرادی طور سے دعا مانگے۔

جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں، ان میں سلام کے بعد متصلاً الباقیات الصالحات پڑھے، پھر دعا مانگے اور لوگوں کو دعا سرًا مانگنی چاہیئے؛ تا کہ ہر آدمی اپنی مراد اللہ سے مانگ سکے۔

اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ التزام نہ ہونے پائے، کبھی دعا چھوڑ بھی دی جائے اور ہیئت اجتماعی کو ضروری نہ سمجھا جائے۔۔۔ اگر سارے مجمع کی مراد مشترک ہو، یا امام کے پیش نظر لوگوں کو دعا مانگنے کا طریقہ سکھانا ہو، تو پھر جہرًا بھی دعا مانگی جاسکتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہرًا دعائیں مانگی ہیں، تب ہی تو وہ منقول ہو کر ہم تک پہنچی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دو باتیں بے شک قابلِ اصلاح ہیں: ایک ہیئت اجتماعی، دوسری دعا کا التزام۔۔۔ اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ عام احوال میں جہری دعا نہ کی جائے؛ بلکہ ہر شخص اپنی زبان میں اپنی حاجتیں مانگے، تو ہیئت اجتماعی خود بخود ختم ہوجائے گی۔۔۔ التزام کو ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ امام صاحب لوگوں کو مختلف اوقات میں یہ بات سمجھاتے رہیں کہ امام اور مقتدیوں کا رابطہ سلام پر ختم ہوجاتا ہے، نماز سلام پر پوری ہوجاتی ہے، پس جس کو کوئی حاجت ہو، وہ جاسکتا ہے؛ بلکہ خود امام کو کوئی ضرورت ہو، تو وہ بھی جاسکتا ہے۔ (ملخص از تحفۃ الالمعی ۲/ ۹۵)

موجودہ مروجہ طریقۂ دعا کے مفاسد

موجودہ زمانے میں اجتماعی اور جہری دعا کا جو رواج ہے، اس میں میں نہ دعا کی شان ہے نہ روح، نہ دعا کی حقیقت نہ آدابِ دعا کی رعایت اور نہ مسبوق حضرات کا لحاظ، مساجد کے ائمہ اور ذمہ داران پر اللہ تعالی رحم فرمائے کہ قرآن وسنت کی تلقین اور بزرگان سلف کی ہدایات کو نظر انداز کرتے ہوئے ہر فرض نماز کے بعد بآواز بلند وَجد کے ساتھ دعا کی ایک مصنوعی سی کارروائی انجام دیتے ہیں اور مسبوق حضرات کی فرض نماز کو برباد کر دیتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

آج کل عوام جس انداز سے دعا مانگتے ہیں، اول تو اس کو دعا مانگنا ہی نہیں کہا جا سکتا؛ بلکہ پڑھنا کہنا چاہئے؛ کیوں کہ اکثر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہم جو کلمات زبان سے بول رہے ہیں، ان کا کیا مطلب ہے؟ جیسا کہ آج کل عام مساجد میں اماموں کا معمول ہو گیا ہے کہ کچھ عربی زبان کے دعائیہ کلمات انھیں یاد ہوتے ہیں، نماز کے ختم پر ان کو پڑھ دیتے ہیں، اکثر ان اماموں کو بھی ان کلمات کا مطلب و مفہوم معلوم نہیں ہوتا، جاہل مقتدی تو بالکل بے خبر ہوتے ہیں، وہ بے سمجھے بوجھے امام کے پڑھے ہوئے کلمات کے پیچھے آمین آمین کہتے ہیں، اس سارے تماشے کا حاصل چند کلمات کا پڑھنا ہوتا ہے، دعا مانگنے کی حقیقت پائی نہیں جاتی۔ (معارف القرآن، الاعراف: ۵۵، ۳/ ۵۷۷)

ہمارے زمانے کے ائمہء مساجد کو اللہ تعالی ہدایت فرماویں کہ قرآن و سنت کی تلقین اور بزرگانِ سلف کی ہدایات کو یکسر چھوڑ بیٹھے ہیں، ہر نماز کے بعد دعا کی ایک مصنوعی سی کارروائی ہوتی ہے، بلند آواز سے کچھ کلمات پڑھے جاتے ہیں جو آدابِ دعا کے خلاف ہونے کے علاوہ ان نمازیوں کی نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں، جو مسبوق ہونے کی وجہ سے امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر رہے ہوتے ہیں، غلبہء رسوم نے اس کی برائی اور مفاسد کو اُن کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔

(معارف القرآن، الاعراف: ۵۵، ۳/ ۵۷۸)

فرائض کے بعد اجتماعی اور جہری دعا کے مفاسد

الف: امام دعا کرتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں، گویا امام اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہے، دعا امام کے واسطے ہی سے ہو سکتی ہے؛ حالاں کہ اللہ بلا واسطہ سنتے ہیں، ہر ایک کی سنتے ہیں۔

ب: امام قرآن و حدیث کی مسنون دعائیں پڑھتے ہیں، معنی سمجھ کر پڑھیں، تو اولیٰ و افضل ہے، عموماً ائمہ اور مقتدی حضرات ان دعاؤں کا معنی نہیں سمجھتے، امام صاحب دعائیہ کلمات پڑھتے ہیں، جہاں سانس مکمل ہوتی ہے، وہاں مقتدی آمین کہتے ہیں، نہ امام کو

پتہ ہے کہ اس نے کیا مانگا؟ نہ مقتدی کو پتہ ہے کہ کس بات پر آمین کہی ہے، بعض ائمہ یوں دعا کرتے ہیں:

ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء الخ ربنا افرغ علینا صبرا الخ.

ظاہر بات ہے کہ پہلی دعا کو اللہ نے نقل فرمایا ہے، بطور دعا اس کی نقل کرنا بے معنی بات ہے، دوسری دعا مصیبت میں مبتلا ہونے کی صورت میں کی جاتی ہے، عام حالات میں اس دعا کو مانگنا گویا مصیبت کو مانگنا ہے۔

ج: مشترکہ حاجات وضروریات کے علاوہ ہر شخص کی ذاتی ضروریات ہوتی ہیں، امام صاحب چند از بر دعائیں پڑھتے ہیں، مقتدی مجبوراً ان پر آمین کہتے ہیں، مناسب یہ ہے کہ ہر شخص انفرادی طور سے اپنی اپنی ضروریات کے موافق دعائیں کرے۔

د: امام صاحب بآواز بلند دعائیہ کلمات پڑھتے ہیں، مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعات مکمل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، امام صاحب کی جہری دعا اور مقتدیوں کی بلند آمین سے اُن مسبوق لوگوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ موجودہ مروجہ طریقہء دعا قرآن وسنت رسول اللہ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے خلاف ہے، اس وجہ سے عام حالات میں اس مروجہ طریقہء دعا سے اجتناب کرتے ہوئے امام اور مقتدی سب آہستہ دعا مانگیں؛ البتہ کسی خاص موقع پر جہاں مذکورہ مفاسد نہ ہوں، کوئی شخص جہری دعا کرے، دیگر حضرات آمین کہیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔
(ملخص جواہر الفقہ ۲۰۱/۳)

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

کسی بھی دعا کے موقع پر (احوال متواردہ کی دعائیں مراد نہیں ہیں) خواہ نماز کے بعد کی جانے والی دعا ہو، یا دیگر اوقات میں کی جانے والی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کی ہدایات وتعلیمات سے ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرنا اور دعا سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھوں کو برکت کے لیے چہرے پر پھیر لینا ثابت ہے۔

(۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وسلم: الصلوۃ مثنی مثنی،

تشهد في كل ركعتين، وتخشع وتضرع وتمسكن، ثم تقنع يديك، يقول: ترفعهما الى ربك مستقبلا ببطونهما وجهك، وتقول يارب يارب، ومن لم يفعل ذالك فهو كذا وكذا وقال غير ابن المبارك، فهي خداج. (رواہ الترمذی عن الفضل بن عباس، باب ماجاء فی التخشع فی الصلوۃ: ۳۸۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نماز (نفل) دو دو رکعت ہے، ہر دو رکعت پر تشہد ہے اور (نماز) خشوع، خضوع اور سراپا سکون کا نام ہے، پھر اپنے ہاتھوں کے اندرونی حصے کو چہرے کی طرف بنا کر آسمان کی طرف اٹھاؤ، پھر کہو: اے رب! اے رب! جو شخص اس طرح نہ کرے، وہ نماز ناقص ہے۔

فائدہ: اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو نمازوں کے بعد دعا کرنے کا مکمل طریقہ بتایا ہے، جس میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی شامل ہے۔

(۲) حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

اتى رجل اعرابى من اهل البدو الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة، فقال يا رسول الله! هلكت الماشية، هلك العيال، هلك الناس، فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه يدعو، ورفع الناس ايدهم مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعون، الخ.

(رواہ البخاری، کتاب الجمعۃ، باب رفع الناس ایدھم مع الامام فی الاستسقاء: ۱۰۲۹)

جمعہ کے دن (دورانِ خطبہ) ایک دیہاتی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا، یارسول اللہ! امویشی، اہل وعیال اور عام لوگ (قحط سالی کی وجہ سے) مر رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور لوگوں نے بھی دعا کے لیے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا الخ۔

علامہ عبدالرحمن مبارک پوریؒ صاحب ''تحفۃ الاحوذی'' فرماتے ہیں:

مذکورہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ دعائے استسقا میں ہاتھوں کو اٹھایا ہے؛ لیکن دعا کے دیگر مواقع میں بھی ہاتھوں کو اٹھانے کا یہی حکم ہے، ہاتھوں کو

اٹھانا دعائے استسقا کے ساتھ خاص نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس روایت سے کسی بھی دعا میں ہاتھوں کے اٹھانے کے جواز و استحباب پر استدلال کیا ہے۔

علامہ مبارک پوریؒ (غیر مقلد عالم دین) فرماتے ہیں: میرے نزدیک نماز کے بعد ہاتھوں کو اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۲/۱۷۳)

(۳) حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یجعل اصبعیه حذاء منکبیه ویدعو. (مشکوۃ المصابیح بحوالہ الدعوات الکبیر للبیہقی: ۲۲۵۴)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیوں کے سروں کو مونڈھوں کے برابر کرتے، پھر دعا کرتے۔

فائدہ: حدیثِ مذکور سے معلوم ہوا کہ عام دعاؤں میں اپنے ہاتھوں کو مونڈھوں کے مقابل اٹھانا چاہئے۔

(۴) حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں:

ان ربکم حی کریم یستحی من عبده اذا رفع یدیه ان یردهما صفرا خائبتین. (رواہ الترمذی: ۳۵۵۶، وابوداؤد، باب الدعا: ۱۴۸۸)

تمہارا رب شریف و شرم سار ہے کہ جب کوئی بندہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے، تو اس کے ہاتھوں کو خالی واپس کرنے سے شرماتا ہے۔

دعا سے فارغ ہو کر چہرے پر ہاتھ پھیرنا

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں

(ا) کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا رفع یدیه فی الدعا، لم یحطهما حتی یمسح بهما وجهه.

(ترمذی، باب ماجاء فی رفع الایدی عند الدعا: ۳۳۸۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے، تو دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرنے سے پہلے ہاتھ نہیں چھوڑتے تھے۔

(۲) حضرت سائب بن یزیدؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذارفع یدیہ، مسح وجھہ، وجسدہ بیدیہ. (ابوداؤد، باب الدعا: ۱۴۹۲ و احمد، حدیث یزید: ۱۷۹۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے، تو دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے اور جسم پر پھیرتے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سلوا اللہ ببطون اکفکم، ولا تسئلوہ بظھورھا، فاذا فرغتم، فامسحوا بھا وجوھکم. (ابوداؤد، باب الدعا: ۱۴۸۶)

ہاتھوں کے اندرونی حصوں کو (پھیلا کر) دعا کرو، ہتھیلیوں کی پشت (پھیلا کر) مت مانگو، جب دعا سے فارغ ہو جاؤ، تو ہاتھوں کو اپنے چہروں پر پھیر لو۔

دعا کے مختلف پہلو ہیں، جن میں سے بطور خاص مذکوہ پہلوؤں کے سلسلے میں بحث کی گی ہے، اس لیے کہ مذکورہ مباحث ہی میں لوگوں میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔

* * *

بیمار کی نماز اور کرسی پر نماز

نماز دین کا ستون

اسلام میں سب سے اہم عبادت نماز ہے جو بندگی اور خدائے ذوالجلال سے مناجات کا بہترین ذریعہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے آپ کی امت کو بطور تحفہ عطا فرمایا؛ تاکہ ایمان والا اللہ جل جلالہ، وعم نوالہ کے حضور میں اپنی محبت و نیازمندی کا اظہار کر کے اس کا قرب، اس کی رحمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کی یاد سے اپنے قلب وروح کے لیے نور وسرور کا سرمایہ حاصل کرے۔

اسی لیے ہر نبی کی تعلیمات اور ہر آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آخری شریعت ''شریعت محمدیہ'' میں بھی نماز کی فضلیت، اوقات کی تعیین، تحدید، شرائط، ارکان، واجبات، سنن و آداب، مفسدات اور مکروہات، غرض یہ کہ نماز کی جملہ اقسام، اس کی عزیمتوں اور رخصتوں کو جس قدر تفصیل واہتمام سے بیان کیا گیا ہے، اس کی نظیر دیگر عبادات میں نہیں ہے۔

انہی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے نماز کو دین کا ستون، ایمان وکفر کے درمیان خطِ امتیاز، عظیم ترین شعارِ اسلام اور امتیازی نشان قرار دیا گیا ہے، نماز دین کے احکام میں سب سے پہلے فرض ہونے والی اور قیامت میں سب سے پہلے حساب لی جانے والی عبادت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو ہر عاقل، بالغ، مسلمان مرد وعورت، امیر وغریب، مسافر ومقیم، صحیح اور مریض پر بلا کسی امتیاز فرض فرمایا ہے۔

نماز کی پابندی اور اس کا اہتمام کس قدر لازم وضروری ہے، ہم خاتم النبیین وسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کے عمل سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ ﷺ کے لیے بھی آخری لمحات تک معاف نہیں کی گئی۔

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں مبتلا ہوئے، مرض کی شدت

سے بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور کئی کئی دفعہ وضو کا پانی طلب فرماتے، آخر ایک مرتبہ وضو فرما کر حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور فضل بن عباسؓ وغیرہ حضراتِ صحابہ کے سہارے سے مسجد تشریف لے جا کر جماعت کی نماز میں شرکت فرمائی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں آپ کو دیکھ رہی تھی کہ (مرض الوفات میں) آپ کے پاؤں مبارک زمین پر اچھی طرح جمتے بھی نہیں تھے، اِسی حالت میں با جماعت نماز کے لیے تشریف لے گئے۔ (رواہ البخاری عن عائشۃ فی حدیث طویل، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ: ۶۸۷)

شریعت محمدیہ کی امتیازی شان: الحنفیة السمحة

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہایت آسان شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا، شریعتِ محمدیہ کے ہر حکم میں سہولتیں وآسانیاں خوب نمایاں ہیں۔

اللہ جل جلالہ نے توریت وانجیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ١ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ .
>
> (الاعراف: ۱۵۷)

وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسولِ امی کی، جن (کی صفات) کو تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ نیک کاموں کا حکم کرتے ہیں، برے کاموں سے منع کرتے ہیں، پاک چیزوں کی حلت اور ناپاک چیزوں کی حرمت کو بیان کرتے ہیں، گذشتہ امتوں پر جو احکام شاقہ تھے، ان کے منسوخ ہونے کو بیان فرما کر آسان وسہل احکام لے آتے ہیں، پس جو لوگ اس نبی پر ایمان لے آئے، ان کی رفاقت ونصرت کی اور اس نور کی پیروی کی جو آپ کے ساتھ اترا ہے، وہی لوگ کامیاب ہیں۔

گذشتہ امتوں پر بعض احکام نہایت مشکل تھے، مثلاً توبہ کے لیے قتل کیا جانا، جن اعضا سے گناہ کا ارتکاب ہوا ہے، ان کا کاٹا جانا، ہفتے کے دن دنیوی کام وکاج کا ممنوع ہونا، ناپاک کپڑے کو قینچی سے کاٹنا، مالِ غنیمت کا حرام ہونا، گناہوں کی وجہ سے بعض پاکیزہ چیزوں کا حرام قرار دیا جانا، وغیرہ، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ادیان میں آسان ترین دین دینِ حنیف کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

اللہ جل جلالہ نے امتِ محمدیہ کو مندرجہ ذیل دعا کی تلقین فرمائی ہے۔

رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَآ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا ۚ.
(البقرۃ:۲۸۶)

اے ہمارے رب! ہم پر کوئی سخت حکم نازل نہ فرما جیسا کہ تو نے ہم سے پہلی امتوں پر نازل فرما؛ تاکہ بندے مشکل وناقابل برداشت احکام کے نازل نہ ہونے پر اللہ کا شکر ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ روزے کی سہولیات کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

يُرِيۡدُ اللّٰهُ بِكُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيۡدُ بِكُمُ الۡعُسۡرَ ۖ. (البقرۃ:۱۸۵)

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ سہولت کا معاملہ فرمانا چاہتے ہیں، عسر وتنگی کا معاملہ کرنا نہیں چاہتے۔

اللہ تعالیٰ تیمم کی سہولت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

مَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ. (المائدۃ:۶)

اللہ تعالیٰ نے تم پر دین کے سلسلے میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔

شریعتِ اسلامیہ نے بندوں کو اپنے اوپر اس طرح کے مشکل احکام لازم کر لینے سے بھی منع فرمایا ہے، جائز لذتوں اور مباح چیزوں کو اعتقاداً اور عملاً حرام قرار دینے کو بھی ناجائز وحرام قرار دیا ہے۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت علیؓ بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہؓ نے عہد کیا کہ رات بھر قیام کریں گے، دن میں روزہ رکھیں گے اور بیویوں کے قریب نہیں

جائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا:

إنما بعثت بالحنفية السمحة. (رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی أمامة: ۷۷۱۵)

میں آسان ترین دین دے کر بھیجا گیا ہوں، یہودیت (جس میں سخت احکام تھے) اور رھبانیت (جس کے ماننے والے خود اپنی طرف سے جائز چیزوں کو حرام کرلیا کرتے تھے) دے کر نہیں بھیجا گیا ہوں اور فرمایا: رات میں قیام کرو، آرام بھی کرو، دن میں روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الدين يسر. (رواہ البخاری عن ابی هريرة، کتاب الایمان، باب الدین یسر: ۳۹)

دین (اور دین کے احکام) نہایت سہل و آسان ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

أی الأديان أحب إلى الله؟

کونسا دین آسان ہے؟

قال: الحنفية السمخة. (رواہ احمد عن ابن عباس رقم الحدیث: ۲۱۰۷)

آپ نے فرمایا: دین حنیف جو سہل و آسان ہے۔

نماز میں شریعت کی سہولتیں

فقہائے کرام نے فقہ و فتاوی کی کتابوں میں عزیمت، رخصت اور کتاب الاکراہ کے ابواب قائم فرما کر شرعی ترخیصات و سہولتوں کو مکمل تفصیلات کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ہمیں ان کا احاطہ کرنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ ایک نمونہ پیش کرنا ہے، جس طرح دیگر احکامات میں سہولتیں ہیں، اسی طرح نماز میں بھی سہولتیں ہیں۔

اللہ تعالی نے ہر عاقل، بالغ، مسلمان، مرد و عورت، امیر و غریب، مسافر و مقیم اور صحیح و مریض ہر ایک پر نماز کو فرض فرمایا ہے، معذور افراد کے لیے اس میں بھی سہولتیں رکھی ہیں، مثلاً

(۱) شرعی مسافر کے لیے چار رکعت والی نمازوں میں قصر (دو رکعت پڑھنا)

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ. (النساء:۱۰۱)

جب تم زمین میں سفر کرو، تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کرو۔

(۲) صلوۃ الخوف کی مشروعیت۔

وَ اِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ الخ. (النساء:۱۰۲)

جب آپ ان میں موجود ہیں اور نماز قائم کرنا چاہیں، تو ایک جماعت کھڑی ہو جائے الخ۔

(۳) نماز پڑھنے کے لیے پانی نہ ہو، یا پانی کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو، تو تیمم کی اجازت وسہولت۔

وَ اِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا. (المائدۃ:۶)

جب تم بیمار ہوں، یا سفر میں ہوں، یا تم میں سے کوئی استنجا کرے، یا صحبت کرے، (جس کی وجہ سے تم پر وضو، یا غسل فرض ہوجائے) اور پانی نہ پاؤ، تو پاک مٹی کا قصد کرو۔

(۴) عورتوں کے لیے ایامِ حیض ونفاس کی نمازوں کا معاف کیا جانا۔

كنا نحيض مع النبي صلى الله عليه وسلم، فلا يأمرنا به، او قالت فلا نفعله. (رواہ البخاری، کتاب الطھارۃ، باب لاتقضی الحائض الصلوۃ: ۳۲۱ والترمذی، باب ماجاء فی الحائض أنھا لاتقضی الصلوۃ ۱/ ۲۳۴ رقم: ۱۳۰)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایامِ حیض کی نمازوں کی قضاء نہیں کرتی تھیں۔

ایامِ حیض کی نمازوں کی قضا کا واجب نہ ہونا پوری امت کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ ہے۔

(۵) بیمار نمازی کے لیے سہولت کا بیان

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ. (النساء:۱۰۳)

نماز پڑھو کھڑے ہو کر، یا بیٹھ کر، یا پہلو کے بل۔

علامہ نسفیؒ نے ''مدارک التنزیل'' میں، ابن الجوزیؒ نے ''زاد المسیر'' میں، خازن نے ''لباب التاویل'' میں اور ملا جیونؒ نے ''تفسیرات احمدیہ'' میں اس آیتِ شریفہ سے صلوۃ المریض پر استدلال کیا ہے، ابن الجوزیؒ نے اس تفسیر کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول قرار دیا ہے۔

خازن لکھتے ہیں:

قيل: المراد بالذكر الصلوة يعنى فصلوا لله قياما، يعنى فى حالة الصحة، وقعودا فى حالة المرض، وعلى جنوبكم يعنى فى حال الزمانة، والجراح. (لباب التاویل فی معانی التنزیل: النساء: ۱۰۳)

ذکر سے مراد نماز ہے، یعنی اللہ کے لیے کھڑے ہو کر نماز پڑھو صحت کی حالت میں، بیٹھ کر نماز پڑھو بیماری کی حالت میں اور پہلو کے بل نماز پڑھو اپاہج اور زخمی ہونے کی حالت میں۔

فإذا أردتم أداء الصلوة، فصلوا قياما، إن قدرتم عليه، وقعودا، إن عجزتم عن القيام، ومضطجعين، إن عجزتم عن القعود.

(مدارک التنزیل: النساء: ۱۰۳)

جب تم نماز کا ارادہ کرو، تو اگر کھڑے ہو سکتے ہو، تو کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہونے سے عاجز ہوں، تو بیٹھ کر نماز پڑھو، اگر بیٹھنے سے عاجز ہوں، تو لیٹ کر نماز پڑھو۔

احادیث میں بیماروں کی نماز کی سہولتوں کا بیان

(۱) عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال كانت بى بواسير، فسألت النبى صلى الله عليه وسلم عن الصلوة، فقال: صل قائما، فإن لم تستطع، فقاعدا، فإن لم تستطع، فعلى جنب. (رواہ البخاری، اذا لم یطق قاعدا ۱/۱۵۰ رقم: ۱۱۱۷)

قال الزيلعي: اخرجه الجماعة الامسلما، وزاد النسائى "فإن لم

تستطع، فمستلقیا، لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعھا.

(نصب الرایۃ، باب صلوۃ المریض ۱۷۷/۲)

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے بارے میں سوال کیا، (بیماری کی حالت میں کس طرح نماز پڑھوں) آپ نے فرمایا: کھڑے ہوکر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو، تو بیٹھ کر پڑھو، اگر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو، تو پہلو کے بل نماز پڑھو، امام نسائی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف و پابند نہیں بناتے۔

(۲) عن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال: یصلی المریض قائما، إن استطاع، فإن لم یستطع، صلی قاعدا، فإن لم یستطع أن یسجد أومأ، وجعل سجودہ أخفض من رکوعہ، فإن لم یستطع أن یصلی قاعدا، صلی علی جنبہ الأیمن مستقبل القبلۃ، فإن لم یستطع أن یصلی علی جنبہ الأیمن، صلی مستلقیا ورجلاہ ممایلی القبلۃ. (رواہ الدارقطنی، باب صلوۃ المریض من رعف فی صلوتہ ۳۱/۲ رقم: ۱۷۰۶)

رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا:

مریض کھڑے ہوکر نماز پڑھے گا، اگر وہ کھڑے ہوکر پڑھ سکتا ہے، اگر کھڑا نہیں ہوسکتا ہے، تو بیٹھ کر نماز پڑھے گا، اگر بیٹھ کر رکوع وسجدے کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، تو بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے اور سجدے کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ جھکا ہوا کرے، اگر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ نہیں سکتا ہے، تو داہنے پہلو کے بل اشارے سے نماز پڑھے، اگر داہنے پہلو کے بل اشارے سے بھی نماز پڑھ نہیں سکتا ہے، تو لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھے اور قبلے کی طرف اپنے پیر لمبے کرلے؛ تاکہ چہرہ قبلہ رو ہوجائے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

يصلي المريض قائما، فان نالته مشقة، صلى جالسا، فان نالته مشقة، صلى بالإيماء يؤمي بالإيماء برأسه، فان نالته مشقة، سبح. (رواه الطبراني في الاوسط: ٤١٤٤ وقال لم يروه عن إبن جريج إلا حلس بن محمد الضبعي، قلت (ظفر احمد التهانوی) ولم أجد من ترجمته، والمستور من القرون الثلاثة مقبول.

(اعلاء السنن ۷/ ۱۹۵ اور رواہ فی مجمع الزوائد وقال ولم أجد من ترجمة، وبقية رجاله ثقات، صلوة المريض ۱/ ۳۲۱)

بیمار آدمی کھڑے ہوکر نماز پڑھے (اگر کھڑے ہونے کی استطاعت ہو) اگر اس کو کھڑے ہونے میں مشقت ہو، تو بیٹھ کر پڑھے، (اگر بیٹھنے کی طاقت ہو) اگر بیٹھنے میں بھی مشقت ہو، تو سر کے اشارے سے نماز پڑھے، اگر اس میں بھی مشقت ہو، تو ذکر کرے (اور نماز موقوف کردے)

ان ہی آیات شریفہ احادیث مبارکہ سے حضرات فقہائے کرام نے صلوۃ المریض کے احکام مستنبط فرمائے ہیں۔

کن لوگوں کو نماز بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے؟

مسئلہ (۱) بلا عذر نفل نماز بیٹھ کر رکوع وسجدے کے ساتھ پڑھنا بلا کراہت درست ہے؛ البتہ کھڑے ہوکر پڑھنے سے جتنا ثواب ملتا ہے، اس کا آدھا ثواب ملے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلى قاعدا، فله نصف أجر القائم. (رواہ البخاری، باب صلوۃ القاعد ۱/ ۱۵۰)

جو آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے، اس کو کھڑے ہوکر پڑھنے والے کی بنسبت آدھا اجر ملے گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

يجوز أن يتنفل القادر على القيام قاعدا بلا كرهة في الأصح.

(الہندیہ، الباب الرابع فی النوافل ۱/ ۱۱۴)

قیام پر قدرت رکھنے والا بیٹھ کر بلا کراہت نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ (۲) فرض اور واجب کے لیے قیام فرض اور رکن ہے، معمولی اعذار کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

وقوموا للہ قانتین ای مطیعین، والمراد بہ القیام فی الصلوۃ بإجماع المفسرین فی الفرض، وماھو ملحق بہ، واتفقوا علی رکنیتہ.

(البحر الرائق، صفۃ الصلوۃ ۱/۵۰۹)

اللہ کے لیے کھڑے ہوجاؤ یعنی اطاعت کرتے ہوئے، تمام مفسرین کرام کا اجماع ہے کہ اس سے فرض اور فرض سے ملحق نمازوں میں قیام مراد ہے۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے سے متعلق مسائل

علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

من تعذر علیہ القیام أی کلہ لمرض حقیقی وحدہ، أو أن یلحقہ بالقیام ضرر، بہ یفتی، قبلھا أو فیھا أو حکمی بأن خاف زیادتہ، أو بطأبرأہ بقیامہ، أو دوران رأسہ، أووجد لقیامہ ألما شدیدا، أو لو کان لو صلی قائما سلس بولہ، أو تعذر علیہ الصوم، صلی قاعدا.

(الدر المختار مع رد المحتار ۲/۵۶۴)

قال إبن عابدین: قولہ لمرض حقیقی قال فی البحر: أراد بالتعذر الحقیقی بحیث لو قام سقط ---خاف أی غلب علی ظنہ بتجربۃ سابقۃ، أو إخبار طبیب حاذق ---قولہ أووجد لقیامہ ألما شدیدا، وھذاداخل فی أفراد الضرر المذکور. (رد المحتار ۲/۵۶۴)

(۱) جو شخص شدید مرض کی وجہ سے تھوڑی دیر بھی کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتا، اگرچہ سہارے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) تکلیف و مشقت کے ساتھ کھڑا ہوسکتا ہے؛ لیکن مرض میں زیادتی ہوگی۔

(۳) تکلیف و مشقت کے ساتھ کھڑا ہوسکتا ہے؛ لیکن مرض کا علاج جلد ممکن نہ ہوگا۔

(۴) تھوڑی بہت دیر کھڑا ہوسکتا ہے؛ لیکن دورانِ سر (چکر) پیش آسکتا ہے، یا

عموماً آتا ہے۔

(۵) جس شخص کو کسی مسلم ماہر تجربہ کار ڈاکٹر نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے منع کر دیا ہو۔

(٦) دیوار یا کسی بھی چیز کے سہارے سے بھی کھڑے ہونے میں بہت سخت دشواری محسوس کرتا ہو۔

(۷) کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے پیشاب کے قطرات گرتے ہوں۔

(۸) کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے روزہ کو مکمل کرنا دشوار ہو جاتا ہو۔

اس طرح کے لوگوں سے قیام ساقط ہو جاتا ہے جو لوگ اس طرح معذور نہ ہوں، اگر وہ بیٹھ کر فرض نماز پڑھیں گے، تو قیام چوں کہ رکن اور فرض ہے، اس کو ترک کرنے کی وجہ سے ان کی نماز نہیں ہوگی۔

مسئلہ (۳) بیٹھ کر نماز پڑھنے والوں کو چاہئے کہ اگر آسانی وسہولت ہو، تو تشہد ہی کی حالت میں بیٹھیں، بلا وجہ اس حالت کو ترک نہیں کرنا چاہئے، اگر تشہد کی حالت میں بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہو، تو جس طریقے اور جس حالت میں سہولت وآسانی ہو، اس طریقے سے زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھیں، مثلاً چار زانو، یا تورک کی حالت میں بیٹھے، یعنی بایاں پیر باہر کی طرف نکال کر داہنے پیر کو کھڑا کر کے سرین پر بیٹھے، یا داہنے پیر کو باہر کی طرف نکال دے، بائیں پیر کو کھڑا کر کے سرین پر بیٹھے۔

علامہ ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں:

> **اذاعلمت ذالك فالراجع عندنا ظاهرالرواية عن الامام ان**
> **المتطوع جالسايجلس كاالمتشهد مفترشا لكونه سنة الصلاة ،**
> **فلاتترك بلاعذر، المريض يجلس كيف شاء ، أى كيفما تيسر له ،**
> **وإن تعذر على الجلوس كالمتشهد، فهو أولى، والأمر واسع.**

(اعلاء السنن ۷/ ۲۰۳، البدائع ۱/ ۲۸٦، البحر الرائق ۲/ ۱۹۹)

مسئلہ (۴) اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھے، تو قیام کر سکتا ہے، اگر جماعت کے ساتھ

پڑھے، تو قیام پر قادر نہیں ہوگا، ایسے شخص کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، مفتی بہ قول یہ ہے کہ تنہا نماز پڑھ لے، اس لیے کہ قیام فرض ہے، جماعت سنت ہے، فرض کو سنت کی وجہ سے ترک کرنا درست نہیں، نیز جماعت کی نماز میں قیام کا دشوار ہونا، اس مریض کے لیے ترکِ جماعت کے لیے عذر ہوگا۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

> **لو كان بحال لو صلى منفردا يقدر على القيام، ولو صلى مع الإمام لايقدر، فإنه يخرج إلى الجماعة، ويصلى قاعدا، وهو الأصح، كما فى المجتبى، لأنه عاجز عن القيام حالة الأداء المعتبرة، وصحح فى الخلاصة أنه يصلى فى بيته قائما، قال وبه يفتى ---والأشبه ماصححه فى الخلاصة لأن القيام فرض، فلايجوز تركه لأجل الجماعة التى هى سنة بل يعد عذرا فى تركها.**

(البحر الرائق ۱/ ۵۰۹، الفتاوی الرحیمیہ ۳/ ۵۶)

مسئلہ (۵) اگر کوئی شخص ایسا ہے جو زیادہ دیر قیام نہیں کرسکتا؛ البتہ تھوڑی دیر قیام کرسکتا ہے، ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ نماز کھڑے ہوکر شروع کرے، جب مشقت وتکلیف محسوس ہو، تو زمین پر بیٹھ جائے، اگر شروع ہی سے بیٹھ گیا، تو فرض وواجب نماز کے صحیح نہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

> **إن قدر على بعض القيام، ولو كان متكأ على عصا، أو حائط، قام، لزوما بقدر مايقدر، ولو قدر آية أو تكبيرة على المذهب لأن البعض معتبر بالكل، فى ردالمحتار: فى شرح الحلوانى نقلًا عن الهندوانى: لو قدر على بعض القيام دون تمامه، أو كان يقدر على القيام لبعض القراءة دون تمامها، يؤمر بأن يكبر قائما، ويقرأ ماقدر، ثم يقعد إن عجز، وهو المذهب الصحيح لا يروى خلافه عن أصحا**

بنا، ولو ترك هذا، خفت أن لا تجوز صلوته. (ردالمحتار ۲/ ۵٦۷، الهندیہ ۱/ ۱۳٦)

مسئلہ (٦) جو شخص قیام پر قادر ہو اور رکوع وسجدے پر قادر نہ ہو؛ البتہ زمین پر بیٹھنے پر قادر ہو، ایسے شخص کے لیے کھڑے ہو کر رکوع وسجدے کے اشارے سے نماز پڑھنا بھی جائز ہے اور زمین پر بیٹھ کر رکوع وسجدے کے اشارے سے نماز پڑھنا بھی جائز ہے؛ لیکن دوسری صورت افضل ہے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

إن كان قادرا على القيام دون الركوع، والسجود، يصلي قاعدا بالإيماء، وإن صلى قائما بالإيماء أجزأه، ولا يستحب.

(بدائع الصنائع ۱/ ۲۸٦)

مسئلہ (۷) اگر کوئی شخص اتنا کمزور یا بیمار ہو کہ لیٹ کر آسانی سے نماز پڑھ سکتا ہے؛ لیکن سادہ فرش پر بیٹھ نہیں سکتا؛ البتہ گدا، تکیہ وغیرہ کے سہارے سے بیٹھ سکتا ہے، یا جانبِ قبلہ پیر پھیلا کر کے بیٹھ سکتا ہے، تو ایسے شخص کے لیے سہارا لے کر جانبِ قبلہ پیر پھیلائے ہوئے بیٹھ کر نماز پڑھنا لازم ہے، اس کی طاقت ہوتے ہوئے لیٹ کر، یا کرسی پر فرض نماز پڑھنا جائز نہیں۔

عن مجزأة بن زاهر عن أهبان بن أوس من أصحاب الشجرة، وكان اشتكى ركبتيه، فكان إذا سجد جعل تحت ركبتيه وسادة.

(اخرجہ البخاری، کتاب المغازی، غزوۃ الحدیبیۃ ۲/ ٦۰، رقم: ۴۱۷۴)

قلت (ظفر احمد التهانوی) فيه دلالة على مثل ما دل عليه الحديث السابق أنه إذا لم يقدر على السجود إلا بجعل الوسادة، أو القطن تحت ركبتيه، ونحوه، لزمه ذالك تجشم ذالك. (اعلاء السنن ۷/ ۲۰۵)

في شرح القاضي: فإن عجز عن القيام مستويا، قالوا يقوم متكأ، لا يجزيه إلا ذالك، وكذا لو عجز عن القعود مستويا قالوا: يقعد متكأ لا يجزيه إلا ذالك. (ردالمحتار ۲/ ۵٦۷، ہندیہ ۱/ ۱۳٦)

نیز دارقطنی کی روایت میں اشارے کی اجازت بیٹھنے پر قدرت نہ ہونے کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔

فإن لم يستطع، صلى قاعدا، فإن لم يستطع أن يسجد أو مأ.

(رواہ الدارقطنی، باب صلوۃ المریض من رعف فی صلوتہ ۳۱/۲)

مسئلہ (۸) اگر کوئی شخص بیٹھنے پر قادر ہو؛ البتہ زمین پر سجدہ کر نہیں سکتا، اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے سامنے کوئی سخت چیز پتھر، تختہ وغیرہ دو اینٹ (ایک فٹ) کے بقدر کسی چیز کو زمین پر رکھے، اس پر سجدہ کرے، اس طرح کسی چیز پر سجدہ کر سکتا ہو، تو بھی سجدے کے اشارے سے نفل نماز جائز نہیں ہے، چہ جائے کہ فرض نماز جائز ہو۔

نیز اپنے ہاتھ میں کوئی چیز اٹھا کر اس پر سجدہ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

إنما لزمه الاستقبال لأنها (السفينة) كالبيت حتى لايتطوع فيها موميا مع القدرة على الركوع والسجود بخلاف راكب الدبة (ردالمحتار ۵۷۳/۲) إن كان الموضوع ممايصح السجود عليه كحجر مثلاً، ولم يزد ارتفاعه على قدر لبنة أولبنتين، فهو سجود حقيقي۔۔۔بل يظهر لي أنه لو كان قادرا على وضع شيء على الأرض مما يصح السجود عليه أنه يلزمه ذالك لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقة، ولا يصح الإيماء بهما مع القدرة عليهما بل شرطه تعذرهما. (ردالمحتار ۵۶۹/۲)

وقال في "منحة االخالق" على البحر الرائق: ثم رأيت القهستاني قال: بعد قوله ولا يرفع إلى وجهه شيء يسجد عليه، فيه إشارة إلى أنه لو سجد على شيء مرفوع موضوع على الأرض لم يكره.

(منحۃ االخالق علی البحر الرائق ۲۰۰/۲)

لورفع المريض شيئا يسجد عليه ولم يقدر على الارض لم يجز

الاان يخفض برأسه لسجوده اكثر من ركوعه، ثم يلزق بجبينه، فيجوز لانه لما عجز عن السجود، وجب عليه الايماء، والسجود على الشيء المرفوع ليس بالايماء الاحرك رأسه، فيجوز لوجود الايماء لالوجود السجود على ذالك الشيء. (البحر الرائق ۲/ ۲۰۱)

* * *

کرسی پر نماز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہدایت فرمائی ہے کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اُسی طرح تم بھی نماز پڑھو، نماز ادا کرنے کا طریقہ وہی ہونا چاہئے جو میرا ہے۔

صلوا کمار أیتمونی اصلی. (بخاری، باب الاذان للمسافر حدیث: ۶۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا جو طریقہ متعین فرمایا ہے، اس میں کچھ افعال کا تعلق زبان کے بول سے ہے، جیسے تکبیراتِ انتقالیہ، قراءت، رکوع، سجدے کی تسبیحات اور تشہد وغیرہ، بعض اعمال کا تعلق اعضا و جوارح سے ہے، ان میں سے چار افعال وہ ہیں، جن کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، اسی وجہ سے وہ ارکان میں شامل ہیں، وہ افعال: قیام رکوع، سجدہ اور قعدۂ اخیرہ ہیں۔

قیام

قیام نماز کا رکن ہے، ہر فرض و واجب نماز میں فرض ہے، قرآن مجید کی کئی آیات میں نماز میں قیام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَ قُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ۝۲۳۸ . (البقرۃ: ۲۳۸)

نماز میں قیام کی فرضیت پر بے شمار احادیث موجود ہیں اور فرض اور واجب نماز میں قیام کی فرضیت پر پوری امت کا اتفاق ہے۔

صرف دو صورتیں قیام کی فرضیت سے مستثنیٰ ہیں: نماز پڑھنے والا قیام سے معذور ہو، اس صورت میں وہ شخص کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھے گا، بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، تو لیٹ کر پڑھے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نفل نماز یں قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر ادا کر سکتا ہے: البتہ کھڑے ہوکر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا اجر ملے گا۔ (ملخص از کرسی پر نماز: ۳،

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ)

رکوع

رکوع بھی نماز کا ایک اہم رکن ہے، ہر نماز میں خواہ فرض ہو، یا نفل رکوع فرض ہے۔

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ . (البقرة: ۴۳)

احادیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے، اس میں رکوع کا ذکر موجود ہے اور رکوع کی فرضیت پر پوری امتِ مسلمہ متفق ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص رکوع پر قادر نہ ہو، رکوع کی فرضیت ساقط ہوجائے گی، رکوع کے بجائے رکوع کا اشارہ کرے گا، فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اس کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: نمازی رکوع اور سجدہ دونوں سے معذور ہو، تو اس صورت میں رکوع وسجدہ دنوں اشارے سے ادا کرے گا۔

دوسری صورت: رکوع پر قادر ہو، سجدہ پر قادر نہ ہو، اس صورت میں رکوع کی فرضیت ساقط ہوجائے گی، مشہور قول کے مطابق ایسا شخص بیٹھ کر اشارے سے نماز ادا کرے گا، شمس الائمہ سرخسی سے مروی ہے کہ ایسے شخص کو اختیار ہے کہ وہ چاہے، تو بیٹھ کر رکوع وسجدے کے اشارے سے نماز ادا کرے، چاہے، تو کھڑے ہو کر نماز پڑھے، کھڑے ہو کر ہی رکوع وسجدے کے اشارے سے نماز ادا کرے؛ البتہ بیٹھ کر رکوع وسجدے کے اشارے سے نماز ادا کرنا افضل ہے۔

سقط الركوع عمن سقط عنه السجود، وان كان قادر على الركوع. (بدائع ۱/۲۸۷)

تیسری صورت: رکوع پر قادر نہ ہو؛ البتہ سجدے پر قادر ہو، فقہاء کے نزدیک اس صورت کا حکم ملتا نہیں چناں چہ:

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

لم ار حکم ما اذا تعذر الرکوع دون السجود، کانہ غیر واقع.

(البحر الرائق ۲/ ۲۰۰)

اس صورت کا حکم مجھے نہیں ملا کہ جب کہ رکوع پر قادر نہ ہو، سجدے پر قادر ہو، شاید یہ صورت پیش نہیں آتی ہے۔ (ملخص از کرسی پر نماز: ۶)

سجدہ

سجدہ نماز کا اہم ترین رکن ہے،؛ بلکہ بعض فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قیام ورکوع سجدے کے لیے وسیلے کے درجے میں ہیں، اصل مقصود سجدہ ہی ہے، قیام ورکوع تنہا عبادت نہیں؛ لیکن سجدہ تنہا عبادت ہے، سجدہ تلاوت واجب ہے اور سجدۂ شکر مستحب۔

سجدے کی فرضیت قرآن مجید، احادیثِ شریفہ سے ثابت ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے، سجدہ مسنون طریقے پر کرنا ممکن نہ ہو، تو سر کے اشارے سے سجدہ کیا جائے گا۔ (ملخص از کرسی پر نماز: ۷)

قعدہ

قعدۂ اولیٰ واجب اور بقدر تشہد قعدۂ اخیرہ فرض ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قعدے میں بیٹھنے کی دو صورتیں مروی ہیں، پہلی صورت تورک اور دوسری صورت افتراش، احناف کے نزدیک عام حالات میں افتراش افضل ہے۔

جس طرح قیام، رکوع وسجدے سے معذور شخص کے لیے شریعت میں سہولتیں دی گئیں ہیں، اس طرح کی سہولتیں قعدے سے معذور شخص کے لیے بیان نہیں کی گئی ہیں، اس لیے کہ نماز کی کیفیات میں سب سے آسان کیفیت قعدے کی ہے، مسنون ہیئت پر بیٹھے، اگر ممکن نہ ہو، تو جس طرح سہولت ہو، بیٹھ سکتا ہے،، اگر کسی بھی طرح زمین پر بیٹھنا ممکن نہ ہو، تو ایسا شخص لیٹ کر نماز ادا کرے گا۔ (ملخص از کرسی پر نماز: ۸)

یہ تمہدی باتیں مختصراً اس لیے پیش کی گئیں ہیں کہ کرسی پر نماز پڑھنے میں یہ چاروں ارکان متاثر ہوتے ہیں، حدیثِ نبوی اور آثارِ صحابہ میں کرسی پر نماز پڑھنے کی تصریح نہیں

ملتی، اگر ان تمہیدی کلمات کو پیش نظر رکھا جائے، تو کرسی پر نماز کے مسائل کو سمجھنے میں سہولت ہوگی۔

معذور کے لیے کرسی پر نماز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے جن افعال کو جس ہیئت کے ساتھ ادا فرمایا ہے، امت کو بھی اسی ہیئت وطریقے پر نماز کے اِن افعال کو ادا کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ مقررہ ہیئت سے ہٹ کر عمل کی اجازت، اُسی شخص کے لیے ہے، جو کسی عمل کو مسنون و ماثور ہیئت کے مطابق ادا نہ کر سکے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت، اُسی وقت دی ہے جب کہ کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو، لیٹ کر نماز پڑھنے کی اجازت، اُسی وقت دی ہے جب کہ بیٹھنے پر قدرت نہ ہو۔

لہٰذا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں دشواری ہو، تو زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرے، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی ثابت ہے؛ البتہ جو لوگ مسنون ہیئت پر نہیں بیٹھ سکتے، ایسے معذور لوگوں کے لیے اجازت ہے کہ وہ جیسے چاہیں، جس ہیئت میں ان کے لیے سہولت ہو، اُس ہیئت وطریقے پر بیٹھیں، افتراش، تورک، چارزانو، یا کسی اور طریقے پر جس میں سہولت ہو، بیٹھ سکتے ہیں۔

علامہ برہان الدین ابو المعالی البخاریؒ تحریر فرماتے ہیں:

> **الاصل فی هذاالفصل: ان المریض اذاقدرعلی الصلاة قائما برکوع وسجود، لایجزیه غیر ذالك، لانه لماقدر علی القیام والرکوع والسجود، کان بمنزلة الصحیح، والصحیح لایجزیه ان یصلی المکتوبة الاقائما برکوع وسجود، کذالك هذا، وان عجز عن القیام وقدر علی القعود، فانه یصلی المکتوبة قاعدا برکوع وسجود، ولایجزیه غیر ذالك، لانه عجز عن نصف القیام، وقدرعلی النصف، فماقدر علیه، لزمه، وماعجز عنه سقط، فان عجز عن الرکوع والسجود، وقدر علی القعود، فانه یصلی قائدا**

ایماءًا، ویجعل السجود اخفض من الرکوع، فان عجز عن القعود، صلی مستلقیا علی ظھرہ، فان لم یقدر الا مضطجعا، استقبل القبلة، وصلی مضطجعا بایماء.

(المحیط البرھانی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض ۳/۲۶ بحوالہ کرسی پر نماز: ۱۵)

مریض کی نماز کے سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ مریض کھڑے ہوکر رکوع وسجدے کے ساتھ نماز ادا کرنے پر قادر ہو، تو وہ رکوع اور سجدے کے ساتھ کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھے گا، اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت اس کے لیے کافی نہیں ہوگی، اس لیے کہ جب وہ قیام، رکوع اور سجدے پر قادر ہے، تو وہ (نماز کے سلسلے میں) صحت مند آدمی کے حکم میں ہے، صحت مند آدمی کے لیے کھڑے ہوکر رکوع اور سجدے کے ساتھ فرض نماز کی ادائیگی ضروری ہے، یہی حکم یہاں پر بھی ہوگا۔

اگر وہ قیام سے عاجز ہو اور بیٹھ کر نماز ادا کرنے پر قادر ہو، تو وہ فرض نماز بیٹھ کر رکوع وسجدے کے ساتھ ادا کرے گا، اس کے بغیر اس کی نماز درست نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ آدھے قیام سے عاجز ہے اور آدھے پر قادر ہے، جتنے پر وہ قادر ہے، اتنا اس پر لازم ہے اور جتنے سے، وہ عاجز ہے، وہ معاف ہے، پھر رکوع اور سجدہ کرنے سے عاجز ہو اور بیٹھنے پر قادر ہو، تو وہ بیٹھ کر اشارے سے نماز ادا کرے گا۔

غرض یہ کہ جو شخص زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی قدرت رکھتا ہو، اس کے لیے فرض نمازیں بیٹھ کر ہی ادا کرنا ضروری ہے، اشارے سے رکوع کرے گا اور سجدہ مسنون ہیئت کے مطابق ادا کرسکتا ہے، تو مسنون ہیئت کے مطابق سجدہ ادا کرے گا، اگر اس کی قدرت نہ ہو، تو رکوع اور سجدہ دونوں کو اشارے سے ادا کرے گا۔

قابلِ توجہ بات

بے حد افسوس کی بات ہے کہ آج کل کرسی پر نماز پڑھنے کے سلسلے میں بڑی بے احتیاطی برتی جارہی ہے، مسجدوں میں کثیر تعداد میں کرسیاں رکھی جانے لگی ہیں، بعض مساجد میں مسجد کا ایک گوشہ کرسیوں ہی کے لیے خاص کردیا جاتا ہے، جو لوگ، دکان، ، آفس

اور گھروں میں زمین پر بیٹھتے ہیں، یا جن لوگوں کو زمین پر بیٹھنے میں کوئی خاص تکلیف نہیں ہے، یا ڈاکٹر نے منع نہیں کیا ہے، وہ لوگ بھی مزید راحت و آرام کے لیے کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں؛ حالاں کہ ان کے لیے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کے لیے کوئی شرعی عذر نہیں ہے، تو پھر نماز کیسے درست ہوگی؟ (ملخص از کرسی پر نماز: ۱۶)

شرعی اعذار

علامہ برہان الدینؒ قیام سے عاجز شخص کے اعذار کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> **بل اذا عجز منه (القيام) اصلا، او قدر عليه الا انه يضعفه ذالك ضعفا شديدا حتى تزيد علته بذالك، او يجد وجعا بذالك، او يخاف بطأ البرأ.** (المحیط البرهانی، باب صلاة المریض ۲۶/۳، بحوالہ کرسی پر نماز: ۱۷)

جب کوئی شخص قیام سے عاجز ہو، یا کھڑا، تو ہو سکتا ہے؛ لیکن شدید ضعف کا باعث ہو؛ یہاں تک کہ کھڑے ہونے سے بیماری بڑھ جاتی ہو، یا اس کی وجہ سے درد بڑھ جاتا ہو، یا صحت میں تاخیر کا اندیشہ ہو، (تو ایسے شخص پر قیام واجب نہیں، بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے)

علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

> **من تعذر عليه القيام أى كله لمرض حقيقي وحده، أو أن يلحقه بالقيام ضرر، به يفتى، قبلها أو فيها، أو حكمي بأن خاف زيادته، أو بطأ برأه بقيامه، أو دوران رأسه، أو وجد لقيامه ألما شديدا، أو لو كان لو صلى قائما، سلس بوله، أو تعذر عليه الصوم، صلى قاعدا.**
> (الدر المختار مع رد المحتار ۲/ ۵۶۴)

> **قال إبن عابدين: قوله لمرض حقيقي، قال في البحر: أراد بالتعذر الحقيقي بحيث لو قام، سقط ـــ خاف أى غلب على ظنه بتجربة سابقة، أو إخبار طبيب حاذق ـــ قوله أو وجد لقيامه ألما شديدا،**

وهذا داخل فی أفراد الضرر المذکور. (رد المحتار ۲/ ۵۶۴)

قیام سے عجز کے جو اعذار ہیں، وہی اعذار قعود سے عجز کے بھی ہوں گے۔

جب کوئی شخص کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ زمین پر کسی بھی طریقے سے بیٹھنے سے عاجز ہو، یا بیٹھ تو سکتا ہے؛ لیکن شدید ضعف کا باعث ہو؛ یہاں تک کہ زمین پر بیٹھنے سے بیماری بڑھ جاتی ہو، یا اس کی وجہ سے درد بڑھ جاتا ہو، یا صحت یابی میں تاخیر کا اندیشہ ہو، تو ایسے شخص پر زمین پر بیٹھنا لازم نہیں ہوگا۔

علامہ حسن شرنبلالیؒ نے عجز کی علامتوں کی پہچان کو اس طرح ذکر فرمایا ہے:

بان غلب فی ظنه بتجربة سابقة، او اخبار طبیب مسلم حاذق، او ظهور الحال. (مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض: ۴۳۰)

مریض کو سابقہ تجربہ ہو، کوئی معتبر مسلمان معالج وڈاکٹر نے مشورہ دیا ہو، یا فی الحال سخت قسم کی تکلیف محسوس کرتا ہو، تو ان صورتوں میں اس کو معذور سمجھا جائے گا۔

زمین پر بیٹھنے سے معذور شخص کے لیے کرسی پر نماز

جو لوگ سجدے سے عاجز اور زمین پر کسی بھی طریقے پر بیٹھنے سے واقعی معذور ہوں؛ لیکن کرسی پر بیٹھ سکتے ہوں، تو ان کے لیے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہوگا؛ کیوں کہ عذر کی حالت میں شریعت نے اِس کیفیت پر نماز ادا کرنے کی اجازت دی ہے جو اس کی قدرت میں ہو؛ یہاں تک کہ لیٹ کر بھی نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے، تو کرسی پر نماز پڑھنے کی اجازت بدرجہ اولیٰ ہوگی؛ کیوں کہ لیٹنے کے مقابلے میں کرسی پر بیٹھنے کی حالت نماز کی ماثور ہیئت سے زیادہ قریب ہے، نیز کرسی پر بیٹھنا فی الجملہ بیٹھنے میں شامل ہے، کرسی پر بیٹھنا اگرچہ نماز کی ہیئت ماثورہ سے مختلف ہے؛ لیکن بیٹھنے ہی کی ایک شکل ہے، فقہاء نے معذور کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کسی خاص ہیئت کا پابند نہیں ہے؛ کیوں کہ جب بیماری کی وجہ سے نماز کے بعض ارکان ساقط ہو جاتے ہیں، تو مخصوص ہیئتیں بدرجہ اولیٰ ساقط ہو جائیں گی۔

روی عن ابی حنیفة انه یجلس کیف شاء من غیر کراهة، ان شاء

محتبیا، وان شاء متربعا، وان شاء علی رکبتیه، کمافی التشھد۔۔۔ لان عذرالمرض اسقط عنه الارکان، فلأن یسقط عنه الھیئات اولی، کذافی البدائع ۔۔۔ بل الایسرعدم التقیید بکیفیة من الکیفیات. (البحرالرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض ۲/ ۱۹۹)

امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا بیمار شخص جس طرح چاہے، بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، گوٹ ما کر، چارزانو، یا گھٹنوں کے بل جیسے تشہد کی حالت میں بیٹھتا ہے، سب صورتیں درست ہیں، اس لیے کہ جب بیماری نے بعض ارکان کو ساقط کر دیا ہے، تو اس سے مخصوص ہیئتیں بدرجہ اولیٰ ساقط ہو جائیں گی، حقیقت میں آسان صورت یہ ہے کہ نمازی کو بیٹھنے کی کسی خاص ہیئت وصورت کا پابند نہ کیا جائے۔

کن لوگوں کو کرسی پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کرسی پر جو نماز ادا کی جاتی ہے، وہ بیٹھ کر پڑھنے کی نماز ہے، سجدے کو اشارے ہی سے ادا کیا جاتا ہے، شرعاً یہ حقیقی و حکمی سجدہ نہیں ہے، عموماً رکوع کو بھی اشارے سے ادا کیا جاتا ہے۔

سجدہ حقیقی: ناک و پیشانی بوقت ضرورت ان دو میں سے ایک کو زمین پر رکھنا۔

سجدہ حکمی: زمین پر دو اینٹ (ایک فٹ) کے بقدر بلند و مضبوط چیز پر سجدہ کرنا۔

لہٰذا جس شخص کو سجدۂ حکمی کی بھی طاقت نہ ہو، وہ سجدے کو اشارے سے ادا کرے گا۔

کرسی پر نماز پڑھنے سے متعلق مسائل

مسئلہ(۱) جو شخص قیام پر قادر نہ ہو؛ البتہ زمین پر کسی نہ کسی طریقے پر بیٹھ کر سجدہ حقیقی، یا حکمی کر سکتا ہے، تو ایسے شخص کے لیے بیٹھ کر نماز ادا کرنا لازم ہے، کرسی پر بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا بالکل جائز نہیں ہے، اگر پڑھے گا، تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

جو حضرات ایسے ہیں کہ کرسی مل جائے، تو کرسی پر نماز پڑھتے ہیں، ورنہ صف میں

کھڑے ہوکر نماز ادا کرتے ہیں، ایسے حضرات شرعًا ہرگز معذور نہیں ہیں کہ ان کو کرسی پر نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے، جیسا کہ ان کا عمل بتا رہا ہے کہ وہ لوگ نہ ہی سجدے سے معذور ہیں، نہ ہی زمین پر بیٹھنے سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يصلي المريض قائما، ،فإن نالته مشقة ،صلى جالسا،فإن نالته مشقة، صلى بالإيماء يؤمي بالإيماء برأسه، فإن نالته مشقة، سبح.

(رواہ الطبرانی عن ابن عباس فی الاوسط: ۴۱۴۴)

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

إنما لزمه الاستقبال لأنها (السفينة) كالبيت حتى لايتطوع فيها موميا مع القدرة على الركوع ،والسجود بخلاف راكب الدابة۔ (ردالمحتار ۵۷۳/۲) إن كان الموضوع ممايصح السجود عليه كحجر مثلًا،ولم يزد ارتفاعه على قدرلبنة أولبنتين ،فهو سجود حقيقي۔۔۔بل يظهر لي أنه لو كان قادرا على وضع شيء على الأرض مما يصح السجود عليه أنه يلزمه ذالك لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقة ،ولا يصح الإيماء بهما مع القدرة عليهما بل شرطه تعذرهما. (ردالمحتار ۵۶۹/۲)

عن مجزأة بن زاهر عن أهبان بن أوس من أصحاب الشجرة ،وكان اشتكى ركبتيه، فكان إذا سجد، جعل تحت ركبتيه وسادة۔ (أخرجه البخارى: ٤١٧٤، ٦٠٠/٢) قلت (ظفر احمد التهانوى) فيه دلالة على مثل مادل عليه الحديث السابق أنه إذا لم يقدر على السجود إلا بجعل الوسادة ،أو القطن تحت ركبتيه ،ونحوه لزمه ذالك تجشم ذالك. (اعلاء السنن ۲۰۵/۷)

فى شرح القاضى: فإن عجز عن القيام مستويا، قالوا: يقوم متكأ، لا

يجزيه إلا ذالك، وكذا لو عجز عن القعود مستويا، قالوا: يقعد متكأ لا يجزيه إلا ذالك. (ردالمحتار ٢/٥٦٧، ہندیہ ١/١٣٦)

نیز دارقطنی کی مذکورہ روایت میں اشارے سے نماز پڑھنے کی اجازت بیٹھنے کی طاقت نہ ہونے کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔

عن علي بن أبي طالب، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يصلي المريض قائما إن استطاع، فإن لم يستطع صلى قاعدا، فإن لم يستطع أن يسجد أومأ، وجعل سجوده أخفض من ركوعه، فإن لم يستطع أن يصلي قاعدا صلى على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، فإن لم يستطع أن يصلي على جنبه الأيمن، صلى مستلقيا ورجلاه مما يلي القبلة. (رواه الدارقطنی، باب صلوة المريض من رعف فی صلوته ٢/٣١، :١٧٠٦)

مسئلہ (۲) ایک شخص قیام ورکوع پر قادر نہ ہو، نیز سجدہ حقیقی وحکمی پر بھی قادر نہ ہو؛ البتہ کسی نہ کسی طریقے سے زمین پر بیٹھنے پر قادر ہو، تو ایسے شخص کے لیے زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا افضل ہے، کرسی پر بیٹھ کر رکوع وسجدے کے اشارے سے نماز ادا کرنا بھی جائز ہے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

إن كان قادرا على القيام دون الركوع، والسجود، يصلى قاعدا بالإيماء، وإن صلى قائما بالإيماء، أجزأه، ولا يستحب له ذالك.
(بدائع ١/٢٨٦)

علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

إن تعذرا ليس تعذهما (الركوع، والسجود) شرطا۔۔ لا القيام، أومأ قاعدا، وهو أفضل من الإيماء قائما لقربه من الأرض، (الدر المختار) قال ابن عابدين: فيكون أشبه بالسجود.
(ردالمحتار ٢/٥٦٧)

ظاہر ہے کہ کرسی پر بیٹھنے کی کیفیت زمین پر بیٹھنے کی کیفیت سے زیادہ بہتر ہے۔

زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی وجوہِ ترجیح

الف: زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا نماز کی مسنون و ماثور حالتوں میں سے ایک حالت ہے، لہٰذا اس کو اختیار کرنا بہتر ہے بنسبت اُس حالت کے جو نماز کے حالات و کیفیات میں سے نہیں ہے۔

ب: نماز تواضع وانکساری کا پیکرِ جمیل ہے، تواضع وانکساری نماز کی روح ہے، بلا ضرورت کرسی پر نماز ادا کرنے سے نماز کی روح مجروح ہوتی ہے، زمین پر ادا کرنے میں یہ چیز بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

سجدے سے معذور شخص

مسئلہ (۳) ایک شخص قیام پر قادر ہے، رکوع اور زمین پر سجدہ کرنے پر قادر نہیں؛ البتہ زمین پر بیٹھ سکتا ہے، تو ایسے شخص کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ زمین پر ہی بیٹھ کر رکوع وسجدے کے اشارے سے نماز ادا کرے، یہی افضل ہے؛ البتہ اس کے لیے یہ بھی گنجائش ہے کہ وہ کرسی پر بیٹھ کر اشارے سے رکوع وسجدہ کرے، تو یہ بھی جائز ہے، اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے، کھڑے ہونے کی حالت ہی میں رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے، تو یہ بھی جائز ہے؛ مگر خلاف اولیٰ ہے۔

علامہ حسن شرنبلالیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ان قدر علی القیام، وعجز عن الرکوع، والسجود، صلی قاعدا بالایماء، (وهو افضل من ایماءه قائما).

(مراقی الفلاح، کتاب الصلوۃ، صلاۃ المریض: ۴۳۴)

ان صلی قائما بالایماء، اجزأه ولا یستحب ذالك. (بدائع ۱/۲۸۶)

اگر قیام پر قادر ہو، رکوع اور سجدے سے عاجز ہو، تو کھڑے ہو کر اشارے سے نماز پڑھنے سے بہتر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھنا ہے۔

جب سجدے سے عاجز شخص کھڑے ہو کر رکوع وسجدے کو اشارے سے ادا کر سکتا

ہے، تو بظاہر کرسی پر بیٹھ کر اشارے سے رکوع اور سجدہ کرنا بھی جائز ہوگا؛ کیوں کہ رکوع کی حالت قعود سے قریب تر ہوتی ہے، کرسی پر بیٹھنے کی صورت میں سر سے لے کر کمر تک اور کمر سے لے کر گھٹنے تک جسم کی وضع، اسی کیفیت پر ہوتی ہے؛ البتہ کرسی پر بیٹھنے میں گھٹنے سے لے کر پاؤں تک کی وضع قعود کی مسنون کیفیت سے مختلف ہوتی ہے، یہ تقریباً ایسا ہی ہے، جیسے کوئی شخص عذر کی وجہ سے پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھ کر نماز پڑھے اور شریعت میں اس کی اجازت ہے۔ (ملخص از کرسی پر نماز: ۱۹)

مسئلہ (۴) ایک شخص سجدے پر قادر نہیں ہے؛ البتہ قیام ورکوع پر قادر ہے، یا سجدے پر قادر نہیں ہے، رکوع پر قادر ہے، اس وجہ سے وہ کرسی پر بیٹھ کر سجدے کے اشارے سے نماز ادا کر رہا ہے، تو وہ قیام ورکوع کرے گا اور سجدے کو کرسی پر اشارے سے ادا کرے گا، یا قیام کے بجائے کرسی پر بیٹھ کر سجدے کی طرح رکوع بھی اشارے سے کرے؟

فقہ حنفی میں ایسے شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ جب وہ شخص سجدہ سر کے اشارے سے کر رہا ہے، تو رکوع بھی اس سے ساقط ہوجائے گا، وہ رکوع کے بجائے کرسی پر بیٹھ کر اشارے سے رکوع کرے گا، بعض فقہائے احناف نے اسی طریقے کو افضل قرار دیا ہے۔

ان كان قادرا على القيام دون الركوع، والسجود، يصلي قاعدا بالايماء۔۔۔ ولهذا سقط الركوع عمن سقط عنه السجود، وإن كان قادرا على الركوع، وكان الركوع بمنزلة التابع له، فكذا القيام، بل أولى۔۔۔ إلا أنه لو تكلف، وصلى قائما، يجوز لما ذكرنا، ولكن لا يستحب. (بدائع، کتاب الصلوۃ، صلاۃ المریض ۱/ ۲۸۶، ۲۸۷)

علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

لو صلى قائما بركوع، وقعد، أومأ بالسجود أجزأه، والأول أفضل. (ردالمحتار ۲/ ۵۶۷)

سجدہ اصل اور مقصود ہے، قیام ورکوع کی حیثیت تابع کی ہے، جب اصل ساقط

ہو گیا، تو تابع بھی ساقط ہو جائیں گے، سجدہ اصل اور مقصود ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ قیام ورکوع تنہا عبادت نہیں؛ لیکن سجدہ تنہا عبادت ہے، سجدہ تلاوت واجب ہے اور سجدۂ شکر مستحب۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں:

فقہ شافعی اور حنبلی میں ایسے شخص سے قیام ورکوع ساقط نہیں ہوگا، وہ شخص قیام کرے گا، رکوع کرے گا، پھر کرسی پر بیٹھ کر سجدہ اشارے سے کرے گا، حنفیہ میں امام زفر کی رائے یہی ہے، علامہ ابن نجیمؒ اور ابن الہمامؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، نیز حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اس لیے کہ قیام اور رکوع کا فرض ہونا قرآن وسنت سے ثابت ہے، اس کی فرضیت پر امت کا اجماع ہے، ایک ایسے اہم فریضہ کو محض تابع قرار دے کر بلا عذر ساقط کر دینا غیر معقول بات ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد: صل قائماء ا، فان لم تستطع فقاعدا سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، نیز اس قول پر عمل کرنے سے تمام فقہاء کے قول کے مطابق نماز درست ہو جائے گی، اس لیے کہ بعض علماء اس صورت میں بھی قیام ورکوع کی فرضیت کے قائل ہیں۔ (ملخص کرسی پر نماز: ۲۰ تا ۲۳)

مسئلہ (۵) جو شخص قیام، رکوع اور سجدے پر قادر نہ ہو، نیز کسی بھی ہیئت وطریقے سے زمین پر بیٹھنے کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو؛ البتہ وہ کرسی پر بیٹھ سکتا ہے، تو اس کے لیے کرسی کا استعمال بلا کراہت درست ہے، اس لیے کہ کرسی پر بیٹھنا بھی ایک طرح کا بیٹھنا ہے، جیسے زمین پر چارزانو، یا پیر پھیلا کر بیٹھنے کی طرح ہی سہولت کے ساتھ بیٹھنا ہے۔

کرسی پر نماز پڑھنے والا سر سے اشارہ کرے

مسئلہ (۶) کرسی پر نماز پڑھنے والوں کو چاہئے کہ رکوع وسجدے کا اشارہ سر اور پیٹھ کو جھکا کر کریں، ہاتھ کے ذریعے اشارے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، بعض حضرات اس طرح ہاتھ پھیلا کر اشارہ کرتے ہیں، جیسے زمین پر سجدہ کرنے کے وقت ہاتھ کی وضع ہوتی ہے، یہ اشارہ ایک غیر ضروری عمل ہے، جو کراہت سے خالی نہیں ہے، اپنے ہاتھوں کو

رانوں پر یا حسبِ سہولت رکھ کر سر سے اشارہ کریں، سر کا اشارہ یہ ہے کہ رکوع کے لیے سر کو جس قدر نیچے جھکایا جاتا ہے، کم از اس سے تھوڑا نیچے سر کو ضرور جھکایا جائے، کرسی سے ملحق تختہ، یا سامنے رکھی ہوئی میز پر سجدہ کرنے سے سجدہ نہیں ہوگا جب تک کہ سر سے سجدے کا اشارہ نہ پایا جائے، سجدے کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ جھکا ہوا ہونا چاہئے، اگر دونوں برابر ہوں، تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔

علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

الشرع ورد بالإيماء بالرأس، فلا يقام غيره مقامه. (بدائع ۲۸۸/۱)

کرسی پر نماز پڑھنے والے کو سر کے اشارے سے سجدہ کرنا چاہئے نہ کہ ہاتھ کے اشارے سے۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

أراد بخفض الرأس خفضها للركوع، ثم للسجود أخفض من الركوع حتى لو سوى، لم يصح كما ذكر الوالوالجي في فتاواه.
(البحر الرائق ۲۰۰/۲)

اذا اومأ، فانه يوتى بالرأس، فان كان عجز عن الايماء بالرأس، لم يصل عندنا. (المحيط البرهانی ۲۸/۳، بحوالہ کرسی پر نماز: ۲۳)

جب اشارے سے نماز پڑھے، تو سر سے اشارہ کرے گا، اگر سر سے اشارہ کرنے سے معذور ہو، تو ہمارے نزدیک وہ شخص نماز نہیں پڑھے گا۔

کرسی کے ساتھ ملحق تختہ یا میز پر سجدہ کرنا

کرسی پر بیٹھ کر سجدہ کرنے والے لیے کرسی سے ملحق تختہ، یا سامنے رکھی ہوئی میز پر سجدہ کرنا کافی نہیں ہوگا۔

لو كان موضع السجود ارفع من موضع القدمين، ان كان ارتفاعه مقدار لبنتين منصوبتين، جاز السجود عليه، وان لم يكن ارتفاعه مقدار لبنتين، بل كان ازيد، فلا يجوز السجود، واراد باللبنة في

قوله مقدار لبنتين لبنة بخاری، وهی ربع ذراع عرض ست اصابع، فمقدار اللبنتين منصوبتين نصف ذراع طول اثنتی عشرة اصبعا.

(حلبی کبیری: ۲۸۶)

اگر سجدے کی جگہ قدموں کی جگہ سے اونچی ہو اور اس کی بلندی دو کھڑی اینٹوں کے برابر ہو، تو اس پر سجدہ کرنا جائز ہے، اگر اس کی بلندی دو اینٹ سے زیادہ ہو، تو اس پر سجدہ جائز نہیں ہے، اینٹ سے "بخاری" کی اینٹ مراد ہے، جو چوتھائی ہاتھ یعنی چھ انگشت کے برابر ہوتی ہے، لہذا دو کھڑی اینٹوں کی بلندی کی مقدار نصف ہاتھ یعنی بارہ انگشت (ایک فٹ) اونچی ہوئی۔

ظاہر ہے کہ جس تختہ کو کرسی کے ساتھ لگایا گیا ہے، یا کرسی کے سامنے جو میز رکھی گئی ہے، زمین سے اس کی بلندی بارہ انگشت (ایک فٹ) سے کافی بلند ہے، پھر اس پر سجدہ شرعاً کیسے درست ہوگا؟

لہٰذا سجدے کے لیے کرسی کے ساتھ تختہ لگانا، یا کرسی کے سامنے میز رکھنا فضول ہے، اس پر سجدہ کرنے کا شرعاً اعتبار بھی نہیں ہے، اگر تختہ و میز پر سجدہ کرے، تو سجدہ اسی وقت معتبر ہوگا جب کہ اس نے سر کو سجدہ کے لیے رکوع کی بنسبت زیادہ جھکایا ہو۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

لو رفع المريض شيئا يسجد عليه، ولم يقدر على الارض، لم يجز الا ان يخفض برأسه لسجوده اكثر من ركوعه. (البحر الرائق ۲/۲۰۱)

کرسی صف میں کہاں رکھی جائے

کرسی پر نماز پڑھنے والے کو چاہئے کہ صف میں اس طرح کرسی لگائے کہ کرسی پر بیٹھنے کی صورت میں اس کی پیٹ دیگر مصلیوں کے برابر میں ہو؛ کیوں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی صف کی درستگی کا اعتبار مصلیوں کی پیٹ کے برابری سے ہوتا ہے، اب رہی بات کہ کرسی پر نماز پڑھنے والا اگر قیام کرے، تو صف کے دیگر مصلیوں سے آگے ہو جائے گا، صف درست نہیں ہوگی، عذر کی وجہ سے اتنی بے ترتیبی کو گوارا کیا جا سکتا ہے۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں مذکور ہے:

الاعتبار فی التقدم ،وعدمه للقائم بالعقب، وهو مؤخر القدم لا الکعب۔۔۔والعبرة فی التقدم بالالیة للقاعدین ،وبالجنب للمضطجعین. (الموسوعۃ الفقہیۃ، باب الاقتداء ۲۱/۶ بحوالہ کرسی پر نماز: ۳۳)

فتاوی رحیمیہ میں مذکور ہے:

سوال: ہماری مسجد میں ایک دو نمازی معذور ہیں، کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے، وہ اگر پہلی صف میں نماز ادا کرتے ہیں، تو کافی جگہ روک لیتے ہیں، صف کے درمیان کافی خلا رہتا ہے اور دوسرے مصلیوں کو تکلیف بھی الخ

الجواب: صورت مسؤلہ میں ایسے لوگوں کے لیے بہتر ہے کہ آخری صف میں، یا جہاں کنارے پر جگہ ہو (اتصالِ صفوف کی شرط کے ساتھ) وہاں نماز ادا کریں۔ ان شاء اللہ۔ ان کو جماعت اور صفِ اول کا ثواب ملے گا

شامی میں لکھا ہے:

قال فی المعراج: الأفضل أن یقف فی الصف الآخر إذا خاف إیذاء احد ،قال علیه السلام :من ترك الصف الأول مخافة أن یؤذی مسلما، أضعف له أجر الصف الأول ،وبه أخذ أبو حنیفة ومحمد رحمهما الله.

(ردالمحتار ۲/۲۱۰، رحیمیہ ۷/۲۶۴ و رواہ فی مجمع الزوائد عن ابن عباس قال فیہ نوح بن ابی مریم وھو ضعیف مجمع الزوائد، باب من ترک الصّف الاول مخافۃ ان یؤذی: ۲۵۳۶، ۱/۲۸۸)

لوگوں کی تکلیف، اذیت اور صف کی بے ترتیبی سے بچنے کے لیے صف کے کنارے کرسی لگائے، تو ان شاء اللہ، وہ بھی ماجور ہوگا۔

کرسی پر فرض و نفل نماز میں فرق

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

فرض، واجب اور نفل نمازوں کے درمیان شریعت نے مختلف احکام کے درمیان

فرق رکھا ہے۔

بنیادی فرق یہ ہے کہ نفل نماز قیام پر قدرت کے باجود بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے؛ البتہ کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی بنسبت آدھا اجر ملے گا۔

فرض وواجب نمازیں سواری پر بلا عذر پڑھی نہیں جا سکتیں، نفل نماز شہر کے باہر سواری پر بیٹھ کر رکوع وسجدے کے اشارے سے ادا کی جا سکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح نفل نماز ادا فرمائی ہے۔

دوسری اصولی بات یہ ہے کہ فرض نمازوں کے جو شرائط، ارکان، سنن اور مستحبات ہیں، وہی نفل نمازوں میں ہیں۔

ان دونوں پہلوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو بات ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے:

الف: نفل نماز بمقابلہ فرض کم مشقت کے ساتھ بھی کرسی پر ادا کی جا سکتی ہے، جیسا کہ سواری پر نفل نماز بیٹھ کر رکوع وسجدے کے اشارہ سے ادا کی جاتی ہے؛ حالاں کہ ہر وقت سواری سے اتر کر زمین پر نفل نماز پڑھنے میں مشقت و پریشانی ضروری نہیں ہے، اس کے باجود اس کی اجازت دی گئی ہے۔

ب: جو شخص سجدے سے عاجز ہو، زمین پر بیٹھنے سے معذور نہ ہو، تو اس کے لیے بھی نفل نمازوں کو کرسی پر ادا کرنے کی گنجائش ہے۔

ج: محض تھکاوٹ، سستی وکاہلی یا مزید راحت وسہولت کی غرض سے نفل نمازیں کرسی پر ادکرنا درست نہیں ہے۔

د: ٹرین، بس اور جہاز سواری ہیں، جس طرح جاندار کی سواری پر نفل نماز اشارے سے ادا کی جا سکتی ہے، ان سواریوں پر بھی نفل نمازیں اشارے سے ادا کی جا سکتی ہیں۔
(ملخص: کرسی پر نماز: ۳۰، ۳۲)

قابل توجہ بات

لہٰذ جو حضرات کرسیوں پر نماز ادا کرتے ہیں، وہ مذکورہ مسائل کو غور سے پڑھیں اور اپنے احوال کو دیکھیں، کیا وہ واقعۃً وہ اس قدر معذور ہیں؟ کہ ان کو اشارے سے نماز کی

اجازت دی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں دی جاسکتی ہے، تو ام العبادات نماز کے لیے اپنی پسند، سہولت اور راحت؛ بلکہ فیشن کے طریقے کو تجویز کر کے اپنی نماز کو ضائع کرنے کی کوشش نہ کریں، معتبر علمائے کرام و مفتیانِ عظام کے سامنے اپنے احوال و اعذار پیش فرما کر ان سے متعلقہ مسائل دریافت کر کے عمل کرنے کی کوشش کریں۔

مسجد کے ائمہ و علمائے کرام کی ذمہ داری ہے، وہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والوں پر نظر رکھیں، اگر قرائن واحوال سے معلوم ہو کہ وہ شرعی معذور نہیں ہیں، تو نرمی، محبت اور شفقت سے شرعی مسائل سے انھیں واقف کرائیں، ان شاء اللہ، وہ لوگ بات کو قبول کریں گے اور اپنی نمازوں کو شریعت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کریں گے۔

جن مساجد میں انتظامیہ کی طرف سے کرسیوں کا انتظام کیا جاتا ہے، ان حضرات کو سوچنا چاہئے کہ ہم کرسیوں کی تعداد بڑھا کر مساجد کی شان بڑھا نہیں رہے ہیں؛ بلکہ گھٹا رہے ہیں، اس لیے کہ مساجد عاجزی و نیازمندی کے اظہار کی جگہیں ہیں، بلا ضرورت کرسیوں کی فراہمی سے ہم غیر معذور کو خواہ مخواہ معذور بنا رہے ہیں۔

لیٹ کر نماز پڑھنا

اگر کوئی مریض اتنا بیمار ہو کہ وہ کھڑے ہو کر، زمین پر بیٹھ کر، یا کرسی پر بیٹھ کر بھی نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، تو وہ اب لیٹ کر سر کے اشارے سے نماز پڑھے گا۔

لیٹ کر نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ مریض چت لیٹے، پیر قبلے کی جانب ہو، اگر ہو سکے، تو پیر کو کھڑا کرلے؛ تاکہ پیر قبلے کی طرف نہ ہو، سر کے نیچے کوئی تکیہ وغیرہ رکھ لے؛ تاکہ سر جہاں تک ہو سکے، قبلہ رخ ہو جائے، پھر رکوع و سجدے کو سر کے اشارے سے ادا کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ داہنی پہلو کے بل اس طرح لیٹے کہ چہرہ قبلہ رخ ہو جائے (ہندو پاک کے اعتبار سے شمالاً، جنوباً لیٹے)، پھر رکوع و سجدے کو سر کے اشارے سے ادا کرے۔

اگر لیٹ کر بھی سر کے اشارے سے نماز پڑھنا دشوار ہو، تو نماز موقوف کر دے۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

ان تعذر القعود، اومأ مستلقیا، اوعلی جنبه والاخرت، لان الطاعة بحسب الاستطاعة. (البحر الرائق ۲/ ۲۰۱)

اگر بیٹھنا دشوار ہو، تو چت لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھے گا، یا پہلو کے بل، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو، تو نماز موقوف کر دے گا، اس لیے کہ اطاعت استطاعت کے موافق لازم ہوتی ہے۔

جو مریض لیٹ کر بھی نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو

مسئلہ: اگر بیماری کی شدت کی وجہ سے پانچ نمازوں کے اوقات، یا اس سے زیادہ وقت بے ہوشی کی حالت میں گذر جائے، تو اس عرصے کی نمازیں معاف ہوجاتی ہیں، صحت وتندرستی کے بعد ان کی قضا بھی لازم نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

الذی جن، او اغمی علیه اکثر من صلاۃ یوم ولیلة، لایقضی وفی مادونها یقضی. (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۲/ ۲۰۴)

جو شخص مجنون ہوجائے، ایک رات ودن سے زیادہ نمازوں کے اوقات میں، یا کسی پر بے ہوشی طاری ہوجائے، تو ان نمازوں کی قضا نہیں ہے، اگر اس مدت سے کم نمازیں ہوں، تو قضا کرنی پڑے گی۔

مسئلہ: بیماری کی شدت کی وجہ سے سر کے اشارے بھی نماز پڑھنا دشوار ہے؛ البتہ ہوش وحواس باقی ہیں؛ لیکن بیماری سے صحت نہیں ملی جس کی وجہ سے نماز قضا کرنے کا موقع نہیں ملا، تو ایسے مریض سے بھی وہ نمازیں معاف ہوجائیں گی، ان کے فدیے کی وصیت کرنا بھی واجب نہیں۔

لومات المریض من ذالك الوجه، ولم یقدر علی الصلاۃ، لایجب علیه القضاء حتی لایلزمه الایصاء به، فصار کالمسافر والمریض

اذا افطر فی رمضان و ماتاقبل الاقامة و الصحة.

(البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض ٢/ ٢٠٤)

مریض جس نے بیماری کی شدت کی وجہ سے نماز موقوف کردی ہے، اسی حالت میں انتقال کرجائے، بیماری کے ایام کی نماز کو ادا کرنے کا موقع نہیں ملا، تو اس پر قضا لازم نہیں ہے، نیز ان نمازوں کے فدیے کی وصیت کرنا بھی واجب نہیں۔

مسئلہ: بیماری کی شدت کی وجہ سے سر کے اشارے سے بھی نماز پڑھنا دشوار تھا؛ البتہ ہوش وحواس باقی تھے، بیماری سے صحت بھی مل گئی، بیماری سے صحت یابی کے بعد ان نمازوں کی قضا واجب نہیں ہے، امام طحاویؒ، قاضی خانؒ، علامہ کاسانیؒ وغیرہ اکثر فقہائے حنفیہ کا یہی قول ہے، فتاوی ظہیریہ اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ اسی قول پر فتوی ہے، بعض فقہائے حنفیہ جن میں صاحب ہدایہ بھی ان کے نزدیک اس عرصے کی نمازوں کی قضا واجب ہے۔ (قاموس الفقہ ٥/ ٧٧)

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

> **و الا اخرت ای و ان لم یقدر علی الایماء برأسه، اخرت الصلاة الی القدرة، و فی الهداية وقوله ”اخرت“ اشارة الی انه لا تسقط الصلاة عنه، و ان کان العجز اکثر من یوم و لیلة اذا کان مفیقا هو الصحیح، لانهم یفهم مضمون الخطاب بخلاف المغمی علیه، و ذهب شیخ الاسلام وقاضی خان وقاضی غنی الی ان الصحیح هو السقوط عند الکثرة لا القلة، و فی الظهیرية: و هو ظاهر الرواية وعلیه الفتوی، و فی الخلاصة: و هو المختار لان مجرد العقل لا یکفی لتوجه الخطاب، وصححه فی البدائع وجزم الوالوالجی وصاحب التجنیس مخالفا لما فی الهداية، و اختاره المصنف فی الکافی، و صححه فی البنابیع و رجحه فی فتح القدیر بالقیاس علی المغمی علیه.** (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض ٢/ ٢٠٣)

مسئلہ: اگر کسی شخص کے ذمہ قضا نمازیں تھیں، زندگی میں ادا نہیں کیا ہے، تو ایک تہائی مال میں سے ایک فرض نماز کے لیے ایک صدقۃ الفطر کے بقدر فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے، واجب الوتر نماز کا فدیہ مستقل ادا کرنا ہوگا، اگر میت نے وصیت نہیں کی ہے، تو وارثین ادا کرنا چاہیں، تو ادا کر سکتے ہیں، ان کی طرف سے تبرع واحسان ہوگا۔

> **كذا يخرج لصلاة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر لانه فرض عملى عندالامام ،وقدوردالنص فى الصوم، والصلاة كالصيام باستحسان المشائخ لكونها اهم.**
>
> (مراقی الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض: ۴۳۸)

دن ورات کی ہر فرض نماز کے لیے بشمول نماز وتر ایک صدقۃ الفطر کے بقدر فدیہ ادا کرے، نماز وتر بھی عملاً فرض ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، روزہ (اور حج) کے سلسلے میں نص وارد ہوئی ہے، مشائخ نے نماز کو بھی استحساناً روزے کے ساتھ ملحق کیا ہے۔

بیمار کی نماز سے متعلق متفرق مسائل

مسئلہ: اگر کوئی بیمار چہرہ، زبان، یا ہونٹوں پر شدید زخم کی وجہ سے، یا کسی اور تکلیف کی وجہ سے قراءت پر قادر نہ ہو، تو اس شخص سے قراءت ساقط ہوجائے گی، وہ شخص بغیر قراءت ہی کے نماز پڑھے گا، اس لیے کہ دیگر ارکان کے لیے بدل ہے، قراءت کا کوئی بدل نہیں ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

> **اقتصار المصنف على بيان البدل للاركان الثلاثة اعنى القيام والركوع ،والسجود اشارة الى ان القراءة لابدل لها عندالعجز عنها ،فيصلى بغير القراءة.** (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض ۲/ ۲۰۲)

مصنفؒ نے صرف ارکان ثلثہ یعنی قیام، رکوع اور سجدے کا بدل بیان فرمایا ہے، اس عبارت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قراءت کا کوئی بدل نہیں ہے، لہذا جو قراءت

پر قادر نہ ہو، وہ بغیر قراءت ہی کے نماز ادا کرے گا۔

مسئلہ: اگر کسی مریض کا چہرہ قبلہ رخ نہ ہو، خود مریض (یا مبتلیٰ بہ شخص) قبلہ رخ ہو نہیں سکتا ہے، کوئی ایسا آدمی بھی موجود نہیں ہے جو اس کے چہرے کو قبلہ رو کر دے، تو وہ شخص اسی طرح قبلہ رخ کے بغیر ہی نماز پڑھے گا، نماز ہو جائے گی، بعد میں قضا بھی لازم نہیں، بعض فقہاء نے لکھا ہے اگر کوئی مدد کرنے والا تھا، اس نے اس آدمی سے مدد نہیں لی، تب بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔

> **اشار بسقوط الارکان عندالعجز الی سقوط الشرائط عندالعجز عنها بالاولی، فلو کان وجه المریض الی غیر القبلة، ولم یقدر علی التحویل الیها بنفسه ولا بغیره یصلی کذالك، لانه لیس فی وسعه الاذالك، ولااعادة بعداالبرأفی ظاهر الجواب لان العجز عن تحصیل الشرائط لایکون فوق العجز عن تحصیل الارکان، وثمه لاتجب الاعادة، فهنا اولی، وفی الخلاصة: فان وجد احدا یحوله، فلم یأمره وصلی الی غیر القبلة جاز عندابی حنیفة.**

(البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض ۲/ ۲۰۲)

عجز کی صورت میں نماز کے ارکان ساقط ہو جاتے ہیں، تو شرائط بدرجہ اولیٰ ساقط ہو جائیں گے، مریض کا چہرہ اگر قبلے کی طرف نہ ہو، خود قبلہ رخ نہیں ہو سکتا، نہ دوسرے کی مدد سے قبلہ رخ ہو سکتا ہے، تو وہ اسی حال میں نماز پڑھ لے گا، صحت یابی کے بعد اعادہ بھی نہیں ہے، اس لیے کہ ارکانِ نماز سے ادائیگی سے عجز شرائط کے عجز سے زیادہ درجہ ہے کا، جب اس میں اعادہ نہیں ہے، تو شرائط کے عجز کی صورت میں بدرجہ اولیٰ اعادہ نہیں ہوگا۔

مسئلہ: اگر کوئی مریض ناپاک بستر پر ہے، خود وہ پاک جگہ منتقل ہو نہیں سکتا، یا کوئی ایسا آدمی بھی میسر نہیں ہے جو اس کی مدد کرے، تو وہ شخص اسی ناپاک بستر پر نماز ادا کرے گا۔

> **علی هذا لوصلی علی فراش نجس، ووجداحدایحوله الی مکان**

طاهر. (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض ۲/ ۲۰۲)

سابقہ ضابطے کے مطابق اگر کسی نے ناپاک بستر پر نماز پڑھی اور کوئی اس کو پاک بستر پر منتقل کرنے والا موجود تھا؛ لیکن اس نے اس کی مدد نہیں لی، تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی نماز ہوجائے گی۔

مسئلہ: اگر کوئی ایسا مریض ہے جس کے نیچے ناپاک کپڑے ہیں، اگر ان کپڑوں کی جگہ دوسرے کپڑے بچھائیں، تو وہ کپڑے بھی فوراً ناپاک ہوجائیں گے، یا ناپاک تو نہیں ہوں گے؛ لیکن دوسرا کپڑا بدلنے سے مریض کو سخت تکلیف ہوگی جس کی وجہ سے صحت یابی میں تاخیر ہوگی، تو وہ مریض اسی حال میں نماز پڑھ لے گا۔

مريض مجروح تحته ثياب نجسة، ان كان بحال لايبسط تحته شيء الاتنجس من ساعته، له ان يصلي على حاله، وكذالو لم يتنجس الثاني الا انه يزداد مرضه، له ان يصلي على فيه.

(البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض ۲/ ۲۰۲)

معذور افراد کو حالت صحت کے اعتبار سے اجر وثواب

جو لوگ شرعاً معذور ہیں، وہ جس حال میں بھی شرعی طریقے پر نماز ادا کریں، وہ صحت کی حالت میں جس طریقے سے نماز کے پابند تھے، اُس کے موافق انہیں اجر وثواب ملے گا۔

حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم غير مرة ولا مرتين يقول: اذا كان العبد الصالح يعمل عملا صالحا، فشغله عنه مرض او سفر، كتب له كصالح ما كان يعمل وهو صحيح مقيم.

(رواہ البخاری مختصراً، ورواہ ابوداؤد اذا کان العبد الصالح یعمل عملا صالحا الخ: ۳۰۹۱)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار مرتبہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی نیک بندہ کسی نیک عمل کا پابند ہو، پھر بیماری، یا سفر کی وجہ سے اس عمل کو نہ کرسکے، تو وہ بندہ تندرستی اور حالتِ اقامت میں جو نیک اعمال کرتا تھا، اس کے بقدر بیماری اور سفر کی

حالت میں بھی ثواب لکھا جاتا ہے۔

جب بندہ بیمار ہوتا ہے، یا سفر کرتا ہے جس کی وجہ سے حالتِ صحت و اقامت میں جس قدر عبادت کرتا تھا اور جن کیفیات کے ساتھ کرتا تھا، مرض و سفر کی وجہ سے وہ اس طرح کر نہیں پاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس بندے کو صحت و اقامت کے اعمال اور حالات کے اعتبار سے ثواب عطا فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان العبد اذا کان علی طریقة حسنة من العبادة، ثم مرض، قیل: للملك المؤکل به: اکتب له مثل عمله اذا کان طلیقا حتی اطلقه او اکفته الی. (رواه عبدالرزاق فی مصنفه، واحمد: ٦٨٩٥)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ کسی عبادت کا پابند ہو، پھر بیمار ہو جائے، تو اُس فرشتے سے کہا جاتا ہے جو اس پر مقرر رہے، تندرستی کی حالت میں جو عمل وہ بندہ کیا کرتا تھا، اُسی کے بقدر اجر لکھ دیا کرو؛ یہاں تک کہ میں اس کو تندرستی عطا کروں، یا اپنے پاس بلا لوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلی قاعدا، فله نصف أجر القائم. (رواه البخاری، باب صلوة القاعد ١/١٥٠:١١١٥)

جو بیٹھ کر نماز پڑھے گا، اس کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا آدھا اجر ملے گا۔

امام ترمذیؒ سفیان ثوریؒ سے نقل کرتے ہیں:

فی هذا الحدیث من صلی جالسا، فله نصف أجر القائم الخ قال هذا للصحیح، ولمن لیس له عذر، فأما من کان له عذر من مرض أو غیره، فصلی جالسا، فله مثل أجر القائم، وقد روی مثل قول سفیان.

(الجامع الترمذی ١/٨٥)

جو شخص بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، اس کو آدھا ثواب ملتا ہے اور عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، تو اسے مکمل ثواب ملتا ہے۔

الحمدللہ بنعمته تتم الصالحات ، وعلى حبيبه المصطفى افضل الصلوات الطيبات الزاكيات ، ربنا تقبل منا انت السميع العليم ، وتب علينا انك انت التواب الرحيم.

* * *

فہرست مصادر و مراجع

اسماء کتب	اسماء مصنفین	مطبع
(۱) الجامع الصحیح للبخاری	محمد بن اسماعیل البخاریؒ	فیصل دیوبند
(۲) صحیح مسلم	مسلم بن حجاج القشیریؒ	فیصل دیوبند
(۳) سنن ابی داؤد	ابوداؤد سلیمان السجستانیؒ	فیصل دیوبند
(۴) الجامع الترمذی	محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ	فیصل دیوبند
(۵) سنن النسائی	ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائیؒ	فیصل دیوبند
(۶) سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید القزوینیؒ	فیصل دیوبند
(۷) موطا للامام مالک	امام مالک بن انس الاصبحی	فیصل دیوبند
(۸) سنن دارقطنی	ابوالحسن علی بن عمرؒ	مکتبہ دار الایمان سہارنپور
(۹) مصنف عبدالرزاق	عبدالرزاقؒ بن ہمام	دار الکتب العلمیۃ بیروت
(۱۰) مصنف ابن شیبہ	عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ	مکتبۃ الزمان، المدینۃ
(۱۱) مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبلؒ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
(۱۲) مسند ابوداؤد طیالسی	سلیمان بن داؤد طیالسی	المکتبۃ الشاملۃ
(۱۳) مسند ابویعلی	ابویعلی احمد بن علی موصلی	المکتبۃ الشاملۃ
(۱۴) المستدرک للحاکم	حاکم ابوعبداللہؒ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
(۱۵) مراسیل ابی داؤد	ابوداؤد سلیمان السجستانیؒ	فیصل دیوبند
(۱۶) صحیح ابن خزیمہ	ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
(۱۷) المعجم الکبیر للطبرانی	سلیمان بن احمد طبرانیؒ	المکتبۃ الشاملۃ
(۱۸) السنن الکبریٰ	احمد بن حسین البیہقی	دار الحدیث، قاھرۃ
(۱۹) شعب الایمان	احمد بن حسین البیہقی	دار الفکر، بیروت

(۲۰) مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی	المکتبۃ الشاملۃ
(۲۱) مشکوۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزیؒ	فیصل دیوبند
(۲۲) عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن محمد بن اسحاق المعروف بابن سنی	المکتبۃ الشاملۃ
(۲۳) فتح الباری	احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ	المکتبۃ الاشرفیۃ، دیوبند
(۲۴) فتح الباری	عبد الرحمن بن احمد ابن رجب حنبلی	المکتبۃ الشاملۃ
(۲۵) عمدۃ القاری	ابو محمد محمود بن احمد عینیؒ	زکریا بکڈ پو دیوبند
(۲۷) شرح ابی داؤد	ابو محمد محمود بن احمد عینیؒ	المکتبۃ الشاملۃ
(۲۸) کنز العمال	علاء الدین علی بن حسام الدین المتقیؒ	دار الکتب العلمیۃ
(۲۹) مرقاۃ المفاتیح	علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری بنگلہ	اسلامک اکیڈمی
(۳۰) العرف الشذی مع الترمذی	علامہ انور شاہ بن معظم شاہ کشمیریؒ	فیصل دیوبند
(۳۱) معارف السنن	علامہ سید یوسف بنوریؒ	دار الکتاب دیوبند
(۳۲) التعلیق الصبیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	مکتبہ فخریہ، دیوبند
(۳۳) اعلاء السنن	علامہ ظفر احمد تھانویؒ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
(۳۴) عون المعبود	مولانا شمس الحق عظیم آبادی	النعیمیہ مؤناتھ بھنجن
(۳۵) تحفۃ الاحوذی	عبد الرحمن بن عبد الرحیم مبارک پوری	المتکبۃ الاشرفیہ دیوبند
(۳۶) تحفۃ القاری	مفتی سعید احمد صاحبؒ	مکتبہ حجاز دیوبند
(۳۷) تحفۃ الالمعی	مفتی سعید احمد صاحبؒ	مکتبہ حجاز دیوبند
(۳۸) درس ترمذی	مفتی تقی عثمانی مدظلہ	کتب خانہ نعیمیہ
(۳۹) معارف الحدیث	مولانا منظور نعمانیؒ	الفرقان بکڈ پو لکھنو
(۴۰) مدارک التنزیل	عبد اللہ بن احمد نسفیؒ	دار الکتب العلمیۃ
(۴۱) لباب التاویل فی معانی التنزیل	علی بن محمد المعروف بالخازن	المکتبۃ الشاملۃ
(۴۲) تفسیر القرآن العظیم	ابو الفداء اسماعیل بن عمروؒ	دار الاشاعت، دیوبند
(۴۳) حجۃ اللہ البالغۃ	احمد بن عبد الرحیم شاہ ولی اللہ دہلویؒ	مکتبہ حجاز دیوبند

(۴۴) رحمۃ اللہ الواسعۃ	حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ	مکتبہ حجاز دیوبند
(۴۵) معارف القرآن	مفتی محمد شفیع عثمانیؒ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
(۴۶) اخبار مکۃ	ابو الولید محمد بن عبد اللہ ازرقیؒ	المکتبۃ الشاملۃ
(۴۷) وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی	ابو الحسن السمہودی	دار الکتب العلمیۃ بیروت
(۴۸) شرح الشفاء	علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری	المکتبۃ الشاملۃ
(۴۹) زاد المعاد	محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم	جوزی دار الفجر
(۵۰) حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی	مکتبۃ الایمان
(۵۱) القول البدیع	محمد بن عبد الرحمن سخاوی	المکتبۃ الشاملۃ
(۵۲) خصائل نبوی	شیخ الحدیث محمد زکریا صاحبؒ	مرکز ابی الحسن مظفر پور
(۵۳) فضائل درود شریف	شیخ الحدیث محمد زکریا صاحبؒ	کتب خانہ نعیمیہ
(۵۴) سیرت النبی ﷺ	علامہ شبلی نعمانیؒ	دار الکتاب، دیوبند
(۵۵) فتح القدیر	محمد بن عبد الواحد ابن ہمامؒ	دار الکتب العلمیۃ
(۵۶) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	ابو بکر بن مسعود کاسانیؒ	دار الکتاب دیوبند
(۵۷) البحر الرائق	زین الدین ابن نجیمؒ	دار الکتاب دیوبند
(۵۸) منحۃ الخالق علی البحر الرائق	محمد امین المعروف بابن عابدین شامیؒ	زکریا بکڈ پو دیوبند
(۵۹) الدر المختار مع رد المحتار	علامہ علاء الدین حصکفیؒ	زکریا بکڈ پو دیوبند
(۶۰) رد المحتار	محمد امین المعروف بابن عابدین شامیؒ	زکریا بکڈ پو دیوبند
(۶۱) تقریرات رافعی	عبد القادر الرافعی	زکریا بکڈ پو دیوبند
(۶۲) مراقی الفلاح	حسن بن عمار شرنبلالی	دار الکتاب دیوبند
(۶۳) فتاوی قاضی خان	محمود اوزجندی	زکریا بکڈ پو دیوبند
(۶۴) الجامع الوجیز الفتاوی البزازیۃ	ابن البزار کردی	مکتبہ زکریا دیوبند
محمد بن محمد،		
(۶۵) الفتاوی الہندیہ	جماعۃ من علماء الہند	مکتبہ زکریا دیوبند

(۶۶) الموسوعۃ الفقھیۃ الکوتیۃ	وزارۃ لاوقاف کویت	المکتبۃ الشاملۃ
(۶۷) فتاوی عثیمین	محمد بن صالح عثیمین	المکتبۃ الشاملۃ
(۶۸) المھند علی المفند	مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ	
(۶۹) فتاوی محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوہی	ادارہ صدیق ڈابھیل
(۷۰) جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع عثمانیؒ	عثمان کمپنی دیوبند
(۷۱) فتاوی قاضی مجاہد الاسلام	قاضی مجاہد الاسلامؒ	ایفا پبلیکیشنز
(۷۲) فتاوی رحیمیہ	مولانا عبد الرحیم لاج پوریؒ	مکتبہ رحمانیہ لاہور
(۷۳) آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	کتب خانہ، نعیمیہ
(۷۴) احسن الفتاوی	مولانا عبد الرشید صاحبؒ	زکریا بکڈپو دیوبند
(۷۵) قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ	کتب خانہ نعیمیہ
(۷۶) جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ	کتب خانہ نعیمیہ
(۷۷) کتاب الفتاوی	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ	کتب خانہ نعیمیہ
(۷۸) کرسی پر نماز	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ	کتب خانہ نعیمیہ
(۷۹) کتاب النوازل	مفتی سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ	مکتبہ جاوید دیوبند
(۸۰) فتاوی قاسمیہ	مفتی شبیر احمد صاحب شاہی مدظلہ	اشرفی بکڈپو دیوبند
(۸۱) انوار مناسک	مفتی شبیر احمد صاحب شاہی مدظلہ	صوت القرآن دیوبند
(۸۲) تاریخ مدینہ	مولانا عبد المعبود صاحب	فرید بکڈپو

* * *

مصنف کے دیگر تالیفات

رہنما اصول برائے خوش ازدواجی زندگی

نکاح ایک عبادت، زندگی کی راحت وسکون کا سامان اور جنسی تسکین کا جائز ذریعہ ہے، نکاح کا دن ہر جوان لڑکے ولڑکی کے لئے خوشیوں ومسرتوں سے بھرپور اور ہر جوڑے کا یادگار دن ہوتا ہے۔

رشتہ طے ہونے کے بعد سے نکاح کی تقریب کی تزئین، سامان کی خرید وفروخت، عزیز و اقارب کو حاضری کی دعوت وغیرہ میں نہایت مصروف اور شادی کے دن کے انتظار میں بے قرار و بے چین نظر آتے ہیں۔۔۔ان سب خوشیوں اور تیاریوں کے باوجود ایک اہم اور زندگی کو پرسکون بنانے والے ایک قیمتی تحفہ سے لوگ عموماً غافل ہوتے ہیں، وہ قیمتی تحفہ ''ازدواجی زندگی کے اسلامی اصول، تعلیمات وہدایات'' ہیں جن کی طرف خطبہء نکاح کی آیتیں اشارہ کرتی ہیں۔

ان اہم ہدایات وتعلیمات سے نوجوان لڑکے ولڑکیاں اور خاندان کے بزرگ افراد جو دودلوں کے جوڑنے میں سنگِ میل ادا کرنے کا رول ادا کررہے ہوتے ہیں وہ سب عموماً غافل ہوتے ہیں اور نکاح کے بندھن میں بندھ جانے کے بعد میاں بیوی کے آپسی حقوق کیا ہیں؟ نہ ہی ان مشفق ومہربان والدین کو کچھ احساس ہوتا ہے جو اپنی اولاد کو دولہا ودلہن کی شکل میں نہایت خوش وشاداں دیکھنے کیلئے انتھک کوشش میں لگے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے ایسا تحفہ (خوش گوار ازدواجی زندگی کے اصول) شادی کے موقع پر دیا جائے جو اس رشتہ کو ہمیشہ خوشیوں کے ساتھ باقی رکھنے والا اور ازدواجی زندگی کو نہایت خوش گوار اور جنت نشاں بنا سکے۔

داعی کبیر حضرت مولانا مفتی محمد اسلم صاحب رشادی مدظلہ العالی مہتمم جامعہ غیث الہدی بنگلور کی خواہش وفکر تھی کہ اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ترتیب دیا جائے جو ''نکاح کی اہمیت، ازدواجی حقوق، خوش گوار ازدواجی زندگی کے اصول، طلاق کی شرعی حیثیت اور طلاق کا غلط استعمال'' وغیرہ پر مشتمل ہو جس کو امت کے نوجوان اور خاندانی بزگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور ان کی ذہن سازی کی جائے تاکہ امت کے نوجوانوں میں پائی جانے والی ''شرحِ طلاق'' کم ہو سکے، لوگ پرسکون ازدواجی زندگی بسر کرسکیں۔

حاملین قرآن قرآن

علامہ نوویؒ کی کتاب ''التّبیان فی آداب حملة القرآن''، علمائے کرام کے نزدیک شہرۂ آفاق ہے۔

مگر افسوس! کہ اب تک اس کے مطالعے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی تھی، رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ میں بنگلور آنے کا اتفاق ہوا اور الحمد للہ یہ مبارک مہینہ مسجد علی ابوالحسنین لکسندر میں قرآن اور مضامین قرآن کی مصروفیتوں میں گزرا؛ یہاں آکر جناب مولانا مفتی عبداللطیف قاسمی استاذ جامعہ غیث الہدیٰ بنگلور سے ملاقات ہوئی، یہاں ان کی علمی وقلمی مصروفیتوں کو جان کر بڑی خوشی ہوئی، ماشاء اللہ تدریس کے ساتھ تصنیف وصحافت کی سرگرمیاں بھی جاری وساری ہیں، انہوں نے بتایا کے علامہ نوویؒ کی مذکورہ کتاب کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے، کمپیوزنگ بھی ہو چکی ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہوا کہ تمہیں اس ترجمے پر شروع سے آخر تک نظر ڈالنی ہے، میں نے بلا تکلف اسے قبول کرلیا کہ اس بہانے مذکورہ کتاب کے مضامین نظر سے گذر جائیں گے۔

اس کتاب کے دس ابواب ہیں، حاملینِ قرآن کی عظمت وفضیلت، پڑھنے پڑھانے کے آداب واحکام، قرآنِ کریم کے حقوق، آیات وسور کی مخصوص فضیلتیں، کتابتِ قرآن کی تھوڑی سی تاریخ اور اخیر میں کتاب کے مشکل الفاظ واسماء کی مختصر مختصر وضاحت پیش کی گئی ہیں، غرض یہ کہ کتاب بہت ہی مفید اور عمدہ ہے، اس میں مسائل، فقہِ شافعی کے مطابق ہیں، مترجم نے حنفی نقطۂ نظر کی وضاحت بھی ساتھ ہی باحوالہ معتبر کتب سے کردی ہے، بعض جگہ مزید وضاحت کی ضرورت تھی، ناچیز نے ان کی نشاندہی کی، موصوف نے ماشاء اللہ ان کی تلافی بھی کرلی ہے۔

محترم مترجم زید مجدہٗ کی استعداد پختہ ہے، دارالعلوم حیدرآباد میں طلبہ ءافتاء میں جن کی صلاحیت کی پختگی اور ذہانت وفطانت سے راقم الحروف متاثر ہوا، اُن میں موصوف سرفہرست ہیں، اس لیے ترجمہ میں سقم نہیں ہے، زبان بھی عمدہ اور معیاری ہے اور قارئین کو ترجمہ پن کا احساس نہیں ہوگا، اللہ کرے اصل کی طرح ترجمہ بھی قبولِ عالم حاصل کرے اور ترجمہ کا قلم تعب آشنا نہ ہو۔

''ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد''

اشتیاق احمد قاسمی، مدرس دارالعلوم دیوبند